

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_226471

UNIVERSAL
LIBRARY

ارْتَعِلْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

تَبِيبُ غَانِمِ
کیرانه خانم

جمع قرآن

مُؤَلَّفُهُ

مولوی محمد علی صاحب

۱۷۹۱ء

مطبوعہ منقیرم پریس لاہور

فہرست مصنفین جمع قتل

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۹	مخبر تین محمد و ان ہیں	۲۸	۴۳۔ تینوں اور خورنوں کی ترتیب	۱	۱۱۔ قرآن کریم کی حفاظت اور دعا
۹۰	جمع زمین پر کسی مکان کا خاں خلائق ادا تھا	۲۹	ترتیب نزول اور ترتیب جمع	۱	حفاظت قرآن سے متعلق جیسا کہ افراٹ
۹۲	قرآن میں جو کچھ لکھا گیا اور کچھ نہ لکھا گیا	۳۰	قرآن کی شہادت پر ترتیب جمع قرآن کی جی سی ہو	۱	وعدہ حفاظت اور ذکر سے مراد۔
۹۳	ہر احادیث میں جو کچھ لکھا گیا اور کچھ نہ لکھا گیا	۳۱	سوالات طلب	۳	حفاظت قرآن پر جیسے اہل اسلام کا بیت
۹۴	آیت قرآن میں اب جیسے ہے	۳۲	دلیم ویر کا اعتراض اور اس کا جواب	۳	الغنائی وعدہ سے مراد
۹۵	ابن ابی حادوث کی روایت میں جمع احادیث	۳۳	آیات کی ترتیب کی قطعی شہادت	۳	اطولکن بیا کی پیگنی اور اس کی تاویل
۹۶	حضرت ابو موسیٰ کے راویوں کو	۳۴	ترتیب آیات ترتیب نزول سے جدا کچھ	۵	اہل اسلام کی حق گوئی
۹۷	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۳۵	موجودہ ہر خبر آیات ترتیب نزول سے	۵	مردم کو ایک کا یقینی ثبوت
۹۸	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۳۶	سورہ بقرہ کی آخری دو آیات کے نزدیک	۵	دو اور عربیہ اور حضرت عمر کا اعتراض
۹۹	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۳۷	سورہ کویت کی دو آیات	۷	رنگ قرآن کا مطلب
۱۰۰	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۳۸	حضرت علیؓ کا ترتیب نزول کے مطابق ترتیب	۷	حفاظت قرآن اور حفاظت حضرت کے دو بعد
۱۰۱	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۳۹	بہشتی نازل شدہ آیت کی کچھ احادیث و تفسیر	۷	۲۔ وہ دلائل جن سے آیات نبیؐ کی
۱۰۲	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۴۰	احادیث میں علامہ ابن عباس نے فرمایا	۷	ہے۔ کہ کل قرآن کریم ان حضرت کی
۱۰۳	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۴۱	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۷	زندگی میں اور آپ کی ہر بات کے مطابق
۱۰۴	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۴۲	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۷	کچھ کچھ
۱۰۵	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۴۳	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۱	قرآن کی ہر بات حضرت علیؓ کے سامنے بھی گئی
۱۰۶	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۴۴	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۲	پیور کی شہادت
۱۰۷	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۴۵	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۲	قرآن کچھ جانے یا نہ جانے شہادت
۱۰۸	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۴۶	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۳	کوئی حضرت قرآن کا ایسا نہیں جو کچھ نہ کیا
۱۰۹	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۴۷	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۳	کفر سے خبری میں قرآن کے کچھ طے کی شہادت
۱۱۰	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۴۸	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۴	احادیث میں شہادت قرآن شریف کی ہر ایک
۱۱۱	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۴۹	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۵	آنحضرتؐ پر اپنے مقرر رکھوئی
۱۱۲	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۵۰	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۶	کا بیان دہی
۱۱۳	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۵۱	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۶	احادیث کے خبر میں لانے کی ممانعت
۱۱۴	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۵۲	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۷	حضرت عمرؓ کے اصحاب لائیکہ وہ خبر میں کچھ جانی
۱۱۵	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۵۳	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۸	ہر ایک دہی قرآن کا کچھ جانا
۱۱۶	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۵۴	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۹	حضرت ابو بکرؓ سے جمع قرآن میں خبر کی تلاش
۱۱۷	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۵۵	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۹	طرح ہو رہی ہے جو قرآن کے سامنے بھی
۱۱۸	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۵۶	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۲۰	صحابیہ دیکھ اور ان کی کثرت
۱۱۹	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۵۷	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۲۱	زیر کا عبرت ان رسم الخط سے کچھ
۱۲۰	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۵۸	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۲۲	قرآن شریف کے جزیروں پر کچھ گیا
۱۲۱	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۵۹	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۲۳	۳۔ وہ دلائل جن سے قرآن کے ہر کلمہ کا
۱۲۲	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۶۰	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۲۴	قرآن شریف ان حضرت کی زندگی میں صحابیہ
۱۲۳	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۶۱	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۲۴	حفظ کر چکے تھے
۱۲۴	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۶۲	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۲۴	قرآن کریم کا حفظ کرنا
۱۲۵	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۶۳	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۲۵	آنحضرتؐ کے صحابیہ حفظ قرآن کی تربیت لانا
۱۲۶	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۶۴	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۲۶	احادیث میں حفظ قرآن کی تاکید
۱۲۷	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۶۵	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۲۷	عمرؓ امامت قبول کرنے میں قرآن حفظ قرآن
۱۲۸	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۶۶	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۲۸	کثرت تلاوت قرآن میں آنحضرتؐ مسلم کا نہ
۱۲۹	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۶۷	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۲۹	صحابیہ کا یقینی قرآن کریم کی حفاظت پر
۱۳۰	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۶۸	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۳۰	ختم قرآن کی عبادت سے حفظ قرآن کی شہادت
۱۳۱	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۶۹	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۳۱	حضرت ابو بکرؓ سے یقین قرآن میں
۱۳۲	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۷۰	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۳۲	۴۔ حفاظت قرآن کے
۱۳۳	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۷۱	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۳۳	قرآن شریف کے راجہ کے سامنے قرآن
۱۳۴	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۷۲	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۳۴	حفظ قرآن کے صحابیہ کے سامنے
۱۳۵	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۷۳	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۳۴	قرآن کریم کا حفظ کرنا
۱۳۶	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۷۴	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۳۵	آنحضرتؐ کے صحابیہ حفظ قرآن کی تربیت لانا
۱۳۷	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۷۵	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۳۶	احادیث میں حفظ قرآن کی تاکید
۱۳۸	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۷۶	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۳۷	عمرؓ امامت قبول کرنے میں قرآن حفظ قرآن
۱۳۹	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۷۷	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۳۸	کثرت تلاوت قرآن میں آنحضرتؐ مسلم کا نہ
۱۴۰	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۷۸	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۳۹	صحابیہ کا یقینی قرآن کریم کی حفاظت پر
۱۴۱	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۷۹	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۴۰	ختم قرآن کی عبادت سے حفظ قرآن کی شہادت
۱۴۲	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۸۰	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۴۱	حضرت ابو بکرؓ سے یقین قرآن میں
۱۴۳	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۸۱	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۴۲	۴۔ حفاظت قرآن کے
۱۴۴	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۸۲	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۴۳	قرآن شریف کے راجہ کے سامنے قرآن
۱۴۵	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۸۳	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۴۴	حفظ قرآن کے صحابیہ کے سامنے
۱۴۶	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۸۴	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۴۵	قرآن کریم کا حفظ کرنا
۱۴۷	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۸۵	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۴۶	آنحضرتؐ کے صحابیہ حفظ قرآن کی تربیت لانا
۱۴۸	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۸۶	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۴۷	احادیث میں حفظ قرآن کی تاکید
۱۴۹	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۸۷	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۴۸	عمرؓ امامت قبول کرنے میں قرآن حفظ قرآن
۱۵۰	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۸۸	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۴۹	کثرت تلاوت قرآن میں آنحضرتؐ مسلم کا نہ
۱۵۱	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۸۹	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۵۰	صحابیہ کا یقینی قرآن کریم کی حفاظت پر
۱۵۲	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۹۰	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۵۱	ختم قرآن کی عبادت سے حفظ قرآن کی شہادت
۱۵۳	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۹۱	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۵۲	حضرت ابو بکرؓ سے یقین قرآن میں
۱۵۴	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۹۲	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۵۳	۴۔ حفاظت قرآن کے
۱۵۵	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۹۳	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۵۴	قرآن شریف کے راجہ کے سامنے قرآن
۱۵۶	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۹۴	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۵۵	حفظ قرآن کے صحابیہ کے سامنے
۱۵۷	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۹۵	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۵۶	قرآن کریم کا حفظ کرنا
۱۵۸	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۹۶	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۵۷	آنحضرتؐ کے صحابیہ حفظ قرآن کی تربیت لانا
۱۵۹	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۹۷	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۵۸	احادیث میں حفظ قرآن کی تاکید
۱۶۰	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۹۸	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۵۹	عمرؓ امامت قبول کرنے میں قرآن حفظ قرآن
۱۶۱	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۹۹	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۶۰	کثرت تلاوت قرآن میں آنحضرتؐ مسلم کا نہ
۱۶۲	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۰۰	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۶۱	صحابیہ کا یقینی قرآن کریم کی حفاظت پر
۱۶۳	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۰۱	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۶۲	ختم قرآن کی عبادت سے حفظ قرآن کی شہادت
۱۶۴	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۰۲	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۶۳	حضرت ابو بکرؓ سے یقین قرآن میں
۱۶۵	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۰۳	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۶۴	۴۔ حفاظت قرآن کے
۱۶۶	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۰۴	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۶۵	قرآن شریف کے راجہ کے سامنے قرآن
۱۶۷	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۰۵	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۶۶	حفظ قرآن کے صحابیہ کے سامنے
۱۶۸	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۰۶	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۶۷	قرآن کریم کا حفظ کرنا
۱۶۹	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۰۷	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۶۸	آنحضرتؐ کے صحابیہ حفظ قرآن کی تربیت لانا
۱۷۰	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۰۸	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۶۹	احادیث میں حفظ قرآن کی تاکید
۱۷۱	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۰۹	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۷۰	عمرؓ امامت قبول کرنے میں قرآن حفظ قرآن
۱۷۲	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۱۰	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۷۱	کثرت تلاوت قرآن میں آنحضرتؐ مسلم کا نہ
۱۷۳	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۱۱	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۷۲	صحابیہ کا یقینی قرآن کریم کی حفاظت پر
۱۷۴	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۱۲	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۷۳	ختم قرآن کی عبادت سے حفظ قرآن کی شہادت
۱۷۵	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۱۳	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۷۴	حضرت ابو بکرؓ سے یقین قرآن میں
۱۷۶	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۱۴	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۷۵	۴۔ حفاظت قرآن کے
۱۷۷	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۱۵	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۷۶	قرآن شریف کے راجہ کے سامنے قرآن
۱۷۸	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۱۶	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۷۷	حفظ قرآن کے صحابیہ کے سامنے
۱۷۹	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۱۷	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۷۸	قرآن کریم کا حفظ کرنا
۱۸۰	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۱۸	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۷۹	آنحضرتؐ کے صحابیہ حفظ قرآن کی تربیت لانا
۱۸۱	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۱۹	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۸۰	احادیث میں حفظ قرآن کی تاکید
۱۸۲	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۲۰	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۸۱	عمرؓ امامت قبول کرنے میں قرآن حفظ قرآن
۱۸۳	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۲۱	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۸۲	کثرت تلاوت قرآن میں آنحضرتؐ مسلم کا نہ
۱۸۴	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۲۲	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۸۳	صحابیہ کا یقینی قرآن کریم کی حفاظت پر
۱۸۵	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۲۳	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۸۴	ختم قرآن کی عبادت سے حفظ قرآن کی شہادت
۱۸۶	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۲۴	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۸۵	حضرت ابو بکرؓ سے یقین قرآن میں
۱۸۷	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۲۵	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۸۶	۴۔ حفاظت قرآن کے
۱۸۸	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۲۶	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۸۷	قرآن شریف کے راجہ کے سامنے قرآن
۱۸۹	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۲۷	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۸۸	حفظ قرآن کے صحابیہ کے سامنے
۱۹۰	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۲۸	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۸۹	قرآن کریم کا حفظ کرنا
۱۹۱	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۲۹	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۹۰	آنحضرتؐ کے صحابیہ حفظ قرآن کی تربیت لانا
۱۹۲	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۳۰	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۹۱	احادیث میں حفظ قرآن کی تاکید
۱۹۳	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۳۱	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۹۲	عمرؓ امامت قبول کرنے میں قرآن حفظ قرآن
۱۹۴	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۳۲	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۹۳	کثرت تلاوت قرآن میں آنحضرتؐ مسلم کا نہ
۱۹۵	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۳۳	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۹۴	صحابیہ کا یقینی قرآن کریم کی حفاظت پر
۱۹۶	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۳۴	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۹۵	ختم قرآن کی عبادت سے حفظ قرآن کی شہادت
۱۹۷	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۳۵	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۹۶	حضرت ابو بکرؓ سے یقین قرآن میں
۱۹۸	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۳۶	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۹۷	۴۔ حفاظت قرآن کے
۱۹۹	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۳۷	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۹۸	قرآن شریف کے راجہ کے سامنے قرآن
۲۰۰	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۳۸	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۹۹	حفظ قرآن کے صحابیہ کے سامنے
۲۰۱	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۳۹	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۰۰	قرآن کریم کا حفظ کرنا
۲۰۲	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۴۰	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۰۱	آنحضرتؐ کے صحابیہ حفظ قرآن کی تربیت لانا
۲۰۳	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۴۱	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۰۲	احادیث میں حفظ قرآن کی تاکید
۲۰۴	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۴۲	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۰۳	عمرؓ امامت قبول کرنے میں قرآن حفظ قرآن
۲۰۵	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۴۳	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۰۴	کثرت تلاوت قرآن میں آنحضرتؐ مسلم کا نہ
۲۰۶	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۴۴	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۰۵	صحابیہ کا یقینی قرآن کریم کی حفاظت پر
۲۰۷	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۴۵	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۰۶	ختم قرآن کی عبادت سے حفظ قرآن کی شہادت
۲۰۸	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۴۶	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۰۷	حضرت ابو بکرؓ سے یقین قرآن میں
۲۰۹	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۴۷	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۰۸	۴۔ حفاظت قرآن کے
۲۱۰	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۴۸	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۰۹	قرآن شریف کے راجہ کے سامنے قرآن
۲۱۱	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۴۹	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۱۰	حفظ قرآن کے صحابیہ کے سامنے
۲۱۲	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۵۰	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۱۱	قرآن کریم کا حفظ کرنا
۲۱۳	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۵۱	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۱۲	آنحضرتؐ کے صحابیہ حفظ قرآن کی تربیت لانا
۲۱۴	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۵۲	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۱۳	احادیث میں حفظ قرآن کی تاکید
۲۱۵	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۵۳	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۱۴	عمرؓ امامت قبول کرنے میں قرآن حفظ قرآن
۲۱۶	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۵۴	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۱۵	کثرت تلاوت قرآن میں آنحضرتؐ مسلم کا نہ
۲۱۷	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۵۵	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۱۶	صحابیہ کا یقینی قرآن کریم کی حفاظت پر
۲۱۸	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۵۶	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۱۷	ختم قرآن کی عبادت سے حفظ قرآن کی شہادت
۲۱۹	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۵۷	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۱۸	حضرت ابو بکرؓ سے یقین قرآن میں
۲۲۰	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۵۸	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۱۹	۴۔ حفاظت قرآن کے
۲۲۱	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۵۹	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۲۰	قرآن شریف کے راجہ کے سامنے قرآن
۲۲۲	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۶۰	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۲۱	حفظ قرآن کے صحابیہ کے سامنے
۲۲۳	حضرت عائشہ کی روایت میں جمع احادیث	۱۶۱	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترمیم	۱۲۲	قرآن کریم کا حفظ کرنا
۲۲۴	حضرت عمر کی روایت میں جمع احادیث	۱۶۲	تلاوت و حفظ قرآن بغیر تفسیر و ترم		

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

جمع مسرآن

(۱) قرآن کریم کے لیے حفاظت الہی کا وعدہ

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (سورۃ الحجر آیت ۹)

حفاظت قرآن کے
متعلق عیسائیوں
کا اعتراض

ترجمہ۔ اِس قرآن کو ہم نے آپ ہی نازل کیا ہے۔ اور اِسکی حفاظت ہم خود ہی کریں گے۔
اللہ جو عیب اور نقص سے پاک ہے اس کے وعدوں کو جب دیکھا جاتا ہے۔ اور پھر اُسکے پورا ہونے
پر حیرت کیا جاتا ہے تو اس کی عظمت اور جلال پر دل اور بھی زیادہ ایمان اور عرفان سے معمور ہوتا ہے۔ اور جس
اعیان اور زبردست طور پر اس کے وعدے پورے ہوتے ہیں ان کا اعتراف نہ صرف مومن ہی کو ہوتا ہے بلکہ غیر مومن بھی
اہل غلو و کفر اس پر گواہی دینے کے لیے مجبور ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ الہی جو آیت مندرجہ عنوان
میں دیا گیا تھا جس عظمت اور صفائی کے ساتھ اُس کے پورا ہونے کی حقیقت دُنیا پر آج تک ثابت و رطاب ہوئی ہے
وہ ایسی روز روشن کی طرح چمکتی ہے کہ بڑے بڑے مخالفان قرآن کریم بھی اسکی واقفیت اور حقیقت پر مایوس و خستہ و شہادت
دے اُٹھے ہیں۔ ہم اس مجدد ایک مخالف کے الفاظ ہی نقل کرتے پر کفایت کرتے ہیں کہ جس کا نام سر دینم پور ہے۔ اور
جس نے اسلام کی مخالفت کیلئے کتاب لائف آف محمد لکھی اور شائع کی تھی۔ اس کتاب کے دیباچے کے صفحہ ۲۱
(طبع سوم) پر اس نے قرآن کریم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ جہاں تک ہمارے معلومات ہیں دُنیا بھر میں ایک بھی
ایسی کتاب نہیں جو اس (قرآن کریم) کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو۔ اور یہ ایک دوسرے
عیسائی دان سیر کا قول نقل کرتا ہے کہ ہم ایسے ہی یقین کے ساتھ قرآن (شریف) کو بعینہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
کے مُنہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں جیسا کہ مسلمان اسے خدا کا کلام سمجھتے ہیں جس میں صاف عرفان اس بات
کا پایا جاتا ہے کہ جو قرآن شریف اس وقت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے یہ بلا کم و کاست وہی قرآن کریم ہے۔ جو
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا۔ اور اِسکی کسی عبادت یا کسی لفظ میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی۔

ظلمت
و عرۃ حفاظ
الذکر سے مراد

یہاں قدر تائید سواں یہاں ہوتا ہے کہ وہ کونسے اسباب اور حالات تھے جن کی وساطت سے یہ مقدس ترین کتاب
ہمیں بغیر کسی تحریف اور آمیزش کے حسیک اسی طرح پہنچی جس طرح ہمارے سید مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلعم پر

نازل ہوئی تھی ؟ ان اسباب کا تعلق مذہبِ اسلام کی تاریخ کے دو مختلف ماقوں کے ساتھ ہے یعنی اول زمانہِ حیاتِ نبوی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرا زمانہ خلفائے راشدین جنہوں نے کمالِ دیانت اور امانت کے ساتھ اس مقدس کلام کو اپنے دہ نسلوں تک ٹھیک اسی طرح پہنچایا جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے چھوڑا تھا۔ شہداء میں پنجابی نہیں ایک سوسائٹی لاہور کی طرف سے ایک کتاب بھی تذویل القرآن اردو زبان میں شائع ہوئی تھی جس کے مصنف کے اپنان نام ظاہر نہیں کیا۔ اس کتاب میں گمنام مصنف نے آیت مذکورہ عنوان کے متعلق بھی ظام فرسائی کرنے کی جرات کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ اس آیت میں الذکر سے مراد مطلق قرآن شریف نہیں بلکہ تمام کتبِ سماویٰ مراد ہیں۔ پس قبل ان اسباب کو بیان کرنے سے میں کا ذکر اور فرماتا ہے یہ ضرور ہی معلوم ہوتا ہے کہ مصنف تذویل القرآن کی غلطی کو ظاہر کیا جائے اس میں شک نہیں کہ لفظ ذکر سے بسا اقرآن شریف کے لئے بولا گیا ہے دوسری کتبِ سماویٰ کے لئے بھی بولا گیا ہے۔ مگر دیکھنا ہے کہ کیا اس میں ضرور جہاں آیت زیر بحث میں یہ لفظ آیا ہے وہاں مراد اس سے قرآن کریم ہے یا جملہ کتبِ سماویٰ ہی۔ خود قرآن کریم کے پڑھنے سے اور آیت زیر بحث کے اقبل اور بعد پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے۔ آیت مذکورہ سورہ جحر کی نویں آیت ہے۔ اور سورہ شریفہ اس طرح پر شروع ہوتی ہے۔ والذکر آیات الکتاب وقرآن مبین۔ اور پھر چھٹی آیت سے آیت زیر بحث تک کلام الہی میں یوں وارد ہوا ہے۔ وقالوا یا ہذا الذی نزل علیہ الذکر انک المجنون۔ لوما تاتینا بالمشکلۃ ان کنت من الصادقین۔ ما نزل المثلثۃ الا بالحق وما کافوا اذ انا منظرین۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحاظرون ترجمہ۔ اور کافروں نے کہا کہ اے شخص جس پر الذکر اُنمارا گیا ہے تو تو دیوانہ ہے۔ اگر تو سچا ہے تو فرشتوں کو کہا کہ سامنے کیوں نہیں لاکھڑا کرتا۔ سو ہم فرشتوں کو نہیں بھیجا کرتے۔ مگر فیصلہ کے لئے۔ اور جب فرشتے نازل ہوئے تو پھر انکو ملت بھی نہ مل سکی بیشک ہم ہی نے الذکر اُنمارا ہے اور بیشک ہم ہی اسکی حفاظت بھی کرینگے۔ ان جاریتوں میں دو جگہ لفظ الذکر آیا ہے۔ اور سلسلہ کلام سے ظاہر ہے کہ جو کچھ الذکر سے پہلی یعنی چھٹی آیت میں مراد ہے ہی مراد آخری یعنی نویں آیت یا آیت زیر بحث میں ہے۔ نیکی پہلی جگہ لفظ الذکر سے مراد قرآن شریف ہی قرار دینا مبین جس کا ذکر شروع سورہ میں ہے۔ کیونکہ کافروں کا خطاب صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ لہذا نزل علیہ الذکر سے یقیناً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں پس الذکر سے مراد قرآن شریف ہی ہوا ہے جملہ کتبِ سماویٰ۔ اور یہی مراد اس لفظ سے دونوں جگہ ہے۔ اسی بات کی تائید قرآن کریم کی اد آیات سے بھی ہوتی ہے مثلاً سورہ حٰجۃ المسبحہ کی آیات ۴۱-۴۲ میں بعینہ اسی مضمون کو دوہرایا گیا ہے۔ ان الذین کفروا بالذکر لما جاءہم وانه لکتاب عزیز لا یاتیک الباطل من بین یدیک ولا من خلفک تغزیر میں حکیم حمیدیل ترجمہ۔ جن لوگوں کے پاس الذکر یعنی قرآن آیا اور انوں سے اس کو نہ مانا (وہ بھی اپنا انجام کار دیکھ لیں گے) اور یہ (قرآن) تو بڑے پایہ کی کتاب ہے کہ جھوٹ نہ تو اس کے آگے (بہی کی طرف) اس کے پاس پہنکنے پاتا ہے اور نہ اُس کے پیچھے (کیطرف) سے کہ کوئی کج نیت والے سزاوار احمد

دشمن یعنی خدا کی اُتاری ہوئی ہے۔ ایسا ہی اور بھی کئی آیات ہیں جو صاف طور سے اعلان کر رہی ہیں کہ قرآن شریف میں شروع سے ہی یہ الٰہی وعدہ ہے کہ خدا تعالیٰ اسکو قریم کی تحریف - آمیزش - تغیر و تبدل اور بربادی سے ہمیشہ کیلئے محفوظ رکھینگا +

حفاظتِ قرآن پر
ابتداء سے اہل اسلام
کا ایمان

ابتداء اُنی زمانہ سے ہی مسلمانوں کا یہ اعتقاد چلا آتا ہے۔ کہ ان آیات میں خدا تعالیٰ نے قرآن شریف کو ہر قسم کے حملوں اور تصرف سے محفوظ رکھنے کا وعدہ فرمایا ہوا ہے حضرت مجاہد اور قتادہ جہ تابعین میں سب سے پہلے مفسرین قرآن ہیں وہ بھی اس پر اتفاق رکھتے ہیں۔ کہ آیت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ اِنَّا لَہِ الْخَاطِفُونَ اور آیت لَا تَنفَعُ الْبَاطِلُ مِنَ الْبَاطِلِ مَنْ یَدِیْہِ وَاَمِنْ خَلْقِہٖ تَنْزِیْلٍ مِنْ حَکِیْمٍ مَّجِیْدٍ سے یہی مطلب ہے کہ اس کلام پاک میں کوئی ایسا لفظ نہیں ڈالا جائیگا جو کلام الٰہی نہ ہو۔ اور نہ ہی کوئی حصہ کلام الٰہی اس میں مروج ہوئے ہے نہ جانیگا یا درج ہوئے ہے بلکہ کلام الٰہی ایسا ہی یہ دونوں بزرگ اور انکے علاوہ تمام مفسرین قرآن کریم اس بات پر متفق ہیں کہ الذِّکْرُ سے مراد ان دونوں آیات میں قرآن کریم ہی ہے۔ وکیفہ تفسیر ابن جریر جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ جلد ۳ صفحہ ۱۷۲ غرض یہ ایک ایسی بین او نشان بن شدہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم کے پہلے اور پچھلے مفسرین ان آیات حفاظتِ قرآن کریم کے متعلق وہی اعتقاد رکھتے تھے جو آج کل مسلمانوں میں متفقہ طور پر مروج و مسلم ہے۔ اور اس امر کی کافی شہادت موجود ہے۔ اب یہی صحیح اور ثابت شدہ حقیقت ہر جو آفتاب نصرتِ الٰہی کی طرح چمک رہی ہے بے اعتباری کا پردہ ڈالنا ایک ہیٹو وہ اور احمقانہ کوشش نہیں تو اور کیا ہو سکتا ہے +

ایمان و وعدہ
نہوت

مُصَنَّف تَابِلِ الْقُرْآنِ نے یہی لکھا ہے کہ کسی وعدے کا وجود اس بات میں نہیں کہ سکتا کہ اس کا ایفاء بھی ہو گیا۔ اور اسلئے وعدہ خود نبوت میں ہو سکتا۔ ان کے اس خیال کے ساتھ تو ہم اتفاق کرتے ہیں لیکن انہیں اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ اس وعدے کے ساتھ ایسے واقعات موجود ہیں جن پر لٹا۔ انصاف و انصاف سے صاف طور پر عیاں ہوتا ہے کہ اس وعدہ کا ایفاء نہایت صحفائی اور عمدگی کے ساتھ ہوا ہے۔ کیونکہ اگر یہ وعدہ پورا نہ ہوا ہوتا اور قرآن کریم میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کو دخل ہو گیا ہوتا۔ تو یہ ضروری تھا کہ ان دو باتوں میں سے ایک ضرور واقع ہوئی یعنی یا تو جن لوگوں نے ان تصرفات تغیرات کو دیکھا تھا یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم وہ اس کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کرتے۔ یا ان آیات بینات جن میں حفاظتِ قرآن کا وعدہ ہے موجودہ تفسیر سے سوال کوئی اور تغیر و تبدل کرنے کیجیوں یہ یقینی اور قطعی بات ہے کہ اس وجہ پر کسی نے قرآن شریف کے کلام الٰہی میں ایسے انکار نہیں کیا۔ اول تو امرِ الٰہی شاذ و نادر تھا مگر اس بنا پر کہ وعدہ پورا نہیں ہوا کوئی بھی تردید نہیں ہوا اور کسی صحابی نے آیات وعدہ حفاظتِ قرآن کی کوئی اور تفسیر یا تاویل کی۔ بلکہ سب کے سب بالاتفاق ایسی اعتقاد پر جمے رہے اور ایک صحابی کا نام بھی نہیں بتایا جا سکتا جس نے ان دو شکوک میں سے کوئی ایک اختیار کی ہو۔ بلکہ جن معنوں کا یہ تہمتیں العین سے ملتا ہے جن کے معلم جلد صحابہ تھے وہ وہی معنی ہیں جو ہمیں اور اعتبار رکھنے میں اور جن کی بنا پر شروع سے لیبر کی چونکہ تمام مسلمان قرآن کی حفاظت کے الٰہی وعدے کو سچا یقین کرتے چلے آئے ہیں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان لفظوں کے یہی معنی کرتے تھے۔ ان کے سوا

اطولکن بدلا
کی شیکوئی اور
اسکی تاویل

کوئی اور مطلب ان الفاظ کا ان سے کہیں ثابت نہیں۔ اگر وہ ان الفاظ کے کوئی اور معنی کر جاتے تو ضرور تھا کہ وہ ہم تک بھی پہنچتے جیسا کہ ایک اور مشہور کوئی تفسیر اور معنی بیان کرے میں بڑا اور وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک خدا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اسرا ممکن لحو قالی اطولکن بدلا جس کے ظاہر معنی یہ ہیں۔ کہ تم میں سے مجھے وفات پا کر وہی پہلے ملے گی جس کے لیے ہاتھ ہیں چنانچہ وہ حدیث صحیح مسلم میں بروایت حضرت عائشہ اُم المؤمنین درج ہے ذیل میں نقل کی جاتی ہے عن عائشہ اُم المؤمنین قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسرا ممکن لحو قالی اطولکن بدلا فکن ینظرون ایمنھن اطول بدلا قالت فکنا اطولنا بدلا نہ بدلا لہا کانت تعمل بیدھا والصدق ترجمہ۔ حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ تم میں سے مجھ کو جلدی وہ ملے گی جس کے ہاتھ لمبے ہیں حضرت عائشہ نے فرمایا۔ یہ یا رسول اللہ تمام ازواجِ مطہرات اپنے اپنے ہاتھ اس بات کے دریافت کرنے کے لئے اپنے گلیں گلیں کے سب سے لمبے ہاتھ ہیں پھر آخر کار زینب کے ہاتھ اس کی خاوت کی وجہ سے اس حدیث کے منشاء کے مطابق سب سے ثابت ہوئے۔ ان مقدس سیویں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سُن کر اس کے یہی معنی سمجھے کہ گویا اس سے مراد جہانی طور پر لمبے ہاتھ ہیں۔ اور اسی لئے غلط فہمی سے ایک دوسرے سے ہاتھ نکالنا پنا شروع کر دیا لیکن احادیث کی کتابیں ایسی احتیاط اور امانت داری سے لکھی گئی ہیں کہ کسی قسم کی رعایت کے بغیر تمام امور کو درج کر دیا گیا ہے۔ ان کی غلطی بھی حدیثوں میں صاف طور پر درج ہے۔ اور اس کے صحیح معنی بھی کھلے طور پر لکھے ہوئے موجود ہیں۔ چنانچہ امام نووی نے اس حدیث کے معنی یہ لکھے ہیں معنی الحدیث انھن ظنن ان المراد بطول البدل المحقیقۃ دھما لجا رجة تکن ید عن ید یقن نقصہ فکانت سودۃ اطولھن جارحۃ وکانت زینب اطولھن ید فی الصدقة وفعل الخیر فماتت زینب اوھن فعلموا ان المراد طول البدل فی الصدقة والمجود قال اھل اللغة بقول فلان طویل البدل طویل الباع اذا کان سمحا جواد یعنی اس حدیث کے یہ معنی ہیں کہ حضرت سول کریم کی زوجین نے یہی سمجھا تھا۔ کہ لمبے ہاتھوں سے مراد ہے الحقیقۃ لفظی طور پر لمبے ہاتھ ہی ہیں۔ اور اس لئے انھوں نے اپنے ہاتھوں کی لمبائی کو اپنا شروع کر دیا۔ ناپنے سے معلوم ہوا کہ حضرت کی ہوی سودا کے ہاتھ سب سے لمبے تھے اور حضرت زینب صدقہ خیرات میں سب سے کھلا ہاتھ رکھتی تھیں۔ اور وہی سب سے پہلے فوت ہوئیں۔ اُس وقت ان کو معلوم ہو گیا۔ کہ اس حدیث کے اصل معنی یہ تھے کہ لمبے ہاتھوں سے مراد سخاوت اور خیرات اور صدقہیں سب سے بھارت اور وقت تھی اہل لغت ایسے نفرت سے یہی معنی کرتے ہیں۔ چنانچہ جب کہتے ہیں کہ فلان طویل الباع یا فلان طویل البدل تو اس سے ہوی مراد ہوتی ہے کہ فلان شخص بہت بڑا سخی اور فیاض طبع ہے (دیکھو نووی حاشیہ سلم) ایسا ہی حضرت امام بخاری اور مشہور معروف صاحب فتح الباری بھی اس امر پر متفق ہیں کہ اس حدیث کے معنی ازواجِ مطہرات نے پہلی ہی سمجھے تھے لیکن بعد میں ان پر منکشف ہو گیا کہ اس کے معنی وہ نہیں جو انھوں نے سمجھے تھے

تھے بلکہ سخاوت اور فیاضی میں سبقت مراد تھی (دیکھو تفسیری باب صدقات) ۴

اہل اسلام کی
حق گوئی

غرض اسلامی لٹریچر میں بن کو ایسا مقدم رکھا گیا ہے کہ کسی شخص نے کسی کی کبھی کچھ عایتیں کی اور نہ ہی کسی کی پاس خاطر سے کبھی کسی امر کا اخفا یا کم دیش کر کے کھا گیا۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے ایک حدیث کے سمجھنے میں غلطی کھائی تو اکثر معتبر کتابوں میں اس کا ذکر موجود ہے۔ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشگوئی تھی اگرچہ یہ پیشگوئی قرآن کریم کا کوئی حصہ نہ تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی تھی اسلئے وہ اپنے صحیح منطوق کے ساتھ پوری ہوئی یعنی اُم المؤمنین زینب جو جو دینا اور کرم و فیض میں سب بیویوں بڑھی ہوئی تھیں سب سے پہلے فوت ہوئیں اور سودا پہلے فوت ہوئیں جن کے ہاتھ صحابی طور پر لمبے تھے جبکہ ایسی معمولی درجہ کی باتوں کے اختلافات اور حافی احادیث میں اس قدر دیانتداری اور احتیاط کے ساتھ درج ہیں تو قرآن کریم کی حفاظت کے وعدوں کی آیات جو ایک پہلو سے انمول اسلام میں شمار ہوتی ہیں اور اہم اور ضروری ہیں کہ ایک لوگ ان کے معانی کے ساتھ برابر بھاری تعلق ہے تو ایسے اہم امر کی متعلق آیات کے لفظی معنوں اور اس عظیم الشان وعدہ کے ظاہری رنگ میں پورا ہونے میں نہ بھی اختلاف اور تحریف واقع ہوتا تو نہایت ضروری تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کثیر اس طرف جاتی کہ اس پیشگوئی سے مراد اس کا ظاہری الفاظ میں پورا ہونا نہیں بلکہ اس سے کچھ اور مطلب ہے اور وہ مطلب بیان کرنے اور آئندہ فسلوں کو اس سے مطلع کرتے لیکن حدیث کے اتنے بڑے ذخیرے میں کہیں کسی جگہ صحیح اور مستند تو کی کوئی ضعیف سے ضعیف حدیث بھی اس بات کی تائید میں نہیں ملتی جس میں صراحت سے یہی کہنا یا یہی اشارہ ہو کر وعدہ الہی اپنے ظاہری معنوں میں پورا نہ ہوا تھا اور اس کی تائید یہ کی گئی تھی ۴

عدم تحریف کا
یقینی ثبوت

کسی حدیث میں اس بات کا صراحتاً یا کنایتاً ذکر نہ ہونا ایک ایسی زبردست دلیل قرآن کریم کے محفوظ رہنے کی ہے کہ اس کے بعد کسی دلیل کے نیسے کی حاجت نہیں رہتی۔ اور اس سے قطعی اور یقینی طور پر یہ ثابت ہوتا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے اور ان کی زندگیوں میں ایک حرف کی بھی تحریف یا تغیر تبدیل یا کمی زیادتی نہیں ہوئی بلکہ صحابہ کرام کے بعد بھی ہم یہ بات دیکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ بزرگ قوم تائیں جنہوں نے بڑی محنتوں اور مشکلات سے محض اللہ تعالیٰ کی رضا جاتی اور دین کی خاطر صحابہ سے قرآن شریف سیکھا تھا اور احادیث حاصل کی تھیں اور انکی صحبت سے بہرہ اور مدد ہوئے تھے۔ اس امر پر متفق ہیں کہ ان آیات سے یہی مراد ہے کہ قرآن شریف میں کوئی تصرف اور آمیزش کبھی راہ نہ پائے گی۔ اور خدا اس کی نگہبانی کرتا رہے گا۔ اس تمام تحریر سے یہ بات صراحتاً اچھی طرح سمجھ میں آ جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب قرآن شریف کی حفاظت کی پیشگوئی مندرجہ قرآن کریم کا پورا ہونا ظاہری الفاظ کے موافق نہ تھے۔ اور اس پر یقین کامل رکھنے کے لیے کلام الہی ہے۔ اور یہ وعدہ الہی ہے۔ اگر کسی طرح سے وہ اس وعدہ الہی میں تجاوز محسوس کرتے اور اس بات کو دیکھ پائے کہ قرآن شریف میں کوئی تصرف اور تحریف کسی طرح سے واقع ہو گیا ہے تو ایسے جو انہر در استہزائی کے عاشق و سچائی کے

حامی اور شہداء کی کبھی خاموشی اختیار نہ کرتے لیکن ساری تواریخ کے اوراق دیکھ لو کہیں ایک حرف بھی ایسا نہ ملے کہ جس سے صراحتاً یہی اشارہ ہی انکی تائید ہوتی ہو۔ کہیں نہیں دیکھو گے کہ صحابہؓ کی جماعت بلا آنکے کسی ایک فرد منقسم نے بھی اس وجہ پر انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر حرف لکھا ہو۔ اسلامی تواریخ دوسرے مذاہب کی تاریخ کی طرح محض اور تاریک نہیں بلکہ نہایت مکمل اور مفصل اور معتبر تاریخ موجود ہے۔ اسلئے یہ خیال کرنا سراسر غلط اور دھوکہ دہ ہوگا کہ ایسا عظیم الشان اور اہم امر واقعہ ہوا ہو اور چھوڑ دیا گیا ہو یا وہ متاخرین کی نظروں سے ہی آشکار ہا ہو صحابہؓ کے حالات دیکھنے سے صلت معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسے لوگ تھے کہ اس مشکوئی کو بظاہر ناکام دیکھ لیتے اور خاموش بیٹھے رہتے۔ وہ ایسے دلیر اور سچائی کے لئے شجاع تھے کہ اگر کہیں ذرہ سا شک بھی ان کی طبیعت میں کسی امر پر پیدا ہوتا تو وہ بہت آداسی سے بیان کرتے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شبہ یا دوسرے ان کے دلوں میں کسی وقت رہے پھر پڑتا تو وہ آنحضرتؐ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں بھی باز آوی تھے پیش کر دیتے تھے اور کبھی نہ کہتے تھے۔

ہم انکی اس حرمت ایمانی کے متعلق بطور مثال ایک واقعہ کو پیش کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤیا میں دیکھا کہ آپ (صلعم) مع جماعت طوان بیت اللہ کر رہے ہیں۔ چونکہ یہ رؤیا منجانب اللہ تھا۔ اسلئے چودہ سو سے کچھ زیادہ جماعت صحابہؓ شلے کہ آپ (صلعم) مدینہ سے مکہ معظمہ کی طرف بلا رہے جو روانہ ہوئے لیکن جب آپ مع جماعت مدینہ کے مقام پر پہنچے تو فرشتے انکی جمعیت کے مقابلہ کے لئے آئے اور مداح مچ گئے اور کہا کہ ہم اس سے آگے نہیں بڑھتے نہیں دینگے۔ بہت ساری قبیل و قال کے بعد اس مقام پر فرشتوں کے درمیان صلح ہو کر فرشتوں میں جس کا نام صلح حبیبیہ ہے اس صلح کی رو سے نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہیں سے مدینہ کی طرف واپس ہونا ہی پڑا بلکہ اُنھی بعض ایسی باتیں منظور کرنی پڑیں جو صحابہؓ کو ناگوار گذر رہیں۔ یہ شرائط عام طور پر مسلمانوں پر شاق گذر رہیں کیونکہ انہیں حج کرنے کے اخیر وہیں سے واپس جانا پڑا اس پر حضرت عمرؓ حضورؐ کے خطاب کا تبت صلعم میں حاضر ہوئے اور مسلمانوں کے فیالاح کو یہیں الفاظ پیش کیا۔ فقال عمر بن الخطاب فأتیت نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت السدت نبی اللہ حقاً؟ قال بلی! قلت السنا علی الخی وعدنا علی الباطل؟ قال بلی! قلت فلو أعطی الدنیا فی دیننا اذا؟ قال انی رسول اللہ ولست اعصیہ وھو ناصری قلت اولیس کنت تحدثنا اناسنا فی البیت فخطوب بہ؟ قال بلی! فاخبرنا ان انانہ العام قال قلت قال فانک انتہیہ ومطوب بہ یعنی حضرت عمرؓ ابن الخطابؓ فرمایا میں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا آپ خدا کے برحق رسول نہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں بیشک میں خدا کا رسول برحق ہوں! پھر میں نے عرض کیا کہ کیا ہم حق پراد ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں بیشک! پھر میں نے عرض کیا تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہم ایسی مضمر شرط کو قبول کریں جو ہمارے دین کو نقصان پہنچاتی ہو؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ اس میں مجھ شک نہیں کہ میں خدا کا رسول ہوں اور میں اس کے

واقعہ مدینہ

اور حضرت کا اعتراض

حکم کی نافرمانی نہیں کرنا اور وہی میرا دگار ہے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ نے یہ نہ فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ میں پہنچیں گے اور طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں! لیکن کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال وہاں پہنچیں گے؟ پھر میں نے جواب دیا نہیں! پھر آپ نے فرمایا کہ بیشک تم بیت اللہ میں پہنچو گے اور طواف کرو گے (مخاریق کتاب الشریعہ) اب جائے غور ہے کہ جو عمرات اور استقلال اور رحمت خدا تعالیٰ نے حضرت عمرؓ ابن الخطاب کو عطا کی ہوئی تھی اس سے دنیا میں کوئی شخص پہنچ نہیں ہو سکتا۔ اور جس طرح وہ آنحضرتؐ سے اللہ علیہ وسلم کے فدائی خادم تھے وہ بھی تمام جہان کو معلوم ہے ایسا جلیل القدر انسان اپنے آقا اور محمدؐ کی خدمت میں صرف اتنی بات پر اتنی بڑی جرأت سے بھرے ہوئے سوال کرتا ہے۔ اور وہ بات ہی کیا تھی صرف یہی کہ آنحضرتؐ نے کفار کو کئے ہوئے سے حج کے ارادہ کو سال آئندہ پر ملتوی کر دیا تھا۔ اور صلح کے شرائط منظور کر کے مدینہ سے مدینہ کی طرف مراجعت کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ جب ہم حضرت عمرؓ کا ایمان آنحضرتؐ صلعم پر دیکھتے ہیں اور اسی بات پر غور کرتے ہیں کہ وہ سچے دل سے آپ کو خدا کی طرف سے سمجھتے تھے اور یہی جتنے اور ماننے تھے کہ وہ جو کام کرتے ہیں خدا ہی کے حکم سے کرتے ہیں۔ پھر ایسے ایمان کے باوجود ایسے سوالات سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ وہ لوگ حق کے لیے ایسے ہمارے دھڑکے کو ذرا سی بات کو بھی فرو گذاشت نہیں کر سکتے تھے چنانچہ انہوں نے اس وقت تک صبر نہ کیا جب تک کہ ان کی خاطر خواہ نسل نہ ہو گئی اور امر حق ان کو نہ معلوم ہو گیا کہ حضورؐ کو کائنات صلعم کا رب و مالک صلیح و رقی تھا لیکن اس میں یہ شرط نہ تھی کہ حج اسی سال میں ہو گا بلکہ اس میں صرف حج کا وعدہ دیا گیا تھا جس کا وقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم تھا۔ اور محض حدیبیہ سے لڑ جاتے اور اس سال میں حج کرنے سے قاصر بننے سے نہیں فرار دیا جاسکتا کہ وہ دبا غلط تھا۔ اگر انصاف سے کام لیا جائے تو یہ ایک ہی حدیث اس کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ صحابی رضی اللہ عنہم کو جب کبھی کسی امر میں شبہ یا وسوسہ پڑا ہوتا تو ان کی علت تھی کہ نہایت آزادی کے ساتھ اسکو حضرت سالت اب صلعم کے حضور میں پیش کر دیتے۔ اور جب تک تسلی نہ ہوتی خاموش نہ ہوتے۔ اس لیے یقینی بات ہے کہ اگر قرآن شریف میں ایک ذرہ تحریف یا تغیر و تبدل یا تصرف بھی واقع ہوتا تو اس میں مشکوکی کی صداقت پر بہت زبردست اعتراض ان کی طرف سے وارد ہوتے۔ اور یہ ضروری تھا کہ ایسا اعتراضات آئندہ تسلسل میں بھی مشہور و معروف ہوتے لیکن تمام اسلامی کتب میں کہیں کوئی ایسی روایت موجود نہیں اس سے صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ کبھی کوئی وسوسہ قرآن کریم کی تحریف و تصرف کی بابت پیدا ہی نہیں ہوا۔ اور اس سے یہ بات صریح طور سے ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف ختم کے تصرفات و تحریفات و تغیرات سے پاک رہا ہے اور جس طرح آنحضرتؐ صلعم سے صحابہؓ نے سلیم کیا تھا۔ اسی طرح ہاکم و داکم کج تک موجود ہے جس سے اس مشکوکی کا منجانب اللہ ہونا اور اس کی صداقت ثابت ہے۔

رفع قرآن کا
مطلب

مُصنّف تادیل القرآن نے محض یہ سمجھی سے ابن ماجہ کی ایک حدیث نقل کی ہے جس کا مطلب اس نے لکھا ہے کہ قرآن شریف پر ایک ایسا زمانہ آگیا کہ جب یہ کاسب اٹھایا جائیگا یہاں تک کہ ایک آیت بھی باقی نہ چھوڑی

جائگی۔ اور پھر اس سے اس نے نتیجہ نکالا ہے کہ جبکہ یہ جائز ہے کہ سارا قرآن شریف نیا سے اُٹھ جائے اور ایک آیت بھی اسکی روئے زمین پر باقی نہ رہے تو پھر بھی وعہ انا لنحن نزلنا الذکر من انا لہ لحفظون میں کچھ فرق نہیں سکتا تو پھر اگر قرآن شریف کا کوئی حصہ گم ہو جائے یا اس میں کوئی نقصت اور تحریف کر لی جائے تو اس وعہ حفاظت میں کیونکر فرق آتا جائے تسلیم ہو سکتا ہے۔ اول تو اس مختصر نے اتنا بھی نہیں سمجھا کہ ابن ماجہ مسلمانوں میں اُن کتب میں سے نہیں لائی جاتی جن کی سند پر ان کو سب سے اول درجہ پر ایمان ہے مسلمان اسکی ردایا کو قرآن شریف کی آیات اور صحیح بخاری وغیرہ کی صحیح احادیث پر حاکم نہیں سمجھتے۔ قرآن شریف کے وعہ کے مقابلہ میں ایسی بات کو لکھ کر لینے میں دعویٰ کی تائید کرنا کہ حفاظت الذکر سے قرآن شریف کی حفاظت سزا نہیں راقم کی مطلق حماقت اور نہ کچھ بھی بردہیل میں ہے۔ ماسوائے اسکے قرآن شریف کے اُٹھائے جانے سے مراد یہ نہیں کہ کسی عبارت اور الفاظ کسی زمانہ میں دُنیا سے اُٹھ لیتے جائیں گے۔ یہ تو نہایت لغو تعبیر ہے اس کا صاف مطلب یہی ہے۔ کہ مغز قرآن جہاں سے اُٹھ جائیگا یعنی ایک زمانہ ایسا آئیگا۔ کہ جب لوگوں کی زبان پر قرآن ہوگا مگر ان کی عملی زندگیوں سے وہ خارج ہوگا بخاری اور مسلم میں جو احادیث صحیحہ اس مضمون پر آئی ہیں ان سے صاف پایا جاتا ہے کہ علم قرآن علما کے نہ ہونے کی وجہ سے قبض کر لیا جائیگا نہ کہ اس کے الفاظ قبض کر لینے جانے کی وجہ سے۔ چنانچہ مشکوٰۃ کتاب العلم میں یہ حدیث آئی ہے۔ عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا عند الموت من العباد ولكن یقبض العلماء یعنی عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ علم کو لوگوں میں سے چھین کر نہیں لے جائیگا بلکہ علماء کے قبض کرنے سے علم قبض کر لیگا۔ ایسا ہی یہی نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا جب اسلام سے کچھ نہ رہیگا مگر صرف اس کا نام۔ اور قرآن سے کچھ نہ رہیگا مگر اس کے الفاظ چنانچہ مشکوٰۃ کتاب العلم میں یہ حدیث آئی ہے۔ عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو شک ان یاتی علی الناس نھان لا یبقی من الاسلام الا اسمہ ولا یبقی من القرآن الا رسمہ مساجد ہم عامرۃ وہی خراب من الھری علیا وھم شرھن تحت ادیر السماء من عندھم تخرج الغنۃ فیھم وعود یعنی حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ جب اسلام میں سے کچھ نہ رہیگا مگر اس کا نام۔ اور قرآن میں سے کچھ نہ رہیگا مگر اس کے الفاظ۔ ان کی مسجدیں معمور ہونگی لیکن ہر آیت کے نہ ہونے کے سبب حقیقت میں ویران ہونگی۔ اور ان کے علماء مگر طرہ کر ایسے قراب ہو سکتے ہونگے کہ پردہ آسمان کے نیچے اُن سے ٹرھ کر ٹرھ کوئی نہ ہوگا۔ اُن سے ہی فتنہ نکلیگا اور انہیں میں عود کر کے داخل ہوگا۔ اب صاف ظاہر ہے کہ قرآن اُٹھائے جانے سے پورا نہیں ہو سکتی کہ گویا جس قدر قرآن لوگوں کے گھر میں لکھے اور جھپٹے ہیں یا جس قدر قرآن کتب خانوں اور دکانوں اور مسجدوں اور مقدس مقامات میں موجود ہیں وہ سب کے

سب کسی روز دنیا سے اٹھا لیے جاویں گے۔ اور جن لوگوں نے بڑی محنتوں سے اس کو کھلایا جزا حفظ کیا ہوا ہے ان کے حافظوں سے بھی اسکو سلب کر دیا جائیگا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلامی عبادات بھی دنیا سے معدوم ہو جائیں گی اور اس وجہ سے اسلام ہی دنیا سے رخصت ہو جائیگا ایسا کبھی ممکن نہیں اور نہ ہی حدیث ابن ماجہ کی مینشاء پہنچتی ہے۔ خدا تعالیٰ تو اپنے اس نبی کو ایم کو ابدالاً و تک زندہ رکھیکا مصتف تاویل القرآن کے پُرمانے اور اپنے دل کی معاندانہ ہوائی امتگوں کو اس رنگ میں بیان کر کے سے کیا ہو سکتا ہے کاش وہ حدیث ابن ماجہ کے ان الفاظ کا مطلب سمجھنے کے لئے اپنے ناقص علم پر ہی حصر نہ کرتا بلکہ اگر انصاف اور حق پر وہی سے اسے غرض تھی تو کسی واقفکار سے پوچھ لیتا۔ اور مذکورہ بالا حدیث کے ساتھ اتر مذہبی۔ احمد حنبل۔ اور دارمی سے اسی امر کی شہادت لے لیتا۔ تو پھر اسکو اچھی طرح معلوم ہو جاتا کہ تمام مبین کا اس کے کون سے معنوں پر اتفاق ہے اور کون شخص مصتف تاویل القرآن کے ساتھ متفق ہے مشکوٰۃ کتاب العلم میں ایک حدیث لکھی ہے جو ذیل میں نقل کی جاتی ہے عن زیاد بن لبید قال ذکر الہی صلی اللہ علیہ وسلم شیعۃ فقال ذاک عندنا اہل ذہاب العلم۔ قلت یا رسول اللہ کیف یذہب العلم ونحن نقرء القرآن ونقرء فی ابناءنا ولیقہ فی ابناءنا ابناء ہم ا ل یوم القیامۃ فقال نکلتک اہلک زیاد ان کنتم لا تملک من انقض رجل بالمہینۃ ا و لیس ہذا الیہود والنصارى یقرءون التورات والانییل لایملون بشئ مما فیہا یعنی زیاد بن لبید سے روایت کی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ کسی امر کے واقعہ ہونے کے متعلق فرمایا کہ وہ علم کے کم ہو جانے کے زمانہ میں واقعہ ہوگا میں نے اس پر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ علم مفقود ہو جائیگا جبکہ قرآن پڑھتے ہیں اور اپنے بیٹوں کو پڑھاتے ہیں۔ اور ہماری اولاد اپنی اولاد کو پڑھا ئیگی اور سید روز قیامت تک چلا جائیگا۔ یہ بات سیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے زیاد! تیری ان تجھ سے محروم ہو جائے! ایں تو سمجھتے تھے کہ مدینہ میں تو ایک بڑا دانا آدمی ہے۔ کیا یہ یہود اور نصاریٰ کے تورات و انجیل کو نہیں پڑھتے لیکن وہ ان کی کسی بات پر عمل نہیں کرتے۔ اب اس حدیث سے ہمارے مفقود پر اور بھی زیاد روشنی پڑتی ہے۔ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ کسی زمانہ میں علم کم ہو جائیگا تو مگر ایک صحابی نے خیال کر کے کہ علم کے معنی صرف پڑھنے پڑھانے کے ہیں عرض کیا کہ جبکہ ہم خود قرآن کریم پڑھتے ہیں اور اپنی اولاد کو پڑھاتے ہیں اور ہماری اولاد میں سید تعلیم و تعلم قرآن شریف تاقیامت جاری رہیگا تو پھر علم کم کیونکر ہو جائیگا چنانچہ انکی تفسیر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود اور نصاریٰ کی مثال میں کر کے فرمادی یعنی علم سے مراد یہ نہیں کہ کتاب الہی کو سطر طے کی طرح پڑھتے ہیں بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ اور کم کم ہونے سے یہی مطلب ہے کہ گویا تعلیم میں عمل قرآن اٹھ جائیگا نہ کہ اسکے الفاظ اور عبارات +

جہاں اور کبھی جا چکی ہیں ان سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم آیت انا نحن نزلنا الذکر انا لہ لحافظون کے یہی معنی سمجھتے تھے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ

قرآن کریم کو ان ہر قسم کے تصرفات اور تصرفات کے محفوظ رکھیکا جو پہلی کتابوں کی تباہی کا موجب ہوئے۔ کوئی انسان کسی طرح سے اس میں سے نہ کچھ نکال سکیگا اور نہ اس میں ایک لفظ بڑھانے پر قادر ہو سکیگا جتن جیسا کہ نازل ہوا اور ایسا ہی تا قیامت موجود رہیگا۔ اور اس اہم اور زبردست عہد آتی کے متعلق کسی نے کبھی کوئی فہم اسادوسن بھی پیش نہ کیا۔ آج تک جو کئی صدیاں گزر چکی ہیں ہنسنہ وہی قرآن مجید وہم تک پہنچا ہے۔ ہوا آنحضرت صلیم پر نازل ہوا تھا اور جس طرح آپ اپنے صحابہ کو تعلیم کیا تھا۔ اس میں ایک مژدہ کا فرق نہیں ہوا۔ آپ طرف اس زبردست عہد کا وجود اور دوسری طرف تاریخ کی سچی شہادت کے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ قرآن شریف میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہونے پایا اور اسکی تحریف و تبدیل ایک راہی کے دانہ کے برابر بھی نہیں ہوئی۔ ان صریح شہادتوں کے علاوہ اور بھی بہت ساری باتیں ایسی ہیں جن سے یہ بات بطور تحقیق ثابت ہوتی ہے بطور مثال اس جگہ ہم ایک امر کا ذکر کرتے ہیں۔ کہ اسی زمانہ میں جب قرآن شریف کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وعدہ دیا گیا تھا کہ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم یفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس ہر جملہ ائمہ رسول جو کچھ تم پر تمہارے رب کی طرف سے اترتا ہے وہ تو ان کو پہنچا دو۔ کیونکہ اگر تم اس کی تبلیغ نہ کرو گے تو سمجھا جائیگا کہ تم نے اپنا منصب پیغام رسانی پورا نہیں کیا اور اللہ تمہیں لوگوں سے محفوظ رکھیکا۔ اس قسم کا وعدہ اور بھی بہت ساری آیات میں پایا جاتا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ایک وعدہ الہی تھا کہ تمہارے دشمنوں کے برے خیالات اور گنہگار منصوبوں اور ظالمانہ حملوں سے تمہاری حفاظت ہم خود کرینگے اور اسی زمانہ میں حفاظت قرآن کا وعدہ بھی ہوا تھا۔ اور دونوں وعدے ایک ہی زبردست اور نئے عہد کی ایک ہی طرف تھے۔ جو تمام جان کا مالک خالق ہے۔ پس وعدہ کے پورا ہونے کا تعلق تو آنحضرت صلیم کی زندگی تک ہی تھا۔ اور دوسرے وعدہ کی ایفاء آپ کی وفات کے بعد سے شروع ہونے والی تھی۔ آنحضرت صلیم کے کام کو دو خطرناک خطرات کا سامنا تھا۔ اول یہ کہ آپ دشمنوں کے منصوبوں اور حملوں کا شکار ہو کر قتل ہو جاتے۔ سو اگر یہ واقعہ اس طرح ہو جاتا تو پھر آپ کا بارگاہ و مابود تمام سلسلہ اور کتاب الہی جو آپ پر نازل ہو رہی تھی ناقص اور نامتام رہ جاتے اور دوسرا خطرہ یہ تھا کہ آپ کی وفات کے بعد اس مقدس کتاب میں بھی پہلی کتابوں کی طرح انسانی تصرفات کی تحریف تبدیل واقع ہو جاتا اور اس طرح اسلام تباہ ہوتا۔ آپ کے پہلے بعض انبیاء کو لوگوں نے قتل بھی کر ڈالا تھا۔ اور وہ کتابیں جو آپ کے پہلے انبیاء پر لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل ہوئی تھیں وہ ان کے بعد محو و تبدیل ہو گئیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلیم کی رسالت کے کلام تو ان دو وعدوں سے نہایت مکمل کر دیا۔ ان کی جان کی حفاظت ایسی کر دکھائی کہ باوجود دشمنوں کی اس فز و زور اور درجیت اور قوت کے اور باوجود آنحضرت صلیم کی کمزوری کی قلت اور کمزوری کے خدا تعالیٰ نے آپ کو ہر ایک حملہ و منصوبہ سے بچائے رکھا۔ اور کسی قاتل و غاصب کا ان پر کوئی حملہ منصوبہ پیش نہ ہا سکا۔ جب انصاف اور زور سے اس زمانہ کے حالات پر نظر کی جاتی ہے تو معلوم

ہوتا ہے کہ اس وعدہ کا پورا ہونا کتاب کی حفاظت کے وعدے کے ایسا سے بہت مشکل تھا لیکن اس بار سے کوئی شخص انکا نہیں کر سکتا کہ یہ عن بلا کم و کاست پورا ہو چکا۔ مگر میں بھی مخالفوں نے طرح طرح کے منصوبوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جان پر حملے کیے اور مدینہ میں بھی آپ کو قتل کرنے کے منصوبے کیے گئے لیکن وہ سب میں ناکام و ناکر رہا ہے۔ جب اس ایک وعدہ کا پورا ہونا اپنی آنکھوں کے سامنے صحابہ نے دیکھ لیا کہ خدا تعالیٰ نے اسی شخص کو جس سے دشمنوں کو ان کے منصوبوں اور حملوں میں پسپا کیا۔ اور ایک تنہا اور یکس تیم کی اس قدر مخالفتوں اور بددست منصوبوں اور حملوں کے مقابلہ میں کس طرح جان چپائی اور اس کا کام پورا کرایا تو ان کا یقین اور ایمان اس بات پر اور بھی زیادہ ہو گیا کہ ایسا بددست خدا و دوسرا وعدہ بھی ضرور پورا کرے گا۔ چنانچہ وہ بھی آج تک پورا ہوتا رہا۔ اور اسی طرح ہوتا رہے گا۔ اور ان وعدوں کے پورا ہونے سے اسلام کے منجانب اللہ ہونے کا یقین ثبوت ملتا ہے اسکے بعد اب میں ان اسباب کو بیان کروں گا جو قرآن کریم کی حفاظت کا ذریعہ بنے۔ مگر اس پہلے حصہ کے خاتمہ پر ایک بات کا بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تورات سے متعلق اللہ تعالیٰ نے نبی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ تم نے اسے نہ گھٹانا اور نہ بڑھانا مگر شریعت میں جس قدر احکام انسانوں کو دئے گئے بعض نے انکی خلاف ورزی بھی کی۔ اور یہ ایک مسلم امر ہے۔ ایسا ہی تورات کی حفاظت میں جو تک خدا نے انسانوں کے سپرد کی اسلئے احکام شریعت کی طرح ضروری تھا کہ اس میں گھٹا یا بڑھایا جاتا اور تحریف بھی ہوتی مگر قرآن شریف کی حفاظت کو خدا تعالیٰ نے کسی انسان کے سپرد نہیں کیا بلکہ وہاں حفاظت کی ذمہ داری خود اٹھائی۔ اور یہی فرمایا کہ تم خود ہی اس کی حفاظت کر لینگے جس سے اسی منشاء صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس میں کسی قسم کی تحریف یا تغیر نہ ہوگی و دخل نہ پائے۔

(۲) وہ دلائل جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مکمل قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور آپ کی ہدایت کے مطابق لکھا گیا تھا

قرآن کی ہر
آنحضرت صلی
سلمنے لکھی

اب جبکہ یہ بات ثابت ہو چکی کہ آیت کریمہ انا نحن نزلنا الذکر انالہ لحفظون وغیرہ میں خدا تعالیٰ نے جو وعدہ حفاظت الذکر کا کیا ہے وہ صرف قرآن شریف ہی کی حفاظت کے متعلق ہے اور اس کے سوائے کسی دوسرے نبی کی کوئی تھا بائیں عن میں شامل نہیں۔ اور تمام مسلمانان سابقین و متاخرین کا بلا اختلاف یہی اعتقاد رہا ہے تو اب یہ لکھا ضروری ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ کس طرح پورا ہوا۔ اسلئے اس جگہ ہم وہ ظاہری اسباب بیان کرتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ کو پورا کرنے کے لئے پیدا کر دیئے تھے۔ سب سے پہلے اور نہایت ضروری بات یہ تھی کہ جس شخص پر یہ کلام الہی نازل ہوتا تھا اسکے سامنے ہی ضبط تحریر میں بھی آجاتے تا بعد میں کسی قسم کا اختلاف پیدا نہ ہو چنانچہ جب کوئی حصہ قرآن شریف کا نازل ہوتا تھا اسی وقت اسکو حضور سرکار

صلی اللہ علیہ وسلم لکھوادیتے اور اکثر صحابیوں کو حفظ کرا دیتے یہاں تک کہ اس اختتام کے ساتھ ہی
 کا سارا قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی زیر حفاظت اور زیر نگانی لکھا گیا۔ اگرچہ اہل عرب میں
 قوت حافظہ بہت بڑھی ہوئی تھی اور زرارہ اشعار اور بڑے بڑے نسب نامے زبانی یاد رکھنا ان میں عام طور پر رواج تھا
 مگر تم تحریر میں اسلام سے پہلے موجود تھی۔ اور بعض وقت ایسا بھی ہوتا تھا کہ جب کبھی کوئی شاعر اعلیٰ درجہ کی نظم
 کہتا یا کوئی اعلیٰ درجہ کا قصیدہ لکھتا تو اسے لکھ کر کسی نمایاں سبک مقام پر متعلق کر دیا کرتے اسکے
 جو وطن دیکھ سکیں اور اس کی تعریف کریں۔ چنانچہ مشہور حلقہ جوبائج تک منبجہ حلقہ کے نام سے موسوم ہیں سطح
 لکھائے گئے تھے عربی زبان میں سب سے سات کو سنتے ہیں اور ان کو سب سے حلقہ اسیلئے کہتے ہیں کہ دراصل یہاں تک نہیں
 ہیں جو سات مختلف شعراء زاد جاہلیت کی لکھی ہوئی ہیں۔ جن کو یکے بعد دیگرے ان کے مصنفوں نے لکھ کر کعبہ کی
 دیوار پر متعلق کر دیا۔ جہاں بہت عرصہ تک وہ لٹکی رہیں +

میر کی شہاد

بہت سے واقعات و احادیث کے ذریعہ سے محفوظ ہو کر ہم تک پہنچے ہیں ثابت کر رہے ہیں کہ سارا قرآن شریف
 حضور محمدؐ جو ان سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ضبط تحریر میں آچکا تھا۔ بلکہ وہ
 قرآن شریف میں ہی ہر سبک ایسے حوالے موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اسی زمانہ میں لکھا بھی گیا تھا۔ کیونکہ قبل
 اس کے کہ ہم ان دو ذرائع شہاد کے متعلق کچھ ذکر کریں ہم سرورِ مہدی کی لافلاف آف محمد کے دیباچہ کے صفحہ ۲۸
 سے ذیل کی عبارت کا اقتباس کرتے ہیں جس میں عیسائی مصنف نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ اس امر کی
 شہادت کثرت سے موجود ہے کہ قرآن شریف حضور رسالت پناہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے لکھا
 جا چکا تھا۔ اور یہی زبردست شہادت ہے کہ جس کو قبول کرنے سے اسلام کے ایسے خطرناک مخالف کو بھی گریز
 کی نگاہ نہ مل سکی۔ چنانچہ یہ لکھتا ہے ”لیکن اس بات کو ماننے کیلئے بہت زبردست وجہ موجود ہیں کہ حضرت رسول
 (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی میں متفرق طور پر قرآن شریف کے نسخے لکھے ہوئے صحابہ کے پاس موجود تھے اور ان نسخوں میں
 سارا قرآن باقربا سارا لکھا ہوا موجود تھا۔ اس میں شک نہیں کہ (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کے دعوے انبوت کے
 بہت پہلے مکہ میں فن تحریر رواج تھا۔ اور عرب میں جا کر خود بخیر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے مراسلات لکھوانے کے لیے
 کئی صحابی مقرر کئے ہوئے تھے۔ جو لوگ جر میں گرفتار ہو کر آئے تھے انہیں اس شرط پر دعوے روائی دیا گیا تھا
 کہ وہ بعض مرنے والوں کو لکھنا سکھادیں۔ اور اگر چاہل مدینہ اہل مکہ کے بارے میں تعلیم یافتہ تھے لیکن ہاں تک کہ
 ایسے لوگ موجود تھے جو اسلام سے پہلے لکھنا جانتے تھے۔“

قرآن لکھا جا رہا
 اندرون
 شہاد

خود قرآن شریف میں ہی بہت سے متعلق ہیں اس امر کی شہادت موجود ہے کہ ایسے وقت لکھا ہوا موجود تھا۔ پہلے تو
 فقط کتاب ہی قابل غور ہے جو بار بار مختلف سورتوں میں قرآن کریم کی نسبت آیا ہے۔ اور کتاب کے معنی لکھے ہوئے کے
 ہیں۔ ایسا ہی قرآن شریف کو صحیف بھی کہا گیا ہے۔ اور حریف کے معنی لکھے ہوئے کاغذ کے ہیں۔ چنانچہ سورۃ
 التین میں ہے ”سجل من اللہ تیلو صحیفاً مطہرۃ“ یہاں کتب قیمۃ یعنی اللہ کا رسول مقدس اوراقِ چرہ کر

منا ہے جن میں مضبوط کتابیں موجود ہیں۔ اس بارہ اوراق مقدس قرآن شریف کے اوراق میں لکھ کر تفسیر کی صورت میں ہیں۔ کیونکہ مصنف کامل قرآن شریف ہی کو لکھا گیا ہے۔ بلکہ اس کی ہر ایک سورہ کو بھی کتاب کا نام دیا گیا ہے۔ ایسا ہی سورہ تبس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **حَلَّلْنَا نَهَا تَذَكُّرًا** "تم شاء ذکرہ" فی صحیفہ مکرمہ مرفوعہ مطہرہ۔ یا بدری سفرہ۔ کلام برزخ۔ ترجمہ: قرآن کو اسرار نصیحت میں جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کیے اور (وہ قرآن) اوراق میں (لکھا) ہے جن کی تعظیم کی جاتی ہے (اور وہ) اُدچی جگر رکھے ہوئے (ہیں اور) پاک (ہیں) (اللہ ایسے) لکھنے والوں کے ہاتھوں میں (پڑھتے ہیں) جو بزرگ (اور) نیکو کار ہیں۔" لفظ صحیفہ جو یہاں استعمال ہوا ہے صحیفہ کی جنس ہے۔ اور یہی لفظ ہے جو ان تمام مجرموں کیلئے بولا جاتا ہے جو حضرت یونسؑ میں ثابت نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت میں جمع کئے تھے پس یا مرنایں صغائی سے ثابت کے کہ خود قرآن کریم نے اپنے لئے لفظ کتاب اور صحیفہ استعمال کئے ہیں۔ اور ان دونوں لفظوں کے عربی زبان میں لکھی ہوئی کتاب" معنی ہیں۔ جو ہر ایک لغت عربیہ ثابت ہے۔ اور آج تک عام طور پر لفظ صحیفہ کا قرآن کریم کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور وہ بھی صحیفہ ہے۔ اور اس کے معنی ایک کتاب میں ہیں جس میں بہت سی صحیفے جمع ہوں۔ یعنی لکھے ہوئے اوراق ہیں +

کوئی حصہ قرآن
ایسا نہیں ہو
جس کا نام ہو

قرآن شریف کے دیگر مقامات سے بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اس کی سورتیں ابتدائی زمانہ میں ہی لکھی ہوئی تھیں چنانچہ سورۃ الواقع میں جابتائی کی سورتوں میں سے ہے اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی نسبت فرماتا ہے **اِنَّهٗ لَقُرْآنٌ کَرِیْمٌ** فی کتاب سکون کا میسہ الا المظمہن یعنی یہ (قرآن) بڑی قدیم منزلت کا قرآن ہے۔ ایک محفوظ کتاب میں لکھا ہوا۔ اسے صحیفہ نہیں مگر جو پاک ہیں۔ ان آیات دو باتیں پایہ ثبوت کو پہنچتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ قرآن ایک محفوظ کتاب ہے یعنی یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ جسے کوئی حرف تبدیل نہیں کر سکتا۔ دوسرا یہ کہ قرآن کریم اسی ابتدائی زمانہ میں لکھا جا چکا تھا کہ نہ تو ناپاکوں کو اسے چھونے سے منع کیا گیا ہے۔ یہ ایک بڑی ہوئی بات ہے کہ اس کرنے کے لئے کسی شخص کا وجہ جہانی رنگ میں ہونا ضروری ہے الفاظ کا اس میں ہر لکھنا۔ اگر وہی الفاظ ضبط تحریر میں کر کتاب کی صورت بن جائیں تو وہ ایک قسم بن جاتا ہے اور چھو جا سکتا ہے اس سے صاف ثابت ہے کہ قرآن کریم اسی ابتدائی زمانہ میں لکھا جا چکا تھا اور کتاب کی صورت میں تھا۔ اگر لکھا ہوتا ہوتا تو اس پر لفظ مسکما (اطلاق ہی ہوتا ہوتا) راڈول ایک یورپین ہے جس نے قرآن شریف کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے اس نے اپنے انگریزی ترجمہ میں اس موقع پر مفصل ذیل حاشیہ دیا ہے۔ "اس جملہ سے کم از کم اتنا تو یہ ملتا ہے کہ قرآن شریف کی سورتوں کے لکھے ہوئے نسخے اس وقت عام طور پر زیر استعمال تھے حضرت عمرؓ کی ہمشیر قرآنی ہیں کہ جب وہ مسلمان ہوئے تھے تو انہوں نے مجھے کہا کہ سورۃ طہ کے نسخہ میرے ہاتھ میں ہو۔ آیات ۷۷-۸۸ جن کا اوپر ذکر ہوا ہے وہ حکم خلیفہ محمدؐ اور انھام بن عبداللہ قرآن کریم کی تمام طہوں پر لکھی جاتی شروع ہوئیں (دیکھو ترجمہ قرآن راڈول صفحہ ۵) یہ بات صحیح نہیں کہ اس جملہ سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف کے صرف بعض حصے ہی لکھے گئے تھے اس عبارت سے

+ یہ ظاہری غلطی اس لیے ہے کہ میں اور ان معنوں کو اختیار کرنے سے دوسرے معنوں کا اطلاق لازم نہیں آتا۔ فتنہ

کسی طرح نہیں پایا جاتا کہ کوئی حصہ قرآن شریف کا ایسا بھی رنگ یا تھا کہ جو لکھا ہی نہ گیا ہو۔ اس میں صاف لکھا ہے کہ سارا قرآن لکھی ہوئی کتاب تھی نہ کہ بعض حصے اس کے لکھے سے رنگے یا چھوڑے گئے تھے۔ پس ان آیات میں شہادت صریح طور پر موجود ہے کہ سارا قرآن شریف لکھا ہوا تھا۔ اور اگر کوئی شخص اس کے برخلاف یہ کہے کہ بعض حصے لکھے ہوئے تھے اور بعض نہیں تو اس کا فرض ہے کہ اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے اس کے مخالف شہادت پیش کرے لیکن سارے قرآن کریم اور ساری احادیث شریفہ میں کہیں اس قسم کی مخالف شہادت کا ایک ٹکڑا بھی نہیں پایا جاتا۔ بلکہ تمام مسلمان قرآن شریف کے ہر ایک لفظ کی برابر ہی بحکم و تعظیم کرتے اور اس کے منجانب اللہ منزل ہونے پر ایمان رکھتے تھے۔ اس لیے ایسا گمان کرنا کہ کوئی حصہ اس کا لکھا گیا تھا اور کوئی نہ لکھا گیا تھا سراسر نادانی اور نامعقولیت ہے۔ یہ ساری اسلامی تاریخ میں کہیں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں نظر آتا کہ جس سے یہ نتیجہ نکالنے کا کسی کو حق پہنچ سکے کہ قرآن شریف کی بعض سورتوں کو بعض سے منفاوت اور مختلف سمجھا جائے۔ اور یہ خیال کیا جائے کہ بعض سورتیں لکھی گئی تھیں اور بعض کو اس لائن نہیں سمجھا گیا تھا۔ کہ وہ لکھی جائیں یا نہ کہ ساری سورتوں کی مساوی احتیاط نہیں کی گئی یا یہ کہ قرآن شریف کے ہر ایک لفظ کی حفاظت کے لیے مساوی خواہش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ اور بزرگان دین نے نہ کی تھی بعض کی اور بعض کی نہ کی یا کچھ کم کی۔ قرآن شریف خود فرماتا ہے کہ وہ ایک کتاب ہے مقدسہ اور اقی میں لکھی ہوئی ہے۔ جسے پاؤں کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا۔ اور یہ الفاظ قرآن کریم کے ہر ایک لفظ کے متعلق ہیں۔ نہ کسی خاص حصہ یا خاص سورت کے متعلق ۴

ماسوائے اسکے ایک اور دلیل جو قرآن شریف کے لکھا ہوا ہونے پر خود قرآن کریم سے ہی ملتی ہے یہ ہے کہ کفار کہتے تھے کہ یہ قرآن گویا (نحوہ اللہ منہا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ ہی بنالیا ہوا ہے۔ خدا کی طرف سے وحی نہیں۔ ایسے لوگوں کو جیلنج کیا گیا تھا۔ اہل یقولون افقرلہ۔ قل فاتوا بعشر سور مثله معقریات وادعوا من استطعتہم من دون اللہ ان کنتہم صلدقین یعنی (اے پیغمبر کیا کافر کہتے ہیں کہ اس شخص یعنی تم) لے قرآن کو اپنے دل سے بنالیا ہے تو (ان لوگوں سے) کہو کہ اگر تم سچے ہو تو تم بھی (اہل زبان ہو) اسی طرح کی بناائی ہوئی (زیادہ نہیں) دس (بھی) سوڑیں لے آؤ اور خدا کے سوا جس کو (مدد کے لیے) تم سے ملتا ہے نہ پڑے بلالو۔ یہ آیتیں سورہ ہود میں ہیں۔ اور سورہ ہود کہ میں اس وقت نازل ہوئی جبکہ ابھی ہجرت بھی نہ ہوئی تھی۔ ایسے ہی سورہ بنی اسرائیل جو اس سے بھی پہلے کی نازل شدہ ہے اس کی ۹۱ آیتیں جیسے بلج درج ہے۔ قل لئن اجتمعت ملالئس والجن علی ان یا قرا بمثل هذا القرآن لا یا تون بمثلہ ولو کان بعضہم لبعض ظہیراً یعنی (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ اگر آدمی اور جن جمع ہو کر (اس کتاب پر آمادہ) ہوں کہ اس قرآن کی طرح کلام (کلام) بنالائیں تو وہ کبھی اس صیبا نہیں بنا لاسکتے اگرچہ ان میں سے ایک کی کشتی پر ایک (کیوں نہ ہو) پھر سورہ البقرہ کی آیات ۲۱-۲۲ میں یہ تہمتی درج ہے۔ وان کستغنی ربیب مما نزلنا علی عبدنا فانزلنا ذالک ابوبکر من مثله وادعوا شہداء کفر من دون اللہ ان کنتہم صلدقین۔ فان لکم لفعلا ولن تفعلا

کفار سے تھوری
قرآن کے لکھے
جانے کی شہادت

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ یعنی اور وہ جو ہم نے اپنے نبی سے (محمد) پر (قرآن) اُتانا ہے۔ اگر تم کو اس میں شک ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ یہ کتاب خدا کی نہیں بلکہ آہی کی بنائی ہوئی ہے اور (اپنے اس دعوے میں) سچے ہو تو اس صبیحی سورۃ (تم بھی بنا) لاؤ۔ اور اللہ کے سوا جو (تمہاری حمایت کو) آجودہوں اُن کو بھی بلا لوں اگر (اتنی بات بھی) ذکر سکوا اور ہرگز نہ کر سکو گے تو (دوزخ کی) آگ سے ڈر جو کل اندھن آدمی اور پتھر ہو گئے جو منکروں کے لیے تیار ہے۔ یہ آیت مٹی ہے۔ اب ان کی اور مٹی سورتوں میں کہیں نہ چیلنج ہے کہ اس قرآن صبیحی دس سورتیں بن لاؤ اور کہیں یہ تحدی ہے کہ ایک ہی سورۃ اس کے مقابلہ میں بنا لاؤ۔ ان باتوں سے صاف طور پر عیاں ہو رہا ہے کہ قرآن شریف کی سورتیں ان تحدیوں کے وقت لکھی ہوئی تیار تھیں۔ کیونکہ سورتیں لکھی ہوئی موجود نہ ہوتیں تو ایسا چیلنج نے معنی ہوتا کہ چونکہ ضروری ہے کہ جس چیز کا مقابلہ کرنے کے لیے کسی کو تحدی کی جائے تو وہ چیز بھی اسکے سامنے رکھی جائے والا وہ مقابلہ ہی کیا کر سکتا ہے اور اگر قرآن شریف کی سورتیں لکھی ہوئی موجود نہ ہوتیں تو یقیناً گفتار کی طرف سے یہی جواب دیا جاتا کہ پہلے ہمیں وہ سورتیں تو دکھاؤ جن کا مقابلہ چاہتے ہو +

قرآن شریف کی شہادت کے علاوہ اعلیٰ طبقہ کی صحیح احادیث میں بہت سارے اقوات ایسے درج میں ہیں سے حمایت ہوتا ہے کہ جب حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی ہوئی تھی تو وہ اسی وقت لکھ لی جاتی تھی۔ کثرت سے احادیث باقی جاتی ہیں جن میں صراحت یہ ذکر ہے کہ قرآن کریم کی ہر ایک آیت یا سورہ جیسے کہ وہ نازل ہوتی قرآن اسی وقت حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھ لی جاتی۔ چنانچہ حدیث ذیل میں حضرت عثمانؓ نے قرآن شریف کی آیات کے لکھے جانے کا طریق بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ ایسے اوقات میں جب آپ پر چند سورتیں ایک ہی وقت میں نازل ہوتی رہتی تھیں جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ ان شخصوں میں سے جو قرآن کریم کو لکھا کرتے تھے کسی ایک کو بلا بھیجتے اور اس کو فرماتے کہ یہ آیت فلاں سورۃ میں جہاں ایسا ایسا ذکر ہے لکھو۔ فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۹۔ اس حدیث کے متعلق لکھا ہے۔ در ذی احمد صحابہ السنن الثلاثة وصحیح ابن حبان والحاکم من حدیث عبد اللہ بن عباس عن عثمان بن عفان قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصافیاتی علیہ الزمان ینزل علیہ من السور ذوات العرہ فکلن اذا نزل علیہ الشئ یدعو بعض من بکتاب عندنا فیکول وضعوا هذا فی السور فی التي یدک فیہا کذا۔ اس حدیث میں پایا جاتا کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح صرف ایک ہی دفعہ عمل کیا۔ بلکہ اس بات کا کھلے طور سے بیان ہے کہ آپ کا ہمیشہ یہی عمل تھا کہ جب بھی کوئی آیت یا سورۃ نازل ہوتی تو کسی کا تب الوحی کو مل کر فوراً لکھوا دیتے جو شخص اس عمل حضرت رسالت پناہ صلیہ وسلم کی سعادت کرتا ہے وہ حضرت عثمانؓ جیسے جلیل القدر صحابی ہیں جو ابتدائی زمانہ میں ہی اسلام لا چکے ہوئے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت قریبی رشتہ بھی رکھتے تھے

احادیث کی شہادت
قرآن شریف کی
ہر ایک آیت کی
نے اپنے اپنے وقت پر
لکھوائی

یعنی آپ کے ولما بھی تھے پس یا ہر نہایت صفائی سے ثابت ہے کہ ایک سورۃ قرآن شریف کی اور ہر ایک کتب کے کن
 شریف کی آنحضرت صلی علیہ وسلم کے حکم و ہدایت سے آپ کے سامنے اُسی وقت لکھ لیا جاتا جبکہ وہ نازل ہوتی۔ اور ہر ملاحظہ
 آپ پر نظر کرنے کو جب کبھی دیکھا دو سے زیادہ سورتیں اچھی و غیر مکمل ہوتیں تو جس مقام اور سورۃ اور موقع پر وہ آیت
 لکھی جانتے تھے اسی جگہ لکھنے کی ہدایت فرماتے تاکہ کاتب ایک سورۃ کی آیات کو کسی دوسری سورۃ کی آیات سے
 مخلوط نہ کر سکیں۔ ایک طرف تو ان کتب کے لکھا جانے کے متعلق ایسی زبردست شہادت موجود ہے اور دوسری
 طرف اس کے نہ لکھا جانے کے متعلق کوئی کلمہ نہ ہے۔ در روایت بھی پیش نہیں کی جاتی۔ ان تمام امور سے قطعی طور پر
 ثابت ہے کہ سائے کا سارا قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی لکھا گیا تھا +
 حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اس امر پر اکیلی ہی نہیں بلکہ اور بھی بہت ساری روایات صحیح احادیث
 میں ایسی موجود ہیں جو اس کو ایسی کی تائید کرتی ہیں مثلاً بخاری باب کاتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں برا کی روایت ہے
 یہ حدیث ہے قال لما نزلت لا یستوی القاعدین من المؤمنین والجاہدین فی سبیل اللہ قال النبی
 صلی اللہ علیہ وسلم ادع لی اذ یجئ باللحم والدرۃ واللکف او اللکف والدرۃ شہ قال
 کتب لا یستوی القاعدین یعنی جب آیت لا یستوی القاعدین من المؤمنین والجاہدین
 فی سبیل اللہ (سورۃ النساء آیت ۹۵) نازل ہوئی تو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ازیر کہ
 میرے پاس بلا لاؤ اور کہو کہ وہاں در لوح ساتھ لائے پھر جب وہ آ پہنچا تو اُسے حکم دیا کہ لا یستوی الخ
 ساری آیت لکھو۔ ایسے ہی بخاری کے اسی باب میں ایک اور حدیث آئی ہے جس میں لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق
 رضی اللہ عنہ نے نہ دیکھ کر مخاطب کو کہ فرمایا کہ انک کنت تکذب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 یعنی بیشک تو آنحضرت پر غیر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی لکھا کرتا تھا۔ اس کلمہ عندہ کتابت ہی پر حضرت
 زیدؓ تو مامور ہی تھے اور اس ماموریت کی وجہ سے کہ حقیقتہً وحی کا انہوں نے ہی لکھا تھا۔ لیکن ان کے سوا وہ
 بھی وحی نبوت لکھنے والے اصحاب موجود تھے جنہوں کی سورتیں مکر میں لکھیں اور بعض مدنی آیات کو جب کبھی حضرت
 زیدؓ موجود نہ ہوتے تو ان کی غیر حاضری میں آدم نے لکھا۔ ان معظم اور مقدس بزرگوں کے اسماء کی فہرست میں
 حضرت ابو بکر صدیق حضرت عثمان حضرت عمر حضرت علی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح (جو ایک وقت میں مژرتہ
 بھی ہو گیا تھا اور فتح مکہ کے بعد پھر مسلمان ہوا تھا) حضرت زبیر بن عوام حضرت خالد و ابان ابنائے سعید۔ ابی
 بن کعب۔ غنظل بن الربیع معیق بن ابوفاطر۔ عبداللہ بن ارقم۔ ثرجیل بن حسنہ۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم
 اجمعین کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ دیکھو فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۱۹ باب کاتب وحی رسول اللہ۔ اس سے یہ نہیں
 سمجھنا چاہیے کہ آنحضرت صلی علیہ وسلم کے اصحاب میں صرف اتنے ہی لکھے پڑھے لوگ تھے۔ اور صرف انہوں نے ہی
 قرآن شریف کی نقلیں بھی کیں۔ یہ تو صرف ان لوگوں کے نام ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی لکھنے کیلئے
 بلا لیا کرتے تھے۔ اور جن کے نام کتابت وحی کی حیثیت سے احادیث میں موجود ہیں۔ مگر احادیث میں بھی ان سب

کاتبان وحی

ہرگزوں کے اسماء درج نہیں جو بخوبی ثبوت کی کتابت کا کام کرتے تھے۔ بلکہ صرف چند نام درج ہیں حتیٰ اللہ عنہم اجمعین ان احادیث سے یہ بات صحیح طور سے ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف کی ہر ایک آیت اُسی وقت ضبط تحریر میں لائی جاتی تھی جن وقت نازل ہوتی تھی لیکن ان کے اسماء بہت سارے ایسے واقعات موجود ہیں۔ جو دوسرے طور پر اس ثبوت کو اور بھی مضبوط کرتے ہیں مثلاً صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے مخاطب ہو کر فرمایا صلا تکتبوا حتیٰ شئتوا غیر القرآن یعنی مجھ سے سوائے قرآن کے کوئی شے نہ لکھو۔ یہ ہدایت اس شخص سے لکھنا کا حفظ و اتمام کے طور پر دیکھی تھی کہ قرآن شریف کے ساتھ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی باتیں کیں لوگ نہ ملا دیں اور یہ بھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کے نہایت احتیاط اور محنت سے ساتھ لکھا جاتے کا کیسا انتظام کیا ہوا تھا۔ اس ہدایت کا حاصل یہی ہے کہ قرآن شریف لکھا جاتا تھا اور سارے کا سارا لکھا گیا۔ اگر قرآن شریف کی ہر ایک آیت اور سورہ لکھنے کا دستور نہ ہوتا تو اس ہدایت کی ضرورت ہی کیا ہوتی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری باتوں کے لکھے جانے میں اعتراض ہی کیا ہو سکتا تھا۔ اور ان قرآن شریف سے مخلوط ہونے سے احتیاط کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی تھی۔ بخاری کتاب العلم کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن مقامات پر لکھنے والوں کی طرف سے کسی اختلاط کا اندیشہ نہ تھا وہاں بعض احادیث لکھ لینے کی انہیں اجازت دیکھی جس سے یہ بات اور بھی مضبوط ہوتی ہے ۴

احادیث کے
تحریر میں لائے
کی ممانعت

تحریر کے بعد
لئے کے لئے
میں قرآن کے
لکھا جانے کی
شہادت

پھر جب حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تو اس وقت کی سرگزشت سے بھی واضح ہوتا ہے کہ قرآن شریف اُس زمانہ میں ہی لکھا جاتا تھا۔ چنانچہ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ زمانہ جاہلیت میں بہت غضبناک اور بربر و شیطانی طبیعت رکھتے تھے اور غالی بہت پرست تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شرک اور مہم پرستی کے مذہب کی بیخ کنی کرنے کے لیے ہیں تو اس وجہ میں اگر یہ ارادہ کیا کہ میں آنحضرت کو ہی جان سے ادا دوں گا۔ اکیڈن یہ بات دل میں ٹھان کر گھر سے پہلو رانا گھر میں لے ہوئے آنحضرت کی طرف روانہ ہوئے کہ جہاں کہیں وہ ملیں گے وہیں ان کو قتل کر دوں گا۔ راستے میں جاتے ہوئے ان کو یہ خبر ملی کہ ان کی اپنی ہمیشہ فاطمہؓ اور اس کا خاوند سعید بن زیدؓ مسلمان ہو گئے ہیں۔ یہ بات سن کر وہ اور بھی غصہ میں پھڑکے اور وہیں سے سیدھا پانی بہن کے گھر پہنچ کر تاپا پلے ان کا کام ہی تمام کیا جائے اس وقت ان کے گھر میں ایک عیسائی آدمی بھی موجود تھا جس کا نام خباب تھا۔ اور جب حضرت عمرؓ جاتے تھے کہ وہ مسلمان ہے غم کے پاس اس وقت ایک جلدو جو تھی جس میں سورہ طہ لکھی ہوئی تھی۔ اور وہ اس وقت حضرت عمرؓ کی ہمیشہ اور اس کے خاوند کو سورہ طہ پڑھا رہا تھا جب ان کو معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ آ رہے ہیں تو فوراً خبابؓ ایک گوشہ میں جا چھپے اور فاطمہؓ ہمیشہ حضرت عمرؓ نے وہ جلد اٹھا کر اپنے پاس چھپالی لیکن ان کا چھپنا بالکل بے سود تھا کیونکہ حضرت عمرؓ ان کے نزدیک ایسے مقام پر پہنچ گئے تھے کہ انہوں نے خبابؓ کا پڑھا کا اعلان کا پڑھنا سن لیا تھا۔ پس جب آپ کرہ کے اندر داخل ہوئے تو اندر قدم رکھنے کے ساتھ ہی پہلا سوال یہ کیا کہ تم کیا پڑھ رہے تھے انہوں نے جواب دیا کہ آپ کے پاس نہیں سنا ہو کہ حضرت عمرؓ نے جواب دیا یا نہیں میں نے سنا ہے اور مجھے یہ بھی

اطلاع ملی ہے کہ تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین قبول کر لیا ہے۔ یہ بات کہتے ہی انہوں نے اپنے بہنوئی کو بکڑ لیا
 کرائس کا کام تمام کریں۔ یا جبرادیکھتے ہی ان کی ہمشیرہ اپنے خاوند کو چھڑانے کے لیے لپٹ گئی۔ اس پر ہنگامہ میں حاضر
 کو سخت زخم لگا حضرت سعید اور فاطمہ دونوں میاں بھوی نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اب
 تمہاری مرضی ہے جو ہر ہم سے سلوک کرو۔ جب حضرت عمرؓ نے اپنی ہمشیرہ کا خون بہتے دیکھا تو اپنی اس حرکت پر
 بہت ایشیاں ہوئے۔ اور انہیں کہا۔ کہ جو کتاب تم بڑھ رہے تھے وہ لاؤ اور مجھے بھی دکھاؤ۔ کہ میں بھی دیکھوں
 نویسی کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا لاکر دیا ہے حضرت عمرؓ خود لکھے پڑھے تھے جب انہوں نے باصرہ اطلب کیا تو
 ان کی ہمشیرہ ڈریں کر مبادا کہیں نے کہہ اس کتاب کو ضائع ہی نہ کر دیں۔ اسلئے حضرت عمرؓ سے عدلیلیا اور انہیں
 نے اپنے بہنوئی کی قسم کھائی کہ میں یہ کتاب ضائع نہیں کروں گا۔ بلکہ دیکھ کر واپس کر دوں گا۔ پھر اس نے کہا کہ تم شریک
 نجس ہو اسلئے اس کو چھونے کے لیے طہارت کی ضرورت ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے قہقہہ کیا۔ اور پھر ان کی
 ہمشیرہ نے وہ جلد ان کے ہاتھ میں دے دی جس میں سورہ طہ لکھی ہوئی تھی حضرت عمرؓ نے اس میں سے کچھ حصہ
 پڑھا اور بہت تعجب کیا کہ یہ ایسی عجیب کتاب ہے اور بہت ہی عزت کی۔ پھر خطاب نے ان کا میلان دیکھ کر کہا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم)
 قبول کر لیں۔ یہ ایک لمبی واردات ہے ہم اس کو اسی جگہ تک لکھ کر چھوڑتے ہیں۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ اس بتائی
 زمانہ میں ہی مسلمانوں میں عام طور پر لکھے ہوئے قرآن شریف متعل تھے +

ہر ایک کی قرآن
 لکھ کا جانا

التنبہ بعض وقت نادان لوگ نے سمجھی سے یہ اعتراض کر دیا کرتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ بعض سورتیں میں وقت
 لکھی گئی تھیں یہ نہیں کہ سارا قرآن لکھا ہوا تھا یعنی جس قدر نازل ہو جاتا جاتا ہو۔ یہ اعتراض غلط ہے۔ اول تو یہ
 بیان کہ سورہ طہ اس وقت یعنی حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے لکھی ہوئی موجود تھی اسلئے نہیں کیا
 گیا کہ سورہ طہ کسی خاص فضیلت کا اظہار مقصود تھا۔ تاکہ کوئی شخص خیال کر سکے کہ راوی نے اس واقعہ کو
 سورہ تذکرہ کی خاص فضیلت کے ظاہر کرنے کی نیت سے بیان کیا تھا۔ قصہ تو ایک اور غرض کیلئے بیان کیا گیا تھا اور
 یہ تو کہ اتفاقاً طور پر درمیان میں آگیا۔ اسلئے اس سے یہ بات بہت واضح طور سے عیاں ہوتی ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)
 وسلم اور ملاموں کا ابتدائی زمانہ میں کیا عمل تھا۔ قرآن شریف کے ابتدائی زمانہ سے ہی لکھے جانے کے متعلق واقعہ
 ہی ایک ایسا قوت ہے کہ اگر اس کے سوا کوئی اور شہادت نہ بھی موجود ہو اور یہی ایک شہادت موجود ہو تو اس سے ہی یہ بات
 کافی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ قطعی سورتیں اس وقت تک نازل ہو چکی تھیں وہ سب لکھی ہوئی موجود تھیں اور ان کے
 لکھنے کی رسم ان میں جاری تھی۔ یہ بات کسی طرح مانی نہیں جاسکتی کہ صرف سورہ طہ ہی لکھی گئی تھی اور باقی کئی سورہ
 لکھی گئی تھیں۔ لکھی گئی تھیں۔ یہ کیا مزید تھی کہ جس کی وجہ سے یہ تو لکھی جاتی اور دوسری سورتوں کو نہ لکھا جاتا۔ بلکہ یہ تو ایک ایسی سورہ
 ہے جو نماز میں بعض اوقات سورہ کی طرح عام طور پر نہیں پڑھی جاتی تھی۔ اور اس کے سوا کئی ایسی سورتیں ہیں جن میں
 تو اس سے لمبی اور کئی اس سے چھوٹی ہیں جن کو عام طور پر ہمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔ اسلئے یہ بات سمجھنی بہت
 آسان ہے کہ جب ایسی سورہ لکھی ہوئی موجود ہونا ثابت ہے تو دوسری سورتوں کا ضبط تحریر میں اسی وقت محفوظ

ہونا بطرز اولے ماننا پڑتا ہے۔ ایسا ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہمیشہ کا لہجہ کہنا کہ جس سورہ کی حالت میں کوئی شخص قرآن شریف کو ہاتھ نہیں لگا سکتا یہ بھی اس بات پر شہادت ہے کہ لکھے ہوئے نسخے قرآن کریم کے اس نشتر سے استعمال میں تھے کہ ایک نئے مسلمان خدہ شخص کو بھی یہ پتہ تھا کہ نجاست کجیالت میں قرآن شریف کو مس کرنا منع ہے۔ ان تمام باتوں سے بہت صاف ثبوت اس بات کا ملتا ہے کہ قرآن شریف کی ساری سورتیں اسی زمانہ میں لکھی گئی تھیں مسلمانوں میں استعمال ہوتی تھیں جس زمانہ میں مسلمانوں کی تعداد ابھی بہت کم تھی۔ اور وہ مکہ میں تھے۔ اسی طرح اس حدیث سے کہ عیدنا ان لنساخر بالقرآن الی ارض العذرہ جو صحیح بخاری میں ہے ثابت ہوتا ہے۔ کہ قرآن کریم لکھا جاتا تھا۔ اور اس کے دشمن کی سرزمین میں لپکانے کی ممانعت بھی کرتا دشمن کتاب اللہ کو ضائع نہ کریں یا اس کی بیکشمتی نہ کریں +

حضرت ابو بکر کے
جمع قرآن میں
تحریر کی تلاش

جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن شریف کو جمع کیا تو اُس وقت کے واقعات بھی جو پیش آئے اور جو کتب میں صحیح اور مستند طور سے درج ہیں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف کی ہر ایک آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی لکھی جا چکی تھی۔ اس وقت سورہ توبہ کی دو آیتوں کے تعلق پر القوم پیش آیا کہ باوجود حضرت زید کو یہ علم ہونے کے کہ وہ آیات قرآن شریف کی میں ان کو نہ لیا گیا جب تک وہ لکھی ہوئی نہ لیں۔ چنانچہ حضرت زید فرود یہ واقعہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں تو جرح بخاری میں موجود ہیں۔ فتبع القرآن اجمعه... حتی و جدت اخر سورة التوبة مع ابی خزیمہ صلا نصاری لہم احوالہم احوال غیرہ لقد جاء کمر رسول من الفسک عزن علیہ ما عثم حتی خالعه براءۃ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ میں نے قرآن شریف کو تلاش کر کے جمع کرنا شروع کیا یا تنگ کر سورہ توبہ کا آخری حصہ مجھے ابو زید انصاری کے پاس سے ملا جو اور کسی کے پاس نہ تھا اور وہ یہ ہے لقد جاء کمر رسول من الفسک عزن علیہ ما عثم۔ فاقمہ سورہ براءۃ تک۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید کو یہ علم تھا کہ آیاتیں سورہ توبہ کے آخر میں ہیں اور پھر ان کو تلاش کرتے تھے جس سے مولے ان کے ہاتھ نہیں لکھ سکتا کہ تلاش تحریر کی تھی (دیکھو صحیح بخاری باب جمع القرآن) جس حدیث کا یہ ایک حصہ ہے اس کی تشریح مصنف فتح الباری نے ان الفاظ میں لکھی ہے۔ فلم یامر ابو بکر لکبتا بقاء ما کان مکتوباً ولذا لک التوقف زید عن کتابہ الا انہ من اخر سورة براءۃ حتی و جدھا مکتوبۃ مع انہ کان ینحضرھا هو ومن ذکر معہ اور یہ لکھتا ہے و کان القرآن مکتوباً فی الصحیف ولکن کانت مفرقة فجمعھا ابو بکر فی مکان واحد۔ ترجمہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کے جو لکھا ہوا مکتوب تھا کسی اور نسخے کے لکھنے کا حکم نہ دیتے تھے یعنی انہوں نے قرآن شریف جمع کرانے میں اتنی بڑی احتیاط فرمائی کہ جس طرح اور جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں لکھا جا چکا تھا وہی لکھنے دیا۔ اسی وجہ سے زید کو سورہ توبہ کے آخری حصہ کی آیات کو جانتا تھا کہ یہ بھی قرآن ہی کا حصہ ہیں ان کے درج کر لینے میں بہت تاثر رہا جب

کر اُسے وہ لکھی ہوئی نہ ملگئیں اور سارا قرآن قلمی لکھا ہوا تھا۔ مگر قلمی لکھے ہوئے حصے متفرق لوگوں کے پاس تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کوشش کر کے انہیں ایک جگہ اکٹھا کر دیا۔

ایک اور روایت ابن ابی داؤد سے یوں آئی ہے۔ قال قام عمر فقال من كان تلقى من رسول الله صلى الله عليه وسلم شيئا من القرآن فليأت به وحك أن يكتبون ذلك في الصحف والألواح والعستل وكان لا يقبل من أحد شيئا حتى يشهد شاهدان ترجمہ۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قرآن شریف کو جمع کرنے کا کام ہاتھ میں لیا تو حضرت عمرؓ نے عام طور پر اعلان کر دیا کہ جس شخص کے پاس قرآن شریف کا کوئی حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی یا ہوا ہے وہ لے آوے۔ اُن دنوں میں لوگ قرآن شریف کو کاغذ اور الواح کھجور کی ٹہنیوں پر لکھا کرتے تھے۔ کسی شخص سے کوئی حرف بھی لکھا ہوا منظور نہ کیا جاتا تھا جب تک کہ وہ گواہوں کی گواہی نہ دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خالی تحریر بھی کافی نہ تھی جب تک وہ گواہی نہ دیں کہ وہ تحریر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی تھی۔ جیسا کہ فریق الباری میں بھی لکھا ہے۔ وکان عرضہ ہذا لا یکتب الا من عین ما کتب بین یدی النبی صلی اللہ علیہ وسلم لان من مجرد الحفظ لیس فی اس قدر احتیاط سے عرض اُن کی یقینی کسوٹے اس کے کچھ نہ لکھا جاوے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے لکھا گیا تھا اور مجرد حافظہ سے کچھ نہ لکھا جائے۔ ایک اور صریح میں آیا ہے فیض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والقرآن فی العصب والعظم یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت دنیا سے اٹھائے گئے جب قرآن شریف صحت کھجور کے تنوں اور کھالوں پر لکھا ہوا تھا۔ ان تمام روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قرآن مکتوب کی ہر ایک آیت اور ہر ایک سورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے ماتحت آپ کی زندگی میں اور آپ کے سامنے لکھی گئی تھی۔

طرز تحریر وہی
ہی جو آنحضرت
کے سامنے تھی

یہی متفقہ اور مضبوط شہادہ ہے کہ اس کے برخلاف ایک بھی صریح ایسی نہیں ملتی کہ جس میں یہ ذکر ہو کہ فلاں سورہ یا فلاں حصہ قرآن شریف کا لکھا نہ گیا تھا۔ جیسا کہ ان دشمنان حق و راستی کی علیہ العموم عادت ہوتی ہے۔ اسی طرح مصنف تاویل القرآن نے بھی نہایت ظالمانہ اور ضادیت سے راستی اور تحقیق سے آنکھیں بند کر کے قرآن شریف کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں لکھے جانے کی ثابت شدہ حقیقت پروردہ ڈالنے کی عیث کوشش کی ہے۔ اور قرآن شریف کے لکھا جانے کی اس طرح بے اعتباری کرنا چاہتا ہے کہ گویا تصحیف میں ایسے آدمی ہی موجود تھے جو کھنچا جاتے ہوں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ صحابہؓ میں کچھ بڑے الزادہ کا لعمدہ تھے اور پھر لکھتا ہے۔ مگر جب ہم زمین ثابت کی قابلیت تحریر کی کیفیت معلوم کرتے ہیں تو یہ عرصہ بھی حل ہو جاتا ہے زیر دین میں اگر مسلمان ہوئے اور باطل صا جزا وہ نئے قلم پڑنا بھی نہ جانتے تھے حضرت کی جو کچھ کتابت کا کام تھا وہ یہود کرتے تھے یہیں بناؤ کہ چودہ پندرہ برس اس سے پہلے وہی قرآن کس نے لکھی۔ پھر عبد اللہ ابن ابی سرح کا ذکر کر کے کہ وہ مرتد ہو گیا تھا۔ یہ ظن حق محض کذب اور افتراء کے طور پر لکھا ہے۔ کہ جب ہومنوں میں

صحابی کھنچے
یا نہیں ہاں
کی کثرت

اہل قلم کا یہ توڑا ہوا اور ایسی ہی ناکامیاں ہوئیں تو مصاحف اسی میں دیکھی گئی کہ قرآن لکھا ہی نہ جائے ایمانداروں کے سینہ میں محفوظ رہنا اور ایسی ہی ہوا۔ اس تحریر کا یہ مطلب ہے کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں کوئی لکھا پڑھا نہ تھا۔ صوفیہ کی طرح چاہتا ہوگا لیکن وہ کم عمر بچہ تھا اور فن تحریر سے ایسا ناواقف تھا کہ اسے قلم کو دیا بھی نہ آتا تھا۔ اور دوسرا شخص عبداللہ بن ابی مرثد کہ لکھا پڑھا گروہ مرتب ہی ہو گیا۔ چونکہ ان کے سوا کوئی شخص ایسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود نہ تھا جو قرآن لکھ سکتا اسلئے اس کا لکھنا ہی حقوق کو دیا گیا۔ یہ ایسی جاہلانہ اور نامعقول بات ہے کہ ہر ایک انسان جو اسلامی تاریخ سے تھوڑی سی بھی واقفیت رکھتا ہے خوب سمجھ سکتا ہے کہ اس شخص نے کیسی بیجاائی سے کلام لیا ہے۔ ہم نے خدیجہ ابی برک صحابیوں کے گرامی نام بطور نمونہ دکھائیے ہیں جو چڑھنے اور لکھنے میں مہارت کامل رکھتے تھے صحابہ میں اس کثرت سے پڑھے لکھے حضرات موجود تھے کہ کا تہان دہی میں بعض لوگوں نے یہاں لیس صحابیوں کے نام لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ عام طور پر مسلمانوں میں انہیں ایام میں قرآن شریف کے مختلف حصص مختلف لوگوں میں لکھے ہوئے موجود تھے جیسا کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا ایک ہی واقعہ اس کے ثبوت کے لئے کافی گواہ انصافاً سمجھا جاسکتا ہے جہاں صرت ایک قرآن شریف کے لکھنے میں یہاں لیس لکھے پڑھوں کی تعداد کام میں لگائی گئی ہو تو کیا قیاس ہو سکتا ہے کہ اُس جماعت میں لکھے پڑھے لوگ موجود تھے یا شاؤ و نا در تھے۔ قرآن کریم کا لکھنا دسکان روڈوں تو بے شمار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے نکلے۔ یا جس طرح آپ عمل کر کے دکھاتے وہ باتیں بھی لکھ جائیں چنانچہ بخاری کتاب العلم میں اس کا ذکر موجود ہے اور عبداللہ بن عمرو دینار صحاب کے نام اس ضمن میں قابل ذکر ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی احادیث کو لکھ لیا کرتے تھے پھر اس کے ماسوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بادشاہوں اور دوسری قوموں کی طرف مراسلات لکھ کر ارسال کئے جاتے تھے اس کے ماسوا حدیبیہ میں صلح نہ لکھا گیا تھا تو وہ بھی مسلمانوں نے ہی لکھا تھا۔ چنانچہ اس کے کانہ حضرت علیؓ کو م اللہ وجہ تھے۔ اس کے علاوہ یہودی اقوام سے عبرانی زبان میں خط و کتابت بکثرت ہوتی رہتی تھی چنانچہ اس کا ذکر احادیث میں ہر اسی حدیث بوداؤد باب ردو اس حدیث اہل الکتاب میں آیا ہے جو کتاب العلم کا ایک باب ہے۔ اور کتابتہ العلم کا باب الگ ہے جس کی حدیثوں سے صاف پایا جاتا ہے کہ بہت سی کتابیں لکھنا جانتے تھے مرد و نور کتابتہ اور جن میں پڑھی لکھی تھیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات میں بھی پڑھی لکھی عورتیں تھیں۔ اکثر صحیح احادیث سے پایا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما پڑھی لکھی تھیں + وہ حدیث جس کو مصنف تاویل القرآن نے نقل کیا ہے اور جس پر اپنے عہد کے کی بنا رکھی ہے کہ حدیث ایک بچی ہی تھا اور اتنا ہی نہ جانتا تھا کہ قلم کس طرح کھڑا جاتا ہے یہ ہے قال زید بن ثابت اموی رضی اللہ عنہ صلی اللہ علیہ وسلم فتعلمت لک کتاب یہود قال انی واللہ ما امن یہود علی کتابی فتعلمتہ ظہر میری صلا صفت شہر حتی حدثتہ فکلت اکتب لہ اذا کتب و اقرآ لہ اذا کتب البیہ۔

اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔ زید بن ثابت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا میں اس کے لیے یہودیوں کی کتابت کو سیکھا۔ اور آپ نے فرمایا۔ کہ قسم خدا مجھے اپنے خطوط لکھوانے میں یہودیوں پر اعتبار نہیں ہے میں نے اس کو سیکھا اور نصف ماہ کے عرصہ ہی میں اس میں خوب ماہر ہو گیا میں جب کبھی کوئی مراسلہ آجے لکھتا ہوتا تو میں ہی لکھتا اور جب کوئی مراسلت کہیں سے آتی میں ہی پڑھ کر سناتا یہاں زید نے میان تو سیکھا ہے کہ اس نے کس طرح عبرانی رسم تحریر سیکھی۔ اور اس کو سر ولیم موری نے بھی اپنی لائف آف محمد کے دیباچہ کے صفحہ ۱۸ کے حاشیہ میں تسلیم کیا ہے لیکن مصنف تاویل القرآن نے الفاظ کو تو مردہ کر اس کے یہ منہ بنائے جا رہے ہیں کہ گویا زید کا اپنا اہمال ہے کہ وہ عربی لکھنا نہیں جانتا تھا اور یہودیوں سے عربی لکھی سیکھی تھی کیسی عیاری سے عدم اس نے کتابت یہود کے اصل معنی بلکہ من گھڑت معنی کیے ہیں یعنی اصل معنی اس کے تو بڑے عبرانی لکھنا سیکھا۔ انہیں تبدیل کر کے میں نے ان کی خاطر یہودیوں سے لکھنا سیکھا بنا دیئے جو فرض عربی زبان میں تھوڑی سی بھی مارت رکھتا ہو وہ خوب جانتا ہے کہ کتابت یہود کے معنی کسی حالت اور کسی طریق میں یہودیوں سے لکھنا سیکھنے کے نہیں ہو سکتے۔ اس کے معنی تو صاف طور پر یہی ہیں کہ یہودی یعنی عبرانی رسم خط سیکھا۔ علاوہ بریں خود متن روایت سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ زید اس میں قرآن شریف کے لکھنے کا ذکر کر رہا ہے۔ کیونکہ قرآن شریف کے لکھنے کے کام کا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی یہودیوں پر متعین نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ کثیر حصہ قرآن شریف کا کہ معظم میں نازل ہوا۔ اور یہی واضح ہے کہ وہاں کوئی یہودی نہ تھا۔ اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ ہجرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اکثر معظم میں جتنا قرآن شریف نازل ہو چکا تھا وہ سب کا سب متفق طور پر لکھا ہوا لوگوں کے پاس موجود اور ان کے استعمال میں تھا۔ اور زید نویدین کے باشندہ تھے اور ہجرت کے بعد وہ مسلمان ہوئے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ کون شخص تھے جنہوں نے کہ معظم میں قرآن شریف کو لکھا؟ وہاں یہود تو موجود نہ تھے پس یہود کے پیرو یہ کام کیونکر ہو گیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہود پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتباری ظاہر فرمائی وہ قرآن کریم کے لکھنے کے متعلق نہ تھی اور نہ ہی حدیث میں کتابت نبی کا ذکر ہے۔ بلکہ آپ نے فرمایا کہ ما من یہود علی کتاب۔ یعنی میں اپنی خط و کتابت میں یہود کا اعتبار نہیں کرتا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہودیوں سے عبرانی میں بعض خطوط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھوانے پڑتے تھے اور انہی کا ذکر اس حدیث میں ہے اور کتابت نبی یعنی قرآن کریم کے لکھنے کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ پھر اس روایت میں صریح طور سے یہ بھی لکھا ہے فکنت اکتب لہ اذا کتب داخر الہ اذا کتب الیہ جس سے ساما عقدہ اس بات کا کھل جاتا ہے کہ اس بیان سے غرض کیا تھی۔ اول تو یہاں عبرانی لکھنے کا ذکر ہے اور قرآن کریم زبان عربی میں تھا پھر اس عبارت سے یہ بات عیاں ہے کہ ہر مراسلہ کے متعلق تھی یعنی اگر کوئی مراسلت عبرانی میں لکھی پڑتی یا جب کوئی مراسلت عبرانی زبان میں کہیں سے آتی تو اس کے لکھنے اور سمجھنے کے لیے یہودیوں پر اعتبار نہ کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو عبرانی زبان سیکھنے کا

مکرم دیا۔ اور اس نے اس کی تعمیل کی۔ لفظ تو صرف اس قدر ہیں کہ جب آپ لکھنا چاہتے تو میں آپ کی طرف سے لکھنا اور جب آپ کی طرف سے لکھنا چاہتا تو میں پڑھ کر سُنا تا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ لکھنا نہ کتابت کا ہے اور وحی یا قرآن کریم کے لکھنے کا اس حدیث میں اشارہ بھی نہیں۔ ایسا ہی جس بات کے نیچے یہ حدیث بیان کی گئی ہے اس سے بھی ظاہر ہے کہ اسے کتابت وحی سے کچھ تعلق نہیں +

اب رہا یہ امر کہ یہ لے اتنے تھوڑے سے یعنی ہندو دن کے عرصہ میں کہ جو کربلہ عربی زبان کا لکھنا سیکھ لیا سو سمجھنا چاہیے کہ عبرانی اور عربی الہی ملتی جلتی زبانیں ہیں کہ ایک کے آئے سڑے دوسری کا سیکھنا نہایت آسان کام ہے۔ عبرانی صرف عربی کی ایک بگڑی ہوئی صورت ہے۔ پس جس صورت میں ایک شخص عربی زبان کی رسم الخط سے پورا واقف ہے اس کے لئے عبرانی کا رسم الخط سیکھنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ عربی اصل اور عبرانی اس سے مشتق زبان ہے۔ پس جو شخص عربی زبان میں مہارت کامل رکھتا ہو اس کے لئے عبرانی کا سیکھنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ اتنے قلیل عرصہ میں زید کا عبرانی زبان میں مہارت حاصل کر لینا اس بات پر بھی دلیل ہے کہ وہ عربی زبان کے لکھنے پڑھنے میں کامل مہارت اور یدِ طولی رکھتے تھے۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ بہت ذہین رسا اور بڑی قوتِ حافظہ رکھتے تھے +

قرآن شریف کی
چیزوں پر لکھا

مُصَنَّف تَاوِیل القرآن نے قرآن شریف کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں لکھے جانے کے بعد صرف یہی ایک حدیث پیش کی ہے۔ اسی سے ناظرین خوب سمجھ سکتے ہیں کہ عیسائی مشنریوں کے قرآن شریف کی حفاظت پر حملے اور اعتراض کیسے لغو اور بے سود ہیں۔ اس شخص نے ہمیں تک لبس نہیں کی بلکہ اپنی عقلمندی کا اور بھی بڑھ کر ثبوت دیا ہے اور لکھا ہے کہ قرآن شریف کے لکھنے کے لئے جو چیزیں استعمال میں لائی جاتی تھیں وہ ایسی تھیں کہ دیر تک محفوظ نہ رہ سکتی تھیں۔ یہ چیزیں کیا تھیں؟ کاغذ، الواح، سنگ، چمڑا، کھجور کی تختیاں اور ہڈیاں تھیں جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ کاغذ، چمڑے اور الواح سنگین پر لکھنا تو دیر تک محفوظ رہ سکتا ہے لیکن دوسری اشیاء پر محفوظ نہیں رہ سکتا۔ لیکن وہ لکھتا ہے کہ ان تین چیزوں پر قرآن شریف شاذ و نادر ہی لکھا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ چیزیں بہت کمپا تھیں۔ اور اس لئے قرآن کا کثیر حصہ صرف ہڈیوں اور کھجور کی تختیوں پر لکھا گیا جو محفوظ نہیں رہ سکتی تھیں۔ اور اسی وجہ سے اکثر حصہ قرآن شریف کا محاورہ گم ہو گیا۔ وہ دوسرا حافظہ نہ باشد ایک مشہور ضرب المثل ہے اور اس جگہ مُصَنَّف تَاوِیل القرآن کی حالت پر خوب صادق آتی ہے نہ کہ تو یہ لکھتا ہی تھی کہ قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں لکھا ہی نہ گیا تھا۔ اب اس مقام پر وہ کہتا ہے کہ قرآن شریف کا اکثر حصہ ایسی اشیاء پر لکھا گیا جو دیر پا نہ تھیں اور اسلئے وہ گم اور محو ہو گیا یعنی اس امر کو اب ناں لیا کہ قرآن شریف لکھا ضرور ہو گیا تھا۔ مگر ایسی چیزوں پر لکھا گیا تھا جو دیر پا نہ تھیں یعنی اکثر حصہ ہڈیوں پر لکھا گیا تھا اور اسکی وجہ بیان کی ہے کہ چمڑا، کاغذ اور پتھر کی تختیاں بہت کمپا تھیں۔ یہ بات بھی محض اس نے اپنے دماغ سے تراشی ہے اور کوئی روایت یا حدیث اس سے اسے یہ پتہ لگا ہو کہ درحقیقت قرآن شریف ہڈیوں پر لکھا گیا تھا۔ کیونکہ کاغذ اور چمڑا

اور پیغمبر کی تختیاں ملک عرب میں ملتی نہ تھیں۔ اول تو بڑیاں اور لکڑی کی تختیاں تحریر کے مطلب کے لیے چمکا یا کاغذ سے ناقص تھیں۔ بلکہ کاغذ کی نسبت زیادہ دیر پا ہیں۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ قرآن شریف کی پہلی ہر تہ کی کچھنے کے لیے یہ چیزیں پورا کام بھی نہ دے سکتی تھیں اور کئی حادثات سے معلوم ہوتا ہے کہ عموماً کاغذ اور چمکے پر ہی قرآن شریف لکھا جاتا تھا۔ اور قیاس بھی اسی بات کو چاہتا ہے۔ کاغذ اور چمکا اکثر عرب میں ملتے تھے دوسری چیزیں محض ایسی حالت میں استعمال کی جاتی ہونگی جب مثلاً سفر میں ہونے کی وجہ سے یا کسی اور سبب کاغذ یا چمکا نہ مل سکے۔ اسکے مؤید وہ روایت ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا ذکر ہے۔ وہاں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی ہمیشہ کے گھر پہنچے تو اس وقت حضرت فاطمہؓ ہمیشہ حضرت عمرؓ کو طہ پڑھ رہی تھیں حضرت عمرؓ کو دیکھتے ہی انہوں نے اسکو اپنے کپڑوں میں فوراً چھپا لیا۔ اگر اتنی لمبی سورۃ کسی ہڈی یا لکڑی پر لکھی ہوتی تو اس طرح کپڑوں میں چھپانا ممکن نہ تھا۔ کیونکہ اس قدر لمبی سورۃ ایک ہی ہڈی یا لکڑی پر تو لکھی نہ جاسکتی تھی بلکہ اس کے لیے بہت سی بڑیاں اور لکڑیاں بکار ہوتیں جن کا کیا یک اپنے پاس ہی چھپا کر کہہ لینا ممکن نہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اکثر حصہ قرآن شریف کا کاغذوں پر یا چمکے پر جو کاغذ کی طرح بنایا جاتا ہے لکھا جاتا تھا۔ ہاں بوقت ضرورت دوسری چیزوں پر بھی لکھ لیا جاتا تھا۔ پس تمام شہادت مذکورہ بالا سے بابر نہایت صفائی سے ثابت ہے کہ کمال و کمال قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کے سلنے اور آپ کی ہر ایک مطابقت لکھا جاتا تھا۔ اس کے بعد ہم وہ دلائل بیان کر چکے ہیں سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ سارا قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صحابہ رضی اللہ عنہم نے حفظ بھی کر لیا تھا +

(۳) وہ دلائل جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سارا قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی صحابہ رضی اللہ عنہم حفظ کر چکے تھے

ہم یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کی حفاظت کے متعلق بہت احتیاط اور کام فرمایا کرتے تھے اور آپ کی عادت یہ تھی کہ جب کوئی آیت کریمہ نازل ہوتی تو فوراً اُسی وقت اپنے کسی کتابت الوجی کو طلب فرما کر وہ آیت شریفہ اس سے لکھوا لیتے۔ اسی طرح سارے قرآن شریف کی ایک ایک آیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے لکھی گئی۔ علاوہ ازیں روایات معتبرہ متواترہ صحیحہ سے ثابت ہے۔ کہ آپ کا یہ معمول تھا کہ جب کبھی کوئی آیت کریمہ نازل ہوتی تو اسی وقت مجلس میں سب حاضرین کو خواہ وہ دشمن ہوتے یا دوست ضرور مٹا دیا کرتے تھے۔ اور آپ کی مجلس جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض تودہ تھے جو سبب اکثر آپ کی مجلس میں حاضر ہونے کے تازہ وحی آتی تو اسی وقت آپ کے وہن مبارک سے مشغول رہ جاتے۔ اور جو حاضر نہ ہوتے وہ دوسروں سے مستغرق رہ جاتے یا لکھوا کر اپنے پاس رکھ کر بتدریج حفظ کر لیتے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قرآن کریم

قرآن کریم کا حفظ کرنا

چنانچہ اخلاقی باتوں اور نیک نصائح یا تہذیبی اور فہداری قوانین کا مجموعہ ہی نہ تھا جس کے مطالب کو یاد رکھنا کافی سمجھا جا تا بلکہ قرآن کریم کے ایک ایک حرف پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اور ان کے بعد آج تک اہل اسلام کا ایمان ٹہرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اس پاک کتاب کا ایک ایک لفظ خدا کے منہ سے نکل ہوا ہے۔ اور ان کے اس محبوب و مقصود کا کلام ہے جس کو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت پالیا تھا۔ اور حرف میں شبہا برکات بکھری ہیں۔ ان کا ایمان تھا۔ کہ اس کا ہر لفظ ایک بیش بہا آسمانی خزانہ ہے جو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کیا ہے۔ اس لیے اس کو نہایت محفوظ ترین مقام یعنی قلب میں محفوظ رکھنے کی طرف اس قدر متوجہ رہتے۔ وہ ایسے حرائم و منکرات سے (خدا کی نافرمانی سے) باز رہتے اور محبتیں ان پر ہمیشہ نازل ہوتی رہیں) کہ ہر نوع کی سنگینی اور تکلیف کا مصداق نہ بنیں۔ اپنے اہل و اقارب سے جدا ہوئے۔ یا روم و گارسے مجبور ہوئے۔ گھر یا کھیت جان و مال قربان کیے۔ غرض جو کچھ تھا سب کچھ اسی پر قربان کر دیا۔ ہر ایک حفاظت کے مقصد کو ادا و صورت چھوڑا ان کے کانوں میں جب کوئی نئی آہٹ پڑتی تو اس سے ان کی جانوں میں ایک نئی روح نفع ہوتی۔ اور نئی ہمت اور نیا استقلال شامل حال ہوتا۔ قرآنی آیات ان کی پاک رُوحوں کی غذا تھیں۔ اور ہر نئی آیت ایک نئی لذت بخشی اس لیے وہ ہمیشہ اسی جدوجہد میں لگے رہتے کہ اپنی رُوحوں کو اس غذا سے سیر رکھیں۔ چنانچہ اسی لئے وہ ہر آیت کو بڑی احتیاط کے ساتھ یاد کر لیتے تھے۔ وہ آیات کے نزول کا اس طرح انتظار کرتے رہتے تھے جس طرح ایک مسافر پیاسا آدمی پانی کا انتظار کرتا ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بکثرت اسی لئے رہتے تھے کہ جب کوئی نازہ آہٹ نازل ہوتی اس کو فوراً سُن لیں اور حفظ کر لیں میں سبقت کریں۔ ان کی حالتوں کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ حضور رسالت آپ صلعم میں رہنے کے کس قدر شائق تھے چنانچہ اکثر کاتویہ عالم تھا کہ کسی قدر کاروبار تجارت وغیرہ بطور حصول معاش کر کے باقی تمام وقت اس محبوب حقیقی فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد پرواز و اُرد گرد آتے۔ جو اپنے مشاغل ضروریہ کی وجہ سے غیور حاضر رہتے تھے۔ ان میں سے بعض نے ایک دوسرے سے ملکر یہ انتظام کیا ہوا تھا کہ ہر بار ہی ایک اپنا کام کر لے اور دوسرا حضور میں حاضر رہے امد اگر کوئی آیت نازل ہو تو اس کو محفوظ کر کے اپنے غیر حاضر بھائی کو پہنچائے۔ اور پھر وہ اپنے کام پر چلا جائے اور دوسرا حضور میں موجود رہے۔ اس طریق سے گویا وہ تمام وقت ہی حاضر محض رہتے تھے۔ اور جب کوئی آیت کریمہ نازل ہوتی تو فوراً اس کو محفوظ کر لیتے تھے۔ چنانچہ تجارتی میں لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے مضافات میں ایسے مقام میں رہتے تھے جہاں ایک انصاری ان کے ہمراہ تھے جس کے ساتھ انہوں نے یہ انتظام کیا ہوا تھا کہ دو دنوں کو نبوت و نبوت آنحضرت سرور کائنات صلعم کے دربار میں حاضر رہیں۔ اور وہ کچھ نہیں یاد بھییں اس سے ایک دوسرے کو مطلع کرتے رہیں یعنی ایک دن ایک اپنے معاش کیلئے کام کرتا اور دوسرا دربار نبوت میں حاضر رہتا اور دوسرے روز وہ اپنے کام میں مشغول ہوتا اور اول الذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں رہتا تو اس کی دُعا و غیب کی تمام خبریں اس دوسرے شخص کو لاٹھاتا

اور حضرت وہ حاضر دربار رسالت ہوا تو وہ اخبار مجھے لائے (صحیح بخاری) اس کے علاوہ صحابی رضی اللہ عنہم میں بعض ایسے بزرگ بھی تھے جنہوں نے ہر کے بعد مخالفوں کے دکھ پہنچانے اور اذیت دینے کی وجہ سے تنگ اور مجبور ہو کر اپنے معاش کے کاروبار ہی چھوڑ دیے تھے۔ ایسے بزرگ اپنا سارا وقت مسجد نبوی ہی میں گزارتے اور وقت سب پر کراہے کر جب کوئی آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو اسی وقت یاد کر لیں۔ ان کا شغل تلاوت قرآن ہی تھا۔

یہ بزرگ حفاظت قرآن شریف کی اس آبی دے کے ماتحت عمل میں آ رہی تھی جو خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں کیا تھا بڑی فوض اعتقادی سے ایسی اضیاء پیدا نہیں ہو سکتی۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کے پڑھنے پڑھانے اور یاد کرنے کیلئے بہت سخت تاکید فرماتے رہتے جیسا کہ مسلم کی حدیث ذیل سے ثابت ہوتا ہے۔ عن عقبہ بن عامر قال خیرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن فی الصفۃ فقال ایکم یحب ان یغزل کل یوم الی الجحان اور العقیق فانی بنا فتنین کو ماورانی غیر اشرف ولا قطع رحمہ قلنا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلنا نحب ذلک قال اتلا لیس احکم الی المسجد فیلعل اولیقا! ینین من کتاب اللہ خیر لہ من نالتین وثلاث خیر لہ من ثلاث واربع خیر لہ من اربع ومن اعدا دھن من الاہل (مراہ مسلم) یعنی عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ شریف لائے۔ اور ہم اس وقت صف میں تھے۔ آئے پوچھا کہ تم میں سے کون اس بات کی خواہش رکھتا ہے کہ ہر روز بطحان یا عقیق کو جائے۔ اور بڑی کوبان والی دروازیوں یا غیر کسی کو گوند نہ پھینچے گناہ کہے اور قطع رحم کیے کے لائے۔ ہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہاں ہم سب اس بات سے محبت رکھتے ہیں پھر آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی صبح کو مسجد میں آکر کتاب اللہ (قرآن کریم) کی دو آیتیں پڑھتا تا یا پڑھتا نہیں جو اس کے لئے دو اونٹنیوں سے بڑھ کر ہیں اور تین آیتیں تین اونٹنیوں سے بتر ہیں اور چار آیتیں چار اونٹنیوں سے بتر ہیں چنانچہ آیتیں پڑھے پڑھائیگا وہ ان سے ہی اونٹوں سے بتر ہوگی۔ ایسا ہی بخاری میں یہ حدیث آئی ہے عن عثمان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کیا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سب سے بتر وہی ہے جو قرآن شریف کو سیکھتا اور سکھاتا ہے ایسا ہی بخاری اور مسلم دونوں میں یہ حدیث صحیح موجود ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے عن عائشہ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الماہر بالقرآن مع السفرة الکرام البررة۔ والذی یقرء القرآن یتعتمق فیہ وهو علیہ شاق لہ اجران یعنی قرآن کے ماہران فرشتوں کے ساتھ تھے ہیں جو بہت عزت والے اور بزرگ ہیں بلکہ وہ شخص قرآن شریف کو ایک ایک کر پڑھتا ہے۔ اور نہایت مشکل سے اس کے حروف کو ادا کرتا ہے تو اس کے لئے دو چنچا چر ہے۔ ایک اور حدیث ہے عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یصلح لک العلم الاثنین رجل لا تالہ اللہ القرآن فهو یقوم بہ انا واللیل والناہل والنهار

۳ حضرت کو
صحیح کعبہ حفظہ
تعلیم قرآن کا
خیرین لانا

سچ لانا لا اللہ ملا فہو یفتق منہ اناء اللیل وانا ہذا المہار یعنی ابن عمر سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رنگ دو آدمیوں کے ساتھ کرنا جائز ہے ایک تو اس شخص کے ساتھ کہ جسے اللہ نے قرآن پڑھایا ہو اور وہ دن رات اس کی تلاوت میں مشغول ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔ دوسرے اس آدمی کے ساتھ جسے قرآن نے مال دیا ہو اور وہ رات دن اسے خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہو۔ پھر ابو موسیٰ اشعری کی روایت ایک حدیث آئی ہے۔ عن ابی موسیٰ اشعری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المؤمن الذی یقرأ القرآن کلا ترجمۃ طبعھا طیب ودرجھا طیب والمؤمن الذی لا یقرأ القرآن کلا التمرۃ طبعھا طیب ودرجھا طیب۔ یعنی ابو موسیٰ اشعری نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا۔ مومن جو قرآن پڑھتا ہے اسکی مثال انجلی کی طرح ہوتی ہے کہ اس کا ذائقہ بھی خوشگوار اور خوشبو بھی طیب ہوتی ہے اور جو مسلمان قرآن نہیں پڑھتا اسکی حالت کھجور سے مشابہ ہوتی ہے جس کا ذائقہ تو اچھا ہوتا ہے لیکن اس میں کوئی خوشبو نہیں ہوتی۔ اب اس آخری حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو گروہوں میں تمیز کر دی ہے یعنی ایک گروہ علمیدہ بیان کیا ہے جو صرف قرآن شریف پر عمل ہی کرتا ہے اور اسکی تلاوت میں غفلت کرتا ہے ایسے گروہ کوئے خوشبو کہا ہے اور دوسرا وہ گروہ اس کے علاوہ سے ممتاز کیا ہے جو عمل بھی کرتا ہے اور تلاوت بھی کرتا رہتا ہے اس گروہ کو خوشبو وار ثمر سے مشابہت دی ہے اور اسکی ترجیح بیان فرمائی ہے۔ اس سے اوپر دوسری حدیثوں سے نہایت صفائی سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف قرآن شریف پر عمل کرنے کی تاکید ہی نہ فرماتے تھے بلکہ تلاوت قرآن شریف تک بھی اسی قدر تاکید فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں حفظ قرآن کو جس احتیاط اور التزام کے ساتھ ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس سے قرآن پر عمل کرنے کے پسند کو کہیں جدا نہیں کیا گیا۔ اصل علت غائی حفاظت اور تلاوت کی یہی ہے کہ اس کو عملی زندگی میں ہمیشہ زبور رکھا جائے۔ اور ضرب برکات و نصفاۃ و کشف و اخذ انوار ربانی اور تزکیہ نفس اور حصول معرفت و قرب الہی کے لئے بار بار پڑھ کر اس پر تہذیب اور تعمق کر لیا جائے *

ہم نے اس جگہ مشفقانہ طور پر اس کے مصداق پر عمل کیا ہے۔ ورنہ جس قدر تاکید ہی احکام قرآن شریف کی تلاوت پر مرامت کے متعلق احادیث میں پائے جاتے ہیں اور جتنی اہمیت اس امر کو دیتی ہے ان صحیح اور مستند روایات کا کتب احادیث میں اتنا بڑا ذخیرہ موجود ہے کہ ان کا یہاں نقل کرنا باعث طوالت ناظرین کی مالت کا باعث ہوگا حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں استدکارا و لعاہ ذکر کی پر ایک علیحدہ باب باندھا ہے۔ اس باب میں ہسٹھی احادیث اس ضمن میں ہیں کہ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت قرآن پر مرامت کی تاکید فرمائی ہے ایسا ہی ایک آؤ باب بعنوان تعلیم الصبیان القرآن قائم کیا ہے جس میں قرآن کریم کے اولاد کو تعلیم کرنے کے احکام ہیں۔ اور ایک میسرابا بعنوان خیر کم تعلم القرآن وعلما قائم کیا ہے۔ یعنی بہترین انسان وہ ہے جو قرآن شریف پڑھتا اور پڑھاتا ہے۔ اور ایک جو خطاب القرآن عن نظر القلب یعنی قرآن شریف کو زبانی یاد کرنے کے حکام اور رات کے متعلق باندھا ہے مسلمانوں میں تنقید و تحقیق و محنت روایات کے لحاظ سے بخاری کو صحیح کتب

احادیث میں

حفظ قرآن کی

تاکید

بعض کتابا اللہ مانا گیا ہے اور اس کتاب میں ہم اس قدر احادیث پاتے ہیں کہ ان سب کا نقل کرنا مشکل ہے اس لئے
 بنظر اختصار اس جگہ صرف اوائی کے نام لکھ دینے پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور ان تمام احادیث کا مفصل ذکر نہیں
 کرنے بلکہ ابواب کے نام ہی اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن حفظ کرنے کی بڑی
 کوتاہید اکیلے فرماتے رہتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو یاد کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے اور بہت بڑے ثواب
 اور اجر کا ذریعہ جانتے تھے۔ انہی احکام کی تعمیل میں پہلے زمانوں کے مسلمان اگر سارا نہیں تو بعض بعض حصص
 قرآن شریف کے ضروری یاد کر لیا کرتے تھے۔ اگرچہ اس زمانہ میں بھی ہر ایک اسلامی ملک میں ہزار ہا حافظ قرآن شریف کے
 اور قاری موجود ہیں جو سارا قرآن شریف کمال صحت کے ساتھ حافظہ میں یاد رکھتے ہیں۔ چین کی مثال دُنیا کی کسی غیر
 اسلامی قوم میں موجود نہیں لیکن عرب کے خاص حالات ایسے تھے کہ ان کے لئے قرآن شریف کو اور کرنا بہت ہی
 آسان تھا۔ چنانچہ یومیہ درجہ معائنہ و مخالف اسلام بھی اپنی کتاب لائف آف محمد کے دیباچہ کے صفحہ ۱۶ پر اسی
 خصوصیت کو تسلیم کرتا ہوا لکھتا ہے "عرب لوگ نظم کے بہت سرگرم اور جاہلادہ شائق تھے لیکن ان کے پاس
 ایسے اسباب موجود نہ تھے کہ جن سے وہ اپنے شاعروں کے کلام کو ضبط تحریر میں لاسکتے۔ ایسے بہت مدت تک
 ان میں یہی رواج رہا کہ اپنے شعرا کے کلام اور اپنی قوم اور آبادی کے تاریخی واقعات کو دل کی تریخ الواح پر ہی
 بہت عمدگی اور صحت کے ساتھ طبع کر لیتے۔ اس طرز سے ان میں قوت حافظہ کمال درجہ ترقی پر پہنچ گئی
 ہوتی تھی۔ اور یہی قوت حافظہ اس نئی پیدا شدہ رُوح کے ساتھ میرے اخلاص اور شوق سے قرآن (کریم)
 کے حفظ کرنے میں کام آئی"۔

عمدہ امت
 حاصل کرنے
 میں
 تحریف و غلطی

ہم نے چند احادیث جو اوپر لکھی ہیں ان سے یہ بات بھی پائی جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی چاہتے تھے کہ
 صحابہ کبار رضی اللہ عنہم علم قرآن میں ایک دوسرے پر ترقیت اور سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہیں اس کے
 علاوہ اور بھی چند ایسے اسباب موجود تھے کہ جن کی وجہ سے قرآن شریف کے حفظ کرنے میں ایک دوسرے کی سبقت
 حاصل کرنے کے لئے صحابہ کرام کوشش کرتے رہتے تھے۔ ازاں بعد ایک یہ بات بھی کہ نمازوں میں امامت کرنے کیلئے
 وہ شخص ہی معزز و عمدہ امامت کے لئے منتخب کیا جاتا تھا جو دوسروں سے علم قرآن میں بڑھا ہوا ہو چنانچہ ان میں
 کو حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ کر قرآن شریف کو یاد کرنے میں محنت کرتا۔ تمام صحیح احادیث میں
 بات کو ثابت کرتی ہیں۔ یہ امامت دراصل مسلمانوں میں ایک نہایت عزت کا مقام اور اعلیٰ مرتبہ تھا جو حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم ہی امام تھے۔ اور شریعت اسلامی میں اس امامت کے معزز اور مقتدر و عمدہ پر مایہ کی قریب اسی شخص کے حق میں
 بلا لحاظ قومیت و دھرم و عمر پڑتا جو علم قرآن میں دوسروں سے بڑھا ہوا ہوتا چنانچہ ایک روایت میں ہے عن
 عمر بن سلمۃ قال لکنا بعضا من بنی النّاس اذا التوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکنا اذا اذنا رجوا امرؤا
 بنا فاخذہ ونا ان سئل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کذا وکذا وکنت معلما حافظا لمحضظت
 من ذلک قرانا کثیرا فانطلق الی واذ الی سئل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی نعم من قومہ فعلمہم

الصلوة وقال يومئذ اذ كنتم افرادكم فكنتم افروءا هم لما كنتم احفظ فقل مونی نكنت اذ هم لحنی عمر بن سلم
سے روا ہے کہ ہم (یعنی ہماری قوم) ایک دفعہ کسی مقام پر ڈیرہ انگن ہوئی جو بانی کے قریب تھا اور جو لوگ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے حضور میں جاتے وہ اسی راہ سے جاتے تھے جو ہماری پاس سے گذرنا تھا جب وہ وہاں آتے تو ہمیں تمام
حی و حضور صلعم سے نازہ من کر آتے مٹا جاتے تھے میں ابھی بچہ ہی سا تھا اذریب آٹھ سال کے عمر تھی اپری میری
قوت حافظہ بہت تیز تھی جو جس مٹتا جاتا تھا حفظ کرتا جاتا تھا یہاں تک کہ اکثر حصہ قرآن شریف کا اسی طرح
ان لوگوں سے ہی میں نے یاد کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد میرا باپ اپنی قوم کے بہت سالے عمامہ کو ساتھ لے کر اسلام قبول کرنے
کے لیے حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں آنحضرت صلعم نے انہیں داخل اسلام
فرمایا اور انکو قاز کی تلقین فرمائی۔ اور حکم دیا کہ تم میں نماز میں امامت وہ شخص کرایا کرے جو سب سے زیادہ قرآن جانتا
ہو چونکہ میں نے قرآن کا بہت حصہ پہلے ہی حفظ کیا ہوا تھا اسلئے امامت کا حق میرا ہی تھا۔ پس مجھے ہی سب سے
امام منتخب کیا۔ اور میں ہی نمازوں میں ان کا امام ہوتا رہا۔ یہ حدیث ابوداؤد میں درج ہے اور بخاری اور دیگر
محدثین نے بھی اس کو لکھا ہے۔ ایسا ہی جب کبھی کوئی نئی قوم اسلام میں داخل ہوتی تو ان میں امامت کے فرائض
ادا کرنے اور مسائل اسلام کی تلقین و تسلیم دینے کے لیے وہی شخص بھیجنے کے لیے منتخب کیا جاتا تھا جو علم قرآن
میں فاضل اور سابق ہوتا تھا۔

کثرت تلاوت
قرآن میں مختصر
صلعم کا نمونہ

اس سے یہی نہ سمجھنا چاہیے کہ قرآن شریف جاننے والوں کی صرف اسی قدر عزت کی جاتی تھی۔ بلکہ یہ تو ان کی
اکرام و اعزاز کا صرف ایک ہی شعبہ بیان ہوا ہے۔ ان لوگوں کی ہر سہلہ سے عزت اور توقیر و تعظیم کی جاتی تھی۔
منجملہ اور وجہ کے یہ بھی ایک وجہ تھی کہ جس سے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم نے قرآن شریف کو اپنے مقدس دلوں کی
الواح پر نہایت احتیاط سے ساتھ محفوظ کیا ہوا تھا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طوٹ جلوت میں قرآن
شریف کی اکثر تلاوت فرماتے رہتے اور اپنا نمونہ پیش کرتے رہتے تھے۔ ناظرین خیال نہ کریں کہ آنحضرت صلعم
نمازوں میں لمبی لمبی سورتیں پڑھنے پر کشف کیا کرتے تھے۔ بلکہ عامی سامنے ایسے تھے جتنی واقعات موجود ہیں کہ سفر
کو جاتے ہوئے اونٹ پر سوار ہو کر چلتا تھا میں کئی سورتیں پڑھ جایا کرتے تھے جتنا بچہ بخاری میں یروایت ہے۔ مرایت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم فتح مکہ وھول لیل علی رحلتہ سورۃ الفتح یعنی اس نے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے روز دیکھا کہ آپ اپنے اونٹ پر سوار تھے۔ تو آپ سورۃ الفتح
پڑھی۔ آنحضرت صلعم کو دوسروں سے قرآن سننے سے بھی بڑی محبت تھی۔ اور یہ محبت آپ میں
ایسی طرح ہوئی تھی کہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر بھی صحابہ کا قرآن کریم پڑھنا سنا کرتے تھے جتنا بخاری باب نسیان
القرآن میں اس قسم کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک ذرا ت کو جب ایک شخص نماز میں قرآن پڑھ رہا تھا تو آپ سن رہے
تھے۔ اسی طرح بخاری میں یروایت بھی درج ہے۔ عن عبد اللہ قال قال لابی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اقر علی قلت یا رسول اللہ اقر علیک وعلیک انزل قال نعم فقرأت سورۃ النساء حتی

انبت علیٰ ہذہ الامۃ فکیف اذ اجئنا من کل امۃ بشہید حیثنا ید علیٰ ہولاء شہید
کمال جسکے ان فالنصت الیہ فاذا عینا لا تذخان - یعنی عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے ایک دفعہ مجھے فرمایا کہ کچھ قرآن سننا میں نے جواب میں عرض کیا کہ حضور اکبر! میں آپ کو سناؤں
اور آپ پر تو نازل ہوا ہے؟ اس پر آپ نے فرمایا کہ ہاں (اور دوسری روایت میں ہے کہ مجھے یہ اچھا لگتا ہے
کہ دوسرے کو پڑھتا سنتوں) یہ بات سن کر میں نے سورۃ النساء پڑھنی شروع کی یہاں تک کہ جب میں اس آیت
پر پہنچا - فکیف اذ اجئنا الالبہ - تو آپ نے فرمایا اس وقت بس کرو جب میں نے آپ کی طرف دیکھا تو
آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے +

یہ چند واقعات جو شخص بطور نمونہ درج کیے گئے ہیں بتلا ہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا
نمونہ دکھا کر صحابہ کو قرآن پڑھنے کی رغبت دلایا کرتے تھے۔ اُس زمانہ میں مسلمانوں کا آج کل کے نام کے
مسلمانوں جیسا حال نہ تھا۔ وہ تو اپنی زندگیوں کی علت غائی ہی سمجھتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
حکموں اور آپ کے نمونوں پر عمل کرنے رہیں۔ اسی میں ان کی خوشی ہوتی تھی۔ اسلئے آپ کی ایسی ترغیبات کبھی
نے اثر نہیں جاتی تھیں۔ وہ پاک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین قرآن شریف کے ایک ایک لفظ کو بڑی
امانت اور احتیاط سے ساتھ اپنے دلوں کے خزانوں میں جمع کر لیتے اور اس کی تلاوت اور تعلیم پر مداومت فرض کر لی
سمجھتے تھے۔ قرآن شریف کی تلاوت اور تعلیم و تعلیم کا رواج ایسا عالمگیر طور پر مسلمانوں میں ہو گیا تھا۔ کہ
ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور شگونی فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ علم قرآن جہاں سے اٹھ جائیگا
تو صحابہ کو اس بات بہت تعجب پیدا ہوا۔ اور زیادہ اس لیے صحابی اسی تعجب و حیرت میں خورے یا سنا نہ بول
اٹھا کہ یا رسول اللہ علم قرآن دُنیا سے کیسے فقور ہو سکتا ہے جبکہ ہم سب خود اسے پڑھتے رہتے ہیں! اور اپنی دلاؤں
اسکی تعلیم دیتے ہیں اور ہماری اولاد اپنی آئندہ نسلوں کو قیامت کے دن تک قرآن سکھلاتی اور پڑھاتی رہے گی۔
قرآن شریف کی حفاظت کے انتظام کی سمجھ تو صحابیوں کے ایسے کلام سے بخوبی آ سکتی ہے۔ اس سے اس بات کا
پتہ لگتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن شریف کی حفاظت کے زبردست انتظام
میں ایسی سرگرمی اور کوشش دکھاتے تھے کہ ان کے خیال میں یہ بات سمجھ سکتی ہی نہ تھی کہ اس حالت کے بعد قرآن ہر کوئی
زمانہ ایسا آ سکتا ہے کہ وہ دُنیا سے اٹھ جائیگا۔ ان لوگوں میں قرآن شریف کی محبت ایسی بھری ہوئی تھی کہ ان کے
محبت کے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو بھی اُس وقت نہ سمجھا اور جھٹ عرض خدمت کرنا شروع
کر دیا۔ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہ تھا کہ دُنیا سے قرآن کریم کے الفاظ مغفود ہو جائیں گے
بلکہ آپ کے ان الفاظ سے مراد یہی کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا ہے۔ کہ جس میں لوگ قرآن شریف پر عمل کرنا چھوڑ
دینگے۔ اس صریح کو ترمذی اور بعض دیگر محدثین نے بیان کیا ہے۔ اور ہم اسکو نقل بھی کر چکے ہیں۔ اس سے
یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ قرآن شریف کی ایک ایک آیت صحابہ رضی اللہ عنہم عام طور پر شائع ہو چکی اور سب کو یاد

صحابہ کرام
قرآن کریم کی
حفاظت پر

یعنی اب اس سے کم میا نہیں ہو سکتی ایسا ہی فتح الباری ص ۵۳ ص ۵۴ پر یہ حدیث منقول ہے عن ابن مسعود اقرأ القرآن فی سبع وکذا تقرؤه فی اقل من ثلث یعنی قرآن کریم کو سات دنوں میں پڑھا (ختم کیا کرو۔ اور تین دنوں سے کم مدت میں ستر کو ختم نہ کرو۔ ایسا ہی اسی کتاب میں ایک اور حدیث منقول ہے جو یہ ہے عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یختم القرآن فی اقل من ثلث۔ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کو تین دنوں سے کم عرصہ میں ختم نہیں کیا کرتے تھے +

صحابہ میں
حافظان قرآن
کی کثرت

اب ان روایات و احادیث معتبرہ سے یہ بات عیاں ہو رہی ہے کہ اصحاب رسول کریم صلعم نے قرآن کریم کے پڑھنے میں ایسا کمال حاصل کیا تھا کہ صرف ایک ہی رات کے اندر سارا قرآن شریف لکھ سے لیکر وہ الناس تک ختم کر لیتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلعم کو پڑھنے کی میعاد مقرر کرنی پڑی۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کے متعلق بار بار پوچھنے کی ضرورت محسوس ہوتی رہی۔ اس سلسلہ و دلائل سے یہ بات بھی طور پر پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ صحابہ کو قرآن شریف عموماً حفظ ہوتا تھا۔ کیونکہ ایسی جلدی پڑھنا حفظ ہی کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے دیکھ کر پڑھنے سے محال ہے۔ اور جب ہم یہ بات دیکھتے ہیں کہ رات ہی رات میں وہ لوگ قرآن شریف ختم کرتے تھے تو اس سے اور بھی اس بات پر وضاحت ثبوت بہم پہنچتا ہے کہ ان کو حفظ ہی تھا۔ والا اگر قرآن شریف ان کو یاد ہوتا تو رات ہی رات میں اس کا پڑھ لینا کیسے ممکن ہو سکتا تھا + اس کے علاوہ یہ بات اس طرح بھی ثابت ہوتی ہے کہ اکثر معتبر اور صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کی کثیر جماعت کو قرآن کریم حفظ تھا۔ چنانچہ قرآنی ایک بڑی جماعت موجود تھی۔ قرآن کا اصل مفہوم یہ ہے کہ قرآن شریف اوروں کو سمجھانے کے لیے حفظ کرنے والے لوگ چنانچہ صاحب فتح الباری نے لفظ قرآن کے ہی معنی کئے ہیں قرآن کے معنی یہ ہیں الذین یستقہمون الحفظ القرآن و المتصدی لتعلیمہ۔ وہ لوگ جو قرآن شریف کو حفظ کرنے اور دوسروں کو قرآن شریف سکھانے کیلئے مشہور تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اس لفظ کے ذیل میں آنیوالوں کے لیے ضروری ہے کہ انہیں کامل طور پر علم قرآن بھی ہو۔ احادیث ثابتہ کہ تشریف کو کفار نے آنحضرت صلعم کے زمانہ میں شمرعون کے فریٹل کر دیا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حافظان قرآن کی صحابہ میں کیسی کثرت تھی۔ باب القرآن میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذیل میں حضرت امام بخاری نے بہت سی احادیث بیان فرمائی ہیں۔ از انجملہ ایک یہ ہے۔ ذکر عبد اللہ بن عمرو و عبد اللہ بن مسعود فتال ص ۱۸ اذال احبہ سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول خذ القرآن من اربعۃ من عبد اللہ بن مسعود و سالم و معاذ و ابی بن کعب۔ یعنی عبداللہ بن عمرو نے عبداللہ بن مسعود کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ میں ہمیشہ اس سے محبت کرتا رہا ہوں گا۔ کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات فرمائی تھی کہ چار آدمیوں عبداللہ بن مسعود و سالم و معاذ و ابی بن کعب قرآن سیکھو۔ اس حدیث سے یہ سمجھنا چاہیے کہ قرآن کا علم اور قرآن کی تعلیم دینا انہیں چار بزرگوں میں محدود تھا اور دوسرے صحابہ میں یہ قابلیت پیدا نہ ہوئی تھی۔ اور نہ ہی اس حدیث کے الفاظ میں یہ بات

موجود ہے کہ گویا ان چاروں کے سواے کوئی دوسرا صحابی قرآن کو یاد نہ رکھتا تھا۔ اور اسکو پڑھانہ سکتا تھا۔ یہ بات ثابت ہے کہ تمام صحابہ قرآن شریف کا کچھ نہ کچھ حصہ جانتے تھے اور یہ امر بھی عیاں ہے کہ ان میں کثیر العدد ایسے لوگ تھے جو قرآن شریف کے حافظ تھے یعنی جن کو قرآن شریف ازبر یاد تھا۔ لیکن قرآن شریف کا مسلم بنے کیلئے ضروری ہے کہ اس شخص میں فہم قرآن بھی اعلیٰ درجہ کا ہو اور فہم قرآن بھی بہت بڑھ کر ہو۔ اس حدیث میں ان لوگوں کی معصیت کی حیثیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور ان کی اس قابلیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی وہ لوگ اچھی طرح قرآن سکھانے کی قابلیت رکھتے تھے۔ اس سے یہی واضح ہوتا ہے کہ وہ قرآن شریف کی تمام سورتوں کو اچھی طرح سکھا سکتے تھے ایسے خود پڑے قرآن شریف کے حافظ تھے۔ اور ایک بوجہ یہی ہے کہ صحابہ کی جماعت بہت کثیر تھی۔ ایسے ہر ایک آدمی کو یہ موقعہ نہیں آ سکتا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے آیات قرآنیٰ میں سکھتا۔ اکثروں نے اگر کچھ حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا بھی ہو گا تو کثیر حصہ بالواسطہ سیکھا لیں شامیان چار کا نام اس واسطے لیا کہ انہوں نے اکثر حصہ قرآن شریف کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے بلا واسطہ سنا اور سیکھا تھا۔ چنانچہ ان میں سے ایک عبد اللہ بن مسعود اس سے اچھی حدیث میں کہتے ہیں کہ میں نے ستر سے زیادہ سورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ حاصل کیں +

حضرت ابوبکرؓ
فضیلت
قرآن میں

غرض اسی قسم کی کوئی خصوصیتیں ہونگی جن کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں کا نام اس حدیث میں لیا ہے۔ ورنہ احادیث صحیحہ معتبرہ سے ثابت ہے کہ صحابہ میں کثرت ایسے لوگ موجود تھے۔ جن کو نہ صرف قرآن شریف ازبر یاد ہی تھا بلکہ ان کو فہم قرآن بھی اعلیٰ درجہ کا عطا کیا گیا تھا۔ ان لوگوں میں سے بطور مثال ہم حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی کا نام نامی پیش کرتے ہیں۔ حضرت صدیق صاحب ثلاث ظاہری و باطنی بارخار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قرآن دانی اور قرآن فہمی کا سب سے فائق ہونا کئی مقاموں پر بیان فرمایا مثلاً آپ کے آخری آیام کے ہی چند واقعات لے لو۔ آخری آیام کے واقعات ہم اسلئے لیتے ہیں کہ کوئی نہ کہہ سکے کہ شاید بعد میں دوسرے صحابہ نے وقتیت حاصل کر لی ہو۔ ان واقعات میں سے ایک واقعہ تو یہ ہے کہ جب سورۃ نصر نازل ہوئی تو ذکر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ رو پڑے جب بعض لوگوں نے تعجب کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکرؓ تم سے بہتر قرآن سمجھتا ہے۔ کہہ کر اس سورۃ میں یہ اشارہ تھا کہ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مونیے کو جی کر جانے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اور اسی لیے حضرت ابوبکرؓ رو بھی پڑے تھے۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مسجد میں جس قدر نیچے ہیں وہ سب بند کر دیئے جائیں۔ سوائے حضرت ابوبکرؓ کے دیکھ کہ اس میں بھی یہ اشارہ تھا کہ وہ سترس آپ کو علم قرآن میں حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں تیسرا واقعہ یہ ہے کہ آخری بیماری کے وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو امام مقرر فرمایا۔ اب یہ بات صحیح اور معتبر احادیث سے ثابت ہے کہ انہوں نے اسے امام دینی بھی منتخب ہونا چاہیے جو سب بڑھ کر علم قرآن میں وقتیت رکھتا ہو جبکہ امامت کے لیے قرآن شریف کے علم میں بڑی ایک شرط اعلیٰ آپ نے ہمیں بتلائی تو جس شخص کو آپ نے امامت کے لیے منتخب کیا ضروری

کہ اس کو علم قرآن ہی تمام جامعیت کا بیڑہ پر طرح کی فوقیت کے نزدیک مسلم ہو۔ یہاں تو ابوبکرؓ کو سب صحابہ میں سے بڑھ کر قرآن جانتے والا مانا گیا لیکن وہاں اس حدیث میں جہاں چاروں کا ذکر کیا گیا ہے ان کا گرامی اسم نہ بیان کیا۔ اس سے صحت ظاہر ہے کہ اس حدیث میں جن ناموں کا ذکر ہے وہ عصر کے طور پر نہیں بلکہ کسی خصوصیت کی وجہ سے ہے۔ اس میں مشک نہیں۔ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ قرآن شریف کے حافظ بھی تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بھی بنا کر رکھی تھی جس میں وہ ہر روز بلا ناغہ بیٹھ کر قرآن شریف کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ بلا کفار نے ان کو ایک دفعہ اس سے روکا بھی تھا اور یہ کہا تھا کہ اس طرح قرآن شریف کا تم ہماری عورتوں اور بچوں کو مسلمان کر لو گے۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرتؐ سرور کائنات صلیم کے حضور میں ہر وقت کی حاضر باشی کا شرف ان کو سب سے بڑھ کر نصیب ہوا۔ ان امور سے صاف طور پر ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ قرآن شریف کے حافظ بھی تھے۔ انھوں نے قرآن میں تمام صحابہ سے بڑھے ہوئے تھے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو منصب امامت اور جادہ خلافت پر ممتاز نہ فرماتے۔

اسی طرح عبداللہ بن عمروؓ نے ایک حدیث بیان کی ہے جو نسائی میں موجود ہے اور جس کے راوی متبرک تسلیم کیے گئے ہیں اور وہ یہ ہے عن عبد اللہ بن عمرو قال جمعت القرآن فقراءت فی کل لیلۃ فبلغنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قلنا فی شغل یعنی عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ میں نے سارا قرآن اپنے حافظ میں جمع کر لیا یعنی ازبر کر لیا اور یہی عادت تھی کہ ہر رات ایک ختم قرآن کریم پڑھتا تھا۔ اس امر کی اطلاع حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو گئی تو آپؐ نے مجھے ہدایت فرمائی کہ ایسا مت کیا کر دے بلکہ قرآن شریف کو ایک مہینے میں ختم کیا کر دو بخیر اسی طرح صحابہ کبار کی جماعت میں بہت صحابی ایسے ثابت ہوئے ہیں جن کو قرآن شریف ازبر تھا۔ اور چاروں ظیفے یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ اور طلحہؓ سعدؓ ابن مسعودؓ سلمؓ رضی اللہ عنہم کے نام حافظان قرآن میں صحیح روایات میں موجود ہیں۔ ہر دو ختم قرآن شریف کے حافظ اور عالم تھے ہی صحابہ میں عورتیں بھی اس کے حفظ کرنے کی عزت کا محروم نہ رہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ حضرت حفصہؓ اور حضرت ام سلمہؓ وغیرہ کے گرامی اسماء تاریخ صحیحہ کی اس فہرست کو زینت دے رہے ہیں۔ مہاجرین کے علاوہ انصار میں بھی قرآن شریف کے لئے ایسی ہی محبت اور شوق تھا لیکن اس جگہ فہرست دینے سے طول ہو جائے۔ یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ میں نے صحیح سے کام لینے والے متعصب لوگ یہی نہ سمجھیں کہ قرآن کریم کے حافظ صرف اتنے لوگ ہی تھے جن کے نام مجھے تھے۔ میں ایسا گمان اٹھتا ہے بہت بعید ہو گا۔ کیونکہ ابھی ہم دکھلا آئے ہیں کہ صرف ایک ہی کو تو پھر کفار نے شتر کو قتل کر دیا تھا جس سے کثرت و کثرت کا فی طور پڑتا ہے۔ ان کے علاوہ غزوہ یمامہ میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضورؐ کے دن بعد واقعہ ہوا اور یہاں اسی قدر واقعہ ہوا ہے جن میں مدعوین کے زمرہ سے حضرت سالمؓ تھے جب جنگ یمامہ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکرؓ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ جنگ یمامہ میں ہمارے اکثر قہاکام آگئے۔ اس لیے اب ضروری ہے کہ قرآن شریف ایک ہی جگہ میں جمع کر دیا جائے تو اس کو تو پھر انہوں نے صرف سلام کا نام نہ لیا تھا بلکہ کہا تھا کہ قال ابوبکر ان عہدا تانی فقال ان القتل قد استعبدیم الیامۃ یستعبد الیامۃ یعنی حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔ کہ حضرت عمرؓ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ غزوہ یمامہ میں قرآن شریف کے قراء

حافظان
قرآن کے نام

بسے قتل ہو گئے ہیں۔ اگر صرف ہی لوگ حافظ اور قراء قرآن ہوتے ہیں کے نام لکھے گئے ہیں تو حضرت عمرؓ کو چاہیے تھا کہ صوفی سلمیٰ کا نام لیتے کیونکہ نامزدہ لوگوں سے قیامت ایک سالہ بھی وہیں کلام آئے تھے۔ مگر حضرت عمرؓ کے الفاظ سے یہ بات باقی جاتی ہے کہ وہ ان کثرت حفظ خمد ہو گئے ہیں جس سے یہ بات میں ظہور ثابت ہوتی ہے کہ قراء و حفاظ قرآن بکثرت تھے +

قوم خزرج کے
چار یا پانچ
قرآن

بخاری میں ایک یہ حدیث منقول ہے۔ عن انس قال حدثنا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولہ جمع القرآن غیر اربعۃ البدر بناء ومعاذ بن جبل وزید بن ثابت واویہ بن لیث انس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پانچے اور سولے چار اشخاص پر دروداء و معاذ بن جبل وزید بن ثابت البدر بناء کے کسی نے قرآن جمع نہ کیا۔ اور ایک روایت میں جو بخاری ہی میں ہے بجائے البدر بناء کے ابی بن کعب کا نام ہے جمع کے عالم میں تھے تو اعلیٰ میں سے کتب کی صورت میں جمع کر چکے ہی آئے ہیں۔ پس اگر یہی معنی اس حدیث میں مراد یعنی حائیں تو اس سے قرآن شریف کے حافظوں کی تعداد کا حصہ نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی تعارض ان احادیث صحیحہ سے واقع ہوتا ہے جو در نقل کی گئی ہیں۔ البتہ کیا جاسکتا ہے کہ اگرچہ آدمی قرآن شریف کو ایک جامع کر چکے تھے اور کتاب کی صورت میں کلام ان کے پاس موجود تھا تو حضرت عمرؓ نے اس خوف سے اس ظاہر کیا اور حضرت عثمانؓ نے اس کلام کو اتنا مشکل کیوں سمجھا کہ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ یا حضرت ابو بکرؓ اور زید کا غشاء ان اصل مسودات کو جمع کرنا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق آگے کا جنوں نے لکھے تھے۔ اس لیے ان کا مطلب اس سے حل نہ ہوتا تھا کہ کسی کا اپنے طور پر جمع کیا ہوا قرآن شریف ان کو لمبا ہے۔ اور یہی معنی اس حدیث کے کرنے پر بیٹے جن میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پانچے اور قرآن کسی چیز میں جمع نہ تھا یعنی مطلب اس کا یہ ہوگا کہ وہ مسودات جو آنحضرت کی ہدایت کے مطابق لکھے گئے تھے وہ ایک جگہ جمع نہ کیے گئے تھے بلکہ یہ بالکل صحیح ہے۔ اس سے صحیح اور معتبر احادیث میں کسی قسم کا تعارض باقی نہیں رہتا۔ اور اگر لفظ جمع کے دوسرے معنی مراد لئے جائیں یعنی کل قرآن شریف کا حفظ کرنا تو اس صورت میں حدیث کے معنی سمجھنے کیلئے پہلے واقعات کو دیکھنا چاہیے۔ اور یہ معلوم کرنا چاہیے کہ حضرت انسؓ نے اس روایت کو کس حال اور کس موقع اور کس غرض سے بیان کیا تھا۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ خزرج میں درج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے مدینہ منورہ ہو گیا۔ جو قویں خزیج اور اوس رہتی تھیں۔ ان دونوں میں عرب جاہلیت کے زمانہ کی طرح باہمی نفرت عداوت اور بغض تھا۔ پھر یہ یہ دونوں قویں مسلمان ہو گئیں تو ان میں سے دشمنی دور ہو گئی اور ہر ایک دوسرے کے بھائی ہو گئے۔ لیکن ترقیات بنی میں رشک ضرور رہا۔ حضرت انسؓ قوم خزرج میں سے تھے۔ ایک موقع پر قوم اوس کے بعض افراد نے اپنے چار آدمیوں کی نسبت بڑے فخر سے ذکر کیا۔ اور ان کی شہرت اور عظمت پر بڑا ناز ظاہر کیا۔ اس فخر و بیات کا جواب دوسری ترقیب قوم کی طرف سے بھی ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ حضرت انسؓ نے اپنی قوم کے چار آدمیوں کے نام لکھ کر ان کی ایک بہت بڑی صفحت اسلام اور بڑا نمایاں کلام بیان کیا یعنی قوم خزرج میں سے یہ چار ایسے بزرگ ہوئے ہیں کہ جنہوں نے قرآن شریف کو جمع کیا۔ جس کا مطلب یہ تو یہ ہے کہ ان کو قرآن شریف ازبختا اور یہیہ کہ انہوں نے

متفرق مسودوں سے خود قرآن شریف کو نقل کر لیا ہوا تھا غرض بہر حال حضرت انسؓ کا یہ بیان تو صرف ایک قریب قوم کے مقابل میں بطور جواب تھا جب اس بات پر غور کی جاتی ہے کہ یہ چاروں بزرگ جن کا نام حضرت انسؓ نے اپنی روایت میں لیا ہے ان کی ہی قوم میں سے تھے تو اس بات کے ثبوت پر زیادہ وضاحت ہو جاتی ہے ورنہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو عبداللہ بن مسعودؓ اور سالمؓ اور کئی دوسرے مشہور انصار و مہاجرین کے ناموں کو چھوڑ کر انہی چاروں پر چکر لینا کہاں درست ہو سکتا تھا۔ وہ تو ایسے بزرگ تھے کہ جن کی قرآن دانی آفتاب المصاب کی طرح مسلم اور روشن ہے اور حضرت انسؓ ایسے ناواقف نہ تھے کہ اگر کھلیہ طور پر روایت کرتے تو مشاہیر قرآن دانوں اور جامعان قرآن کے اسماء کو ناواقفیت کی وجہ سے چھوڑ دیتے پس ظاہر ہے کہ یہ کلمات ان کے اپنی قوم کی عظمت قوم آدمس کے مقابلہ پر ظاہر کرنے کیلئے تھے +

اس جامعے کے علاوہ بھی عام صحابہ کو قرآن شریف یاد تھا کیونکہ ان لوگوں کے سوا جن کو سارا قرآن یاد تھا باقی تمام صحابہؓ کو اکثر حصص قرآن شریف یاد تھے کسی کو کوئی حصہ اس طرح بھی قرآن شریف تمام صحابہ میں محفوظ تھا۔ تمام صحابہؓ علی قدر استطاعت قرآن شریف کو کھلایا جزئ یا ذکر کرتے رہتے تھے اور قدری طور پر اس کے یاد کرنے میں قرآن شریف کے تدریجی نزول نے ان کے لیے بہت آسانی کر دی تھی۔ ایک آیت یا سورہ کے نزول کے بعد دوسری آیت یا سورہ کے نزول تک اتنا وقف ان کو ملتا تھا کہ آسانی رہ پہلی آیت یا سورہ کو یاد کر لیں۔ یہ ظاہر بات ہے کہ سارا قرآن شریف تیس سال کے عرصہ میں آہستہ آہستہ نازل ہوا تھا۔ اور اگر آج کل کے زمانہ میں مسلمانوں کے کم سن بچے ایک یا دو سال میں قرآن شریف کی آسانی حفظ کر سکتے ہیں تو وہ عرب (صحابہؓ) جن کی عجمی غریب قوت حافظہ تمام دنیا میں مسلم ہے اور جو قرآن شریف کو یاد کرنا بڑا ضروری اور اہم فرض سمجھتے تھے انہیں اپنی بڑھی ہوئی عمروں میں بہت تھوڑے عرصہ میں قرآن یاد کر لینا کچھ مشکل نہ تھا اور پھر جبکہ ان کو تیس سال کی مملکت اس کے یاد کرنے کے لیے دی گئی تو اس بات سے سمجھنے میں کچھ بھی مشکل نہیں رہتی کہ قرآن شریف کا یاد کر لینا ان لوگوں کے لیے نہایت آسان تھا اور اسی لیے اس کثرت سے حافظان کے اندر موجود تھے +

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ قرآن شریف کا یاد کرنا بعض اغراض کے لیے ہر مسلمان کے لیے لازمی تھا خواہ اس کا تصور احصاء یاد کرے یا نہ کرے کیونکہ ہر مسلمان پر نماز ایک ضروری فرض ہے اور نماز میں قرآن شریف ضروری طور پر پڑھا جاتا تھا۔ نیز قرآن شریف کے بعض حصص پڑھنے کے نماز ہوتی ہی نہیں۔ گویا نماز پڑھنے کا حکم میں قرآن کے کل یا مجزوء کے حفظ کرنے کا حکم ہے۔ جو ہر مسلمان پر مسلمان رہنے کے لیے فرض ہے۔ اور نماز ضرور ایک دفعہ ہی نہیں بلکہ دن میں کم از کم پانچ دفعہ پڑھی جاتی ہے۔ اور ہر دو رکعت نماز میں کئی رکعتیں ہوتی ہیں۔ اور عموماً ہر رکعت میں علاوہ عقبہ سورہ قرآن یعنی فاتحہ کے کوئی نہ کوئی حصہ قرآن شریف کا ضرور پڑھنا پڑتا ہے صحابہؓ کی نسبت ثابت ہے کہ وہ عموماً نمازیں پل کے سچے گھاؤ سے پڑھا کرتے تھے۔ اور خشر خضر سے اپنے اس فرض کو یاد کیا کرتے تھے اور نماز کو اپنا ہتھیارا اور خدائے قرب کا وسیلہ سمجھتے تھے۔ ان کی نسبت یہ ثابت ہے کہ وہ نمازوں میں

حفظ قرآن میں
صحابہ کی سہولت

نماز سے حفظ
قرآن میں

دیہت قیام کیا کرتے اور زیادہ لمبے عرصہ تک قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔ ان پانچوں نمازوں کے علاوہ ایک اور نماز ہے جو رات کے آخری حصہ میں پڑھی جاتی ہے اور جس کو نماز تہجد کہتے ہیں۔ اس نماز تہجد میں خصوصیت کے ساتھ وہ لوگ بڑے بڑے حصہ قرآن شریف کے پڑھا کرتے تھے۔ بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی نماز تہجد میں بہت قرآن شریف پڑھا کرتے یہاں تک کہ آپ کی نسبت بعض احادیث میں آیا ہے کہ بعض دفعہ ایک ہی رکعت میں قرآن شریف کے آٹھ نوپائے یعنی پچھتر حصہ قرآن شریف کے قریب آپ نے پڑھا تھا۔ اور صحابہ کی طرز زندگی یہی تھی کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل و فعل کو اپنے مسلک کے لیے نمونہ سمجھتے تھے۔ اور آپ ہی کے نمونہ پر چلتے تھے۔ اور اسلئے وہ بھی تہجد میں قرآن شریف زیادہ زیادہ پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ بعض صحابہؓ کے تہجد میں قرآن شریف پڑھنے کا جو ذکر آگیا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ ایک صحابی کی نسبت لکھا ہے کہ انہوں نے ایک رکعت میں سورۃ البقرہ کو پڑھا اور سورۃ قرآن شریف کا بارصواں حصہ یعنی اڑھائی پارے ہیں تہجد کی نماز کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو یکم تھا ہی کہ قدر اللیل الاصلہ یعنی نصف رات یا اس کے قریب قیام کیا کرو۔ اور اسی حکم الہی کی تعمیل میں آپ اس قدر کھڑے ہو کر کہتے تھے کہ صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی پاؤں بھی صبح جاتے تھے۔ پھر صحابہؓ کو بھی یہ حکم تھا کہ فارقہ اما تیسر منہ اور سارے معزورین کے اسباب تک کر کھڑا بھی جاتا ہے کہ بعض تم میں سے بیمار ہونگے اور بعض سفر میں ہونگے پھر بھی حکم دیا کہ قرآن شریف تہجد میں پڑھا ضرور کرو۔ ہاں بیمار مسافر مجاہد کے لئے اجازت ہے کہ بہت نہیں تو تھوڑا ہی پڑھ لے۔ قرآن شریف میں اس ناکید پکڑ کا صحابہؓ کہاں متاثر رہ سکتے تھے۔ کثرت روایات میں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑا بڑا حصہ قرآن شریف کا رات کو تہجد میں پڑھا کرتے تھے بلکہ بعض تو اس قدر مانوس اس کرتے تھے کہ آنحضرتؐ کو یہ براہ راست بتی ٹپری کر اتنے وقت میں کم سے قرآن شریف ختم نہ کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عہد صحت تہجد ہی کی نمازوں تک محدود نہ تھا۔ بلکہ جامعہ کی نمازوں میں بھی بہت قرآن کریم پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جامعہ کرتے وقت پہلے سورۃ النساء پڑھی اور پھر اس کے بعد سورۃ آل عمران پڑھی یہ دونوں سورتیں قرآن شریف کا اٹھواں حصہ ہوتی ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ جبکہ صرف ایک ہی نماز میں قرآن شریف کا اتنا بڑا حصہ پڑھا گیا تو کس قدر تکرار کا قرآن شریف کے پڑھے جانے میں شوق ملتا ہے۔ بہت ساری حدیثیں اس بات کی گواہ ہیں کہ صبح کی نماز کی ایک رکعت میں سورۃ البقرہ جیسی لمبی سورتیں پڑھی جاتی تھیں۔ شام کی نمازوں کے لیے اتنا وقت نہیں مل سکتا کہ لمبی سورتیں ان میں پڑھی جا سکیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ الطہ جیسی محتریں ان میں بھی پڑھا کرتے تھے اور یہ بھی سورۃ ہے جن میں پچاس کے قریب آیات ہیں۔ اسی طرح جب کبھی صحابہؓ رضی اللہ عنہم کو بھی کمین نماز میں امامت کا موقع ملتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ پر وہ بھی عمل کرتے اور ان کی طرح نمازوں میں لمبی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ کئی دھوان کی لمبی سورتیں پڑھنے کی شکایتیں بھی ہوا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ ایک صحابی نے عشاء کی نماز میں سورۃ البقرہ تمام کی مقتدیوں میں ایک شخص تھے جو دن کی

محنت سے تھکے ماندے تھے اور وہ جلد آرام کرنے کے واسطے چاہنا چاہتے تھے ان کو اس لمبی قرات کی تکلیف تھی اور اس پر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کی ایسا ہی بھی ثابت کردہ لوگ اپنی تنہائی کی نمازوں میں بھی لمبی صورتیں پڑھا کرتے تھے بلکہ ان نمازوں میں توجہ کھول کھول کر وہ لوگ قرات لمبی پڑھتے تھے۔ اب اس سے یہ ثابت پائیتہرت کو یہ بھی ہے کہ وہ لوگ صرف قرآن شریف کو ایک دفعہ یا دو ہی نہ کر لیا کرتے تھے بلکہ جتنا قرآن ان کو یاد ہوتا تھا اس پر نمازوں میں اور نمازوں سے باہر اس کثرت سے تکرار کی موافقت اور مداومت کرتے رہتے تھے کہ وہ ہمیشہ حافظہ میں تازہ رہنا تھا۔ اگر قرآن شریف کی ایک آیت بھی لکھی نہ جاتی تو حافظوں کے الواح قدیس اس کے نقش کنندہ تھے کہ ایک لفظ بھی اس کا ضائع نہ ہوئے پاتا۔ قرآن شریف نمازوں میں اور نمازوں سے باہر پڑھنے کی اس قدر کثرت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی عادت تھی کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ بعض سورتیں بعض صحابہ نے نمازوں میں بار بار پڑھی جاتی سن کر یہ یاد کر لی تھیں۔ اور حق تو یہ ہے کہ اگر تمام دوسرے ذرائع حفاظت قرآن شریف کے معدوم بھی کر دیئے جاتے تو صرف نمازوں ہی میں اس کے پڑھے جانے کا رواج اس بات کے لئے کافی تھا کہ اس میں کسی طرح کا تصرف نہ ہونے پائے اور یہ پورے طور پر شہم کی آلائش اور حملہ سے محفوظ رہے پس یہ تمام احتیاجات جب ہم متحقق ہوتے ہیں تو قرآن شریف کے تغیر و تحریف سے محفوظ رہنے پر ایسے برجستہ دلائل پیدا ہوتے ہیں کہ جن کی مثال دنیا میں کہیں باقی نہیں جاتی کوئی ایسی امامی کتاب دنیا میں ایسی ہے جس کی حفاظت کے لئے ایسے اسباب تو پیدا ہوتے ہوں تمام دنیا کی امامی کتابوں میں نہ کسی کا ایسا دعوئے ہے اور نہ ہی کسی کے پاس حفاظت کے ایسے ثبوت ہیں۔

۴۔ آیتوں اور سورتوں کی ترتیب

ہم نے پہلے دلائل تو یہ سے یہ بات ثابت کر دکھائی ہے کہ قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب میں لکھا گیا اور آپ کی زندگی میں ہی قراء اور حفاظ نے تمام و کمال حفظ کر لیا تھا لیکن یہ مسلم بات ہے کہ اس مقدس اور ہمین کتاب الہی کا نزول تدریج کے ساتھ ہوا تاہم اوّلین سال کے عرصہ میں پورا اسٹرا۔ چنانچہ بعض سورتیں تو ایسی ہیں جو ایک ہی دفعہ اکٹھی نازل ہوئیں اور بہت سی اس قسم کی ہیں کہ جن کا نزول تدریجی ہوا۔ اور بہت لمبے عرصہ میں پوری ہوئیں ایسا بھی ہوتا رہا کہ ابھی ایک سورۃ مکمل نہ ہونے پائی تھی کہ دوسری سورۃ نازل ہوتی شروع ہو جاتی لیکن قاف ایسا بھی ہوتا کہ دو مختلف سورتوں کی آیات ایک ہی وقت میں نازل ہو جاتیں۔ غرض قرآن شریف ایک جلد اور ایک وقت میں اکٹھا نازل نہیں ہوا بلکہ آیات اور سورتیں تین سال کے عرصہ میں تدریج کے ساتھ نازل ہوئیں۔ اور ترتیب نزولی ایسی نہ تھی کہ جس سے ہر ایک سورۃ کی آیات علی التواتر نازل ہو کر اسکو پورا کر کے بعد دوسری سورۃ شروع ہوتی جسب اقتضائے منشاء اسی مختلف سورتوں کی آیات مختلف اوقات میں نازل ہوئیں۔ اور اس وقت جو قرآن شریف مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اس میں ترتیب آیات ترتیب نزولی کے موافق نہیں بلکہ وہ ترتیب ہے جو آنحضرت صلی اللہ

ترتیب نزول
اور ترتیب جمع

علیہ وسلم نے اپنی حیات بلکہ عین نزول آیا تکے موقع پر اشارہ وحی الہی سے کی تھی۔ اس موقع پر ایک معترض یا ایک منکر یہ سوال کرے گا کہ آیا ترتیب قرآنی جزوی ترتیب کے مطابق نہیں ہے کس نے کی تھی؟ کیا خود آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی قرآن شریف کو اس طرح ترتیب یا تھکا یا کسی اور نے ترتیب دی تھی؟ پھر اگر قرآن شریف کی کوئی ترتیب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی تھی تو کیا موجودہ ترتیب قرآنی ہی ترتیب کے یا اُس سے مختلف؟ یعنی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا موجودہ قرآن شریف بھی اظ ترتیب مسطور آیات وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے چھوڑا تھا یا یہ قرآن اُس مکان سے مختلف ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب دیا تھا؟ ہر قسم کی اندرونی اور بیرونی شہادتیں اس بات کو قطعی طور پر ثابت کرتی ہیں کہ قرآن شریف کی سورتوں اور آیات کی موجودہ ترتیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ترتیب دی تھی۔ بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے خیال کو اس میں کوئی دخل نہ تھا بلکہ آپ نے یہ ترتیب ہی وحی الہی کی ہر ایک طرفی وحی تھی۔ اور موجودہ قرآن شریف کو یہی ہے جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب دیا تھا۔ اُس سے ایک مرتبہ کا بھی فرق نہیں۔ اگرچہ اس امر پر اندرونی شہادت موجود ہے۔ مگر اس مضمون میں اس شہادت کے لئے گنجائش نہیں۔ اس لئے ہم صرف خارجی شہادت کو یہاں پیش کریں گے۔ مگر اتنی بات ہم ضرور کہیں گے کہ رئیس ایک جھوٹا خیال ہے کہ قرآن شریف کی موجودہ ترتیب ٹھیک نہیں۔ اور اس سے بہتر ترتیب بھی ہو سکتی ہے۔ اس خیال کا ذرہ بھر بھی ثبوت کسی معترض کے ہاتھ میں نہیں۔ اور حق بات یہ ہے کہ اس ترتیب بہتر ترتیب قطعاً ناممکن ہے یعنی ہر ایک سورۃ قرآنی اور اس کی ہر ایک آیت الہی منظم۔ اور موزون طور سے ترتیب اور محل رکھی ہوئی ہے کہ یہ ہر سیکنا ہی نہیں کہ اس سے بہتر کوئی ترتیب ہو سکے۔ ایک ایک طرف اور ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملہ ربط و ضبط کلام کے لحاظ سے ایسے عجیبی نظام سے رکھا ہوا ہے کہ ایک لفظ کا تغیر و تبدل بھی ممکن نہیں وہ نقص جو اس نظام قرآنی پر کسی قسم کا حرف کھتا ہے اور کہتا ہے کہ بعض آیات اقبل وابعث میں مضمون کا ربط نہیں یا کوئی مضمون چھوڑا ہوا ہے وہ صرف اپنی جہالت اور حماقت سے ایسی بات منہ سے نکالنے کی جرأت کرتا ہے۔ ایسے لوگ نہ تو عربی زبان کے محاورات سے ماہر۔ نہ ربط کلام کے فن کے واقف ہوتے ہیں۔ اور نہ قرآنی شریف کو ہی غور اور تدبر سے پڑھنے کا ملکہ رکھتے ہیں۔ ورنہ یہ تعجیل کا معترض اگر قرآن شریف ہی پر غور و فوض اور تدبر کریں تو ان پر یہ بات منکشف ہو جائے کہ ان کے اعتراض سب غلط اور سچی ہیں۔ اور قرآن شریف کی ہر ایک آیت اور شعورہ بلکہ اس کا ہر ایک لفظ صحیح موقوف اور محل پر منتظم ہے اور کوئی مضمون غیر منسلک اور غیر منقطع نہیں۔ مگر اس موقع پر اندرونی شہادت کو پیش کرنے کی نہ گنجائش ہے اور نہ ہم اسے اس جگہ پیش ہی کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے صرف ایک حصہ ثبوت یعنی خارجی شہادت کو ہی پیش کیا جائیگا۔

یہ شہادت اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ قرآنی آیتوں اور سورتوں کی موجودہ ترتیب نہ تو حضرت ابو بکر صدیقؓ اور نہ زیدؓ نے کی تھی۔ بلکہ یہ وہی ترتیب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الہی کی ہر ایک آیت کی تھی۔ اس زبردست گواہی سے نہ صرف عینیں ہی بھری پڑی ہیں بلکہ خود قرآن شریف بھی اس پر شاہد ہے۔

چنانچہ دیکھو مشورۃ القیام آیت ۱۶۔ ان علینا جمعه وقرآنہ فاذا قرأناہ تابع قلبنا ۱۷۔ یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن کا جمع کرنا اور اس کا تمہ کو (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو) پڑھا دینا ہمارا کام ہے۔ پس جب ہم اسے پڑھ چکیں تو تم اسی کے پڑھنے کی پیروی کیا کرو۔ اس آیت کریمہ سے یہ بات چلے طور سے پائیثبت ہو سکتی ہے کہ جمع قرآن شریف مع ترتیب آیات و سور صرف اللہ تعالیٰ کی وحی سے عمل میں آئی۔ یہ آیت شریفہ صاف بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جس طرح قرآنی آیات وحی کے ذریعہ سے نازل ہوئیں اسی طرح ان کی ترتیب اور جمع بھی اللہ تعالیٰ نے برادری وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھا دی۔ یہی دیکھتے ہیں کہ خود قرآن شریف صرف اسی بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ یہ کلام الہی ہے بلکہ دیکھتے بھی کرتے ہیں کہ اس کا جمع کرنا اور اس کی ترتیب دینا سب امر الہی سے بخلاف۔ گویا یہ قرآن شریف جیسا کہ خدا کا کلام ہے۔ اسی طرح خدا ہی نے اس کو مرتب اور جمع کیا۔ واضح ہے کہ اس آیت میں لفظ جمع جو اردو ہے اس سے مراد ترتیب اور جمع دونوں میں۔ کیونکہ بغیر کسی خاص ترتیب کے جمع ممکن نہیں۔ جمع سے مراد یہی ہے کہ ترتیب کے بغیر جمع کیا گیا اور اس لفظ کے اس عکس واقع ہونے سے یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ قرآن شریف اس ترتیب نازل نہیں ہوا تھا جس ترتیب سے وہ جمع کیا گیا یعنی اصل ترتیب قرآنی ترتیب نزولی سے مختلف ہے۔ کیونکہ اس آیت میں جمع اور نزول کو دو الگ الگ امر بتایا گیا ہے۔ اگر ترتیب نزولی ہی وحی الہی کا منشاء ہوتا تو جمع اور نزول کو الگ الگ بیان نہ کیا جاتا۔ کیونکہ پھر نزول کے ساتھ ساتھ ہی جمع کا کام بھی ہوتا جاتا اور جمع کی کوئی الگ ضرورت نہ رہتی۔ مگر آیت وہ صوفیس اللہ تعالیٰ نے جمع کو ایک الگ فعل بیان فرمایا ہے۔ اور پڑھتے ہیں نزول کو الگ۔ پس اس آیت صاف معلوم ہوتا ہے کہ وحی الہی نے ترتیب جمع اور ترتیب نزول کو الگ الگ رکھا اور نزول اور جمع دونوں کو اپنے ذمہ لیا پس جس طرح وحی الہی کا نزول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہوا اسی طرح اس کی جمع اور ترتیب کا کام بھی ضروری تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی تکمیل کو پہنچ جاتا اور ایسا ہی ہوا۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات قرآن شریف کی صاف صاف اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ترتیب قرآنی وحی الہی سے ہوئی جیسا کہ اس کے ظاہر ہے۔ وقال الذین کفرھم المولیٰ نزل علیہ القرآن جملہ واضح کذا لک لتثبت یہ نوادک ورنہ لک ترتیلا (الفقان آیت ۳۲) یعنی کافر تھے جس کا سارا قرآن مکمل اور مرتب لیکھ کر کوئی نازل نہ کر دیا گیا بلکہ وہ مکمل صحیح الہی ہی ہے تاکہ کلام الہی کو بغیر جوئے فاضل کرنے سے ہم تمہارے دل کو تسکین دیتے ہیں۔ اور ہم نے اس کو طہیر بھی کر آتا اور اس کی تالیف بھی نہایت عمدہ کی ترتیل کے معنی میں تالیف بھی قابل ہے لسان العرب میں ہے منزل القرآن احسن تالیفہ وایمانہ وفضلہ فیہ یعنی ترتیب کو نہایت عمدہ کیا اور اسے حصول کھوکھا اور طہیر کر بیان کیا۔ بلا سابق و سابق عبارت خود بتا رہا ہے کہ یہاں ترتیب کو بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تمہارا حضور نازل کرنے میں بہت سے مصالح الہی ہیں اور بھی کلام الہی کے نزول سے ہی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو تسکین ہوتی ہے۔ اور یہ جو تم کہتے ہو کہ ترتیب کیوں نہیں دے ترتیب تالیف بھی ہم ہی کر رہے ہیں اور کہہ دیجئے۔ اور اسیر چہرا اسی کو

مکمل اور مرتب بنا دینگے ایسا ہی آیت وصلنا لھم القول سے بھی یہ پایا جاتا ہے کہ اجزائے قرآن کی ترتیب کا کام مجموعی قرآن کریم وحی الہی سے ہی ہوا۔

سہولیات
علیٰ علیہ

اب ہم حدیث صحیح کی طرف رجوع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آیا تاریخ یا حدیث صحیح سے یہ بات سمجھتی ہے یا نہیں کہ موجودہ قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی ترتیب الہی کے ساتھ جس کا ذکر آیات مذکورہ بالا میں ہے، یا انھوں تک نہایت ماننا اور دینا کے طریق سے محفوظ رہتا ہے اس امر کے لئے سب سے پہلے یہ بات سمجھنی ضروری ہے کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قرآن شریف اسی طرح جمع فرمایا اور منظم حصوں میں لکھا گیا یا نہیں اس امر کے ثبوت میں صحیح روایات اور فضیلا حدیث کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ اور ہم پہلے آیتوں کی ترتیب اور پھر سورتوں کی ترتیب پر غور کریں گے اور ہر ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اور ذیل پر بحث کریں گے (۱) کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کبار رضی اللہ عنہم نے قرآن شریف کو کوئی ترتیب ہی ہوئی تھی؟ (۲) کیا قرآن شریف جس نسخے سے نازل ہوا تھا اسی طرح اسکو ترتیب یا لکھا یا ترتیب جمع ترتیب نزولی سے مختلف تھی؟ (۳) کیا موجودہ ترتیب قرآن شریف اس ترتیب مختلف ہے یا وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دی تھی؟

دلیر کا اعتراض
اور اس کا جواب

یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ ہی میں مسلمان لوگ نمازیں پڑھتے تھے اور نمازوں میں بڑا حصہ صرف قرآن شریف ہی کا پڑھا جاتا ہے۔ اور یہی ثابت ہے کہ نمازوں کے علاوہ بھی قرآن شریف کی تلاوت پر ہر امت اس وقت سے ہی مسلمانوں میں شروع ہو چکی ہے۔ پھر جبکہ اتنی بڑی کتاب جس میں اتنے مختلف مضامین ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں حفظ کر لی تھی اور باقاعدہ طور پر نمازوں میں پڑھتے تھے اور آئندہ دوسرے کو پڑھاتے اور سکھاتے تھے تو کس طرح ممکن ہے کہ یہ سارے کام بغیر جمع قرآن کے عمل میں لائے جاسکتے تھے؟ لیکن افسوس عیسائی مفسرین کی کئی کئی سچھی اور ناواقفی پر کہ ان میں جس کو اسلام پر اعتراض کرنے کی سوجھی اس نے اس بات کو بطور اعتراض ضرور پیش کیا ہے۔ ہر اعتراض نے دی دلیل اس اعتراض کی تائید میں دہرائی ہے جو کسی اوّل المعترضین نے پیش کی تھی۔ ان لوگوں نے تاریخ کی قطعی اور ضروری شہادت کو ہمیشہ نظر انداز کر کے اپنے اعتراض کی بنا صرف اسی امر پر رکھی ہوئی ہے کہ ان کے زعم باطل میں قرآن شریف کی سورتوں اور آیتوں میں کوئی ربط و ضبط موجود نہیں۔ ہم ذیل میں سورہا حسب الحرف آف محمد کے دیباچہ سے ایک جملہ نقل کرتے ہیں۔ جس سے ناظرین پر مدد صرف یہ بات ہی عیاں ہو جائیگی کہ عیسائی مفسرین کس کس قسم کے اعتراض پیش کرتے ہیں۔ بلکہ یہ بات بھی ظاہر ہو جائیگی کہ خود سورہا میں جو تاریخی شہادتیں کس طرح اغماض اور اعتراض کیا ہے۔ قرآن کریم کی حفاظت پر بحث کرتے ہوئے دیکھتے ہیں بھر حال ہم یہ بات مان نہیں سکتے کہ اس زمانہ میں کامل قرآن شریف کسی عین ترتیب سے پڑھا جاتا تھا۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ موجودہ قرآن شریف کی نسبت مسلمانوں کا ایمان ہے کہ یہی ترتیب موافق ہے جو آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کی تھی لیکن ہم اس کو تسلیم نہیں کر سکتے

کیونکہ اگر کسی معین ترتیب کا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) خود فیصلہ کر دیتے اور اس پر آپ عمل کرتے تو ضروری تھا کہ وہی ترتیب آئینہ محفوظ رکھی جاتی۔ مگر قرآن شریف ہماری زمانہ تک محفوظ چلا آیا ہے وہ مضامین اور زمانہ کے لحاظ سے اپنے مختلف حصوں میں کسی معقول اور قابل فہم ترتیب کا متبع نہیں۔ اور یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوئی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اس موجودہ ترتیب کے ساتھ اس کے بڑھنے کا حکم کرتے مگر یہ سب باتیں مشتبہ ہے کہ قطعی تعداد قرآنی سورتوں کی اس وقت موجود ہے ان کی یہ تعداد آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود مقرر کی تھی یا نہیں یہ حال اننا تو ضرور ہے کہ اکثر سورتوں کی اندرونی ترتیب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایت سے نہیں۔ سرولیم میونسپل اس مضمون پر کچھ لکھتے ہیں۔ ان حواشی کے بڑھنے سے مصنف کے دل کا وہ اضطراب ظاہر ہو رہا ہے جو مذہبی تعصب اور تاریخ کے صحیح ثبوت کی موجودگی کے جھگڑے سے پیدا ہو رہا ہے کبھی تعصب غالب آجاتا ہے اور دوسرے معترضین کا اتباع کر کے وہ یہ کہہ دیتا ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وقت میں نہ سورتوں کی کوئی ترتیب تھی نہ آیتوں کی۔ نہ سورتیں الگ الگ تھیں نہ ان کی تعداد مقرر تھی نہ ان میں آیاتوں کی تعداد کا تہ تھا مگر پھر جبنا تاریخ یعنی حدیث صحیح کی طرف دیکھتا ہے تو اسے مجبوراً تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ سب کچھ بتنا مثلاً جہاں اس نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات میں قرآن شریف کی معین ترتیب کے موجود ہونے کا انکار کیا ہے ہاں تاہم ہی اس کے میور صاحب کو یہ بات مجبوراً حاشیہ میں تسلیم کرنی پڑی ہے کہ یہ بات لکھی ہوئی موجود ہے کہ بعض صحابہ نے قرآن شریف کی معین وقت میں تلاوت کرتے تھے جس سے یہ بات قرار دی گئی ہے کہ اس میں بعض حصے قرآنی کا باہمی تعلق اور بطور جہاں ایک اور حاشیہ میں اس نے یہ بات مانی ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات میں چار پانچ تو ایسے صحابی موجود تھے جو کامل قرآن شریف کو ہنر سے صحت کے ساتھ زبر رکھتے تھے اور اکثر ایسے موجود تھے جو قرآن سارا قرآن زبر رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں جہاں اس نے سورتوں کی تعداد کا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خود مقرر کرنے سے انکار کیا ہے تو تروید کے خیال سے معاذ اللہ ذیل کا حاشیہ لکھ دیا ہے: لیکن اس بات کو ماننے کے چھ برس کڑی پڑی سورتیں اور ان کی آیات عز و جل پر مستعمل تھیں وہ معین ہو چکی تھیں اور اپنے اپنے ناموں و افعال نشانوں سے معروف اور موسوم تھیں۔ اور صحیح حدیثوں سے (آنحضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خود بعض سورتوں کا موسوم اور معروف کرنا ثابت ہے۔ مثلاً جب غزوہ حنین میں بعض لوگ بھاگے تو اس وقت ان کو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اصحاب بقرہ کے پکارا تھا اور پھر حاشیہ میں ہی لکھتا ہے کہ احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیات میں اکثر صحابیوں نے قرآن شریف کی بعض سورتیں حفظ کر لی ہوئی تھیں جتنا نبی عبداللہ بن مسعود نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین مبارک سے قرآن شریف کی سورتوں میں سیکھی تھیں۔ اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آخری مرض کے ایام میں سورتوں میں تلاوت فرمائی تھیں جن میں سات ہی سورتیں تھیں۔ ان حدیثوں سے کم از کم قرآنی سورتوں میں ایک حد تک معین تقسیم ضرور ثابت ہوتی ہے۔ البتہ سورتوں کی ترتیب کا اس سے یہ نہیں لگ سکتا اور پھر لکھتا ہے کہ جبکہ یہ بات ثابت ہے کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ کے قرآنی کا استعمال کیا کرتے تھے تو اس سے یہ بات صاف طور پر عیاں ہوتی ہے کہ سورتوں کی ترتیب کا کسی حد تک اپنے خرو و فصولہ کر دیا ہوا تھا۔ اسی امر کے متعلق آگے چلکر ایک اور حاشیہ میں لیم پیور صاحب لکھتے ہیں کہ ”تاریخ مذکورہ بالا جن میں سورتوں کی وہ تعداد لکھی ہے جو بعض صحابہؓ کو یاد تھیں۔ اور نیز وہ تعداد جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت میں پڑھی تھیں مذکور ہے اس کا یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورتیں اس وقت مکمل اور مرتب صورت میں موجود تھیں۔“

لیم پیور صاحب کے دیا جانے والے متن اور مذکورہ بالا حاشیہ کو پڑھنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کے دلی مقصد سے جو کچھ ذکر کر کے وہ مسطور لکھوا دیں جن میں متن میں انہوں نے انجا از ترتیب کیا ہے لیکن تاریخ کی سبھی شہادتیں ان حاشیہ کو کسی کے ذیل میں قلمبند کرنے پر اسے مجبور کیا جس سے متن کی تردید ہوتی ہے۔ اگرچہ حاشیہ کے لکھنے میں صریح تصعب کی وجہ سے کمال سے کام لیا ہے لیکن ان کا تضاد ایسا عیاں ہے کہ ہر ایک احتیاط اور غور سے پڑھنے والا اسے آسانی سے دیکھ سکتا ہے اور مصنف کے دل کے اضطراب کی حالت کے باوجود یہ نہیں دیکھتا۔ متن میں تو لکھا ہے کہ قرآن شریف کی آیتوں اور سورتوں میں کوئی معین ترتیب اور ربط موجود نہیں اور حاشیہ میں تاریخی شہادات اس کے موجود ہونے کے ثبوت میں پیش کی گئی ہے۔ متن میں لکھا ہے کہ قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورتوں کے نام ہی پر مقرر کیے اور نہ ہی ان کی تعداد معین فرمائی۔ لیکن حاشیہ میں صاف لکھا ہے کہ اس بات کی تاریخی شہادت موجود ہے کہ سورتوں کی تعیین و تقسیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی تھی اور ان کی صورتوں کو بھی اپنے معین فرمادیا تھا۔ بعض کلمات تصعب کی وجہ سے مضمتے ان کے ساتھ حاشیہ میں پڑھا دیئے ہیں جیسے بعض حصص اور کسی حد تک ”و مجرہ“ وغیرہ کا مقام ہے کہ جبکہ حاشیہ میں صاف طور پر اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ قرآن شریف کی سورتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں مرتب اور منظم موجود تھیں جن میں وہ لکھنے میں کہ سات لمبی سورتیں بھی شامل تھیں تو پھر باقی کی چالیس سورتوں کی نسبت جو نما دوں میں عام طور پر پڑھی جاتی تھیں کیونکہ گمان ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت اس حالت میں موجود نہ تھیں۔ اور لفظ کی بات ہے کہ وہ مصنف نے ان باقی چالیس سورتوں میں ترتیب کے نہ ہونے کے متعلق کوئی شہادہت پیش نہیں کی۔ پس اگر اردو کی شہادت ترتیب و سورت آیات پر نہ بھی ہوتی تو ایک مخالف معترض کے اس بیان سے ہی یہ عقیدہ کرتے کے لیے کافی وجوہات پیدا ہوتے ہیں کہ سورتیں اور آیات منظم صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں موجود تھیں۔ اور پھر اسی نتیجہ کے مؤید اس مخالف مصنف کا اقبال ہے کہ بعض صحابہؓ ایسے بھی موجود تھے جو صرف بعض حصص کو صرف حافظہ سے دہر سکتے تھے بلکہ کل کے کل قرآن شریف کو اسی طرح دہرا سکتے تھے۔ اور اعلیٰ درجہ کی اقبالیات صحت کے ساتھ وہ یہ کہہ سکتے تھے۔

یہ دعویٰ کہ ایک ایک آیت جب نازل ہوتی تھی تو اسے یونہی بلا ترتیب بے ترتیب دیا جاتا تھا اور کوئی نہ جانتا تھا کہ کونسی آیت کس سورتہ کی ہے اور کہاں لکھی جاوے گی یہی طور پر ایک لغو دعویٰ ہے اور کسی تردید کا محتاج نہیں کہ یہ بات

آیات کی ترتیب
کی نقلی شہادت

ثابت ہے کہ قرآن شریف حفظ کیا جاتا تھا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کم و بیش کچھ نہ کچھ حصہ حفظ کرتے جاتے تھے تو آیات کی کسی کوئی ترتیب نہ تھی تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ کوئی معین حصہ کوئی شخص حفظ کر لیتا کیا قیاس میں لے سکتا ہے کہ ہر ایک شخص کے پاس خود ایک ترتیب دیکھ کر قرآن شریف کو حفظ کرنا ہو اور اس طرح جتنے صحابی حفظ کرنے والے ہوں اسی قدر مختلف ترتیبیں آیات کی طرح ہوں؟ پھر یہ بھی ثابت ہے کہ قرآن شریف لکھا بھی جاتا تھا اور بعض مسودوں کے مکمل نسخوں کا عام طور پر استعمال میں آیا بھی تاریخ کتب سے ثابت ہے کہ اس پر بھی جتنے ہی کتبیا ہر ایک نسخہ ایک جدا گانہ ترتیب لکھا جاتا تھا یا یکساں ترتیب رکھتی تھیں وہی ہے کہ ایک ہی ترتیب سب صحابی ملحوظ نہیں رکھتے تھے۔ کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ ہر ایک حفظ کرنے والا ایک الگ ترتیب کا پیرا ہوا اور ہر ایک نسخہ جو لکھا جاتا ہو وہ جدا گانہ ترتیب لکھا جاتا ہو اور قرآنی دو خط حصے والے اور نول دو نسخے ایک ہی سورہ کے باہم کسی ایک ترتیب پر متفق ہوں اور نہ ہی حافظ اور تحریر کا باہم کسی ایک ترتیب پر اتفاق ہو سکا کیا ایک ایک سورہ کی ہزار ہا الگ الگ ترتیبیں موجود تھیں پھر ہم پوچھتے ہیں کہ جب ان میں قرآن شریف پڑھا جاتا تھا تو کیا ہر ایک پڑھنے والا ایک الگ ترتیب کوئی حصہ پڑھ دیا کرتا تھا؟ ایسی صورت میں کوئی مقتدی کیسے کہہ سکتا تھا کہ اس نے کونسا حصہ قرآن شریف کا پڑھا ہے کیا یہ ممکن ہے کہ ایک ایسی ضخیم کتاب جو اس طرح شب و روز عام بے حد میں اور گھر وں کے اندر پڑھی جاتی تھی وہ ایک ایسی بے ترتیب صورت میں تھی کہ کسی لغوی کے متعلق کوئی نہ کہہ سکتا تھا کہ یہ کہاں کا فقرہ ہے۔ اور ہزار ہا آدمی ہر شب و روز اس کی تلاوت کرتے تھے۔ وہ سب ہر طرح کی کسی حاجی یا کوئی فقرہ آگے اور کوئی فقرہ پیچھے پڑھ جیتے تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہر ایک سورہ کی آیات نو مرتبہ تھیں اور اس طرح صحابہ کو یہ علم تو دیا گیا تھا کہ فلاں سورہ میں فلاں آیت ہیں۔ مگر ہر ایک سورہ کی آیات کی جگہ خود کوئی ترتیب نہیں تھی تو یہ عری بھی اصل دلیل سے مردود ثابت ہوتا ہے جس سے وہ پہلا دعویٰ کسارا قرآن شریف آیت ترتیب کی حالت میں پڑھا جاتا تھا غلط ثابت ہوتا ہے۔ ان عادی کی لغویت کو ثابت کرنے کے لیے اگر کوئی دلیل مہیا کرے یا بتائیں بھی کوئی تو صرف یہی ایک دلیل جس کی بنا معتبر سے معتبر آیات پہنچے کافی تھی کہ قرآن شریف حفظ کیا جاتا تھا۔ کیونکہ ہر ایک ترتیب کی ہر پدی کے حفظ کرنا محال تھا۔ مثلاً اسی معنی پر غور کرو کہ ہر ایک سورہ میں آیات تو معین تھیں۔ مگر ان کی ترتیب جیسے نہ تھی۔ اب اس کو آیات کی سب سے سورتیں موجود ہیں۔ پس اگر ان سورتوں میں کوئی ایک ترتیب نہ تھی اور ہر ایک لکھنے والا اور ہر ایک پڑھنے والا ایک الگ ترتیب کی ہر پدی کرتا تھا۔ تو آیات کی جدا گانہ ترتیبیں اس قدر تعداد تک پہنچتی ہیں کہ لاکھ آدمیوں میں سے کوئی دو بھی ایک ترتیب پر متفق نہ ہو سکتے تھے۔ اس صورت میں ہر ایک سورہ کو لاکھوں الگ الگ سورتیں تھیں اور قرآن کریم بھی ایک نہ تھا بلکہ لاکھوں الگ الگ قرآن شریف تھے۔ ایک لکھ کیلیئے بھی اگر ایک شخص قی طبعی اور ضارتری کو دل میں لے کر غور کرے تو وہ آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ بالکل محال تھا کہ بغیر ایک ترتیب کی ہر پدی کے قرآن شریف کی تعلیم اور تعلیم کا سلسلہ جاری رہ سکتا۔ نہ ہی ہزار ہا صحابہ میں سے ایک دوسرے کی نسبت یہ کہہ سکتا تھا کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے کونسا حصہ کونسی سورہ پڑھ رہا ہے۔ اور واقعی صحیح پڑھ رہا ہے یا غلط۔ علاوہ ان میں صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جب ایک شخص کوئی سورہ یا کوئی حصہ کسی سورہ کا پڑھتا اور اس سے کوئی غلطی ہو جاتی

یا کوئی آیت درمیان سے رہ جاتی تو سننے والے معاً اس کی غلطی کو نکال دیتے۔ حالانکہ اگر ترتیب آیات نہ ہوتی تو یہ مجال تھا کہ کسی نہ کسی دوسرے کی نسبت کسی شخص کو کیا علم ہو سکتا تھا کہ وہ کس آیت کو پڑھتا ہے ایسی صورت میں غلطی کا نکالنا قطعاً ممکن نہ تھا۔

ترتیب آیات

ترتیب نزولی

جدا گانہ بھی

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات صاف طور ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف کی آیات میں ضرور کوئی خاص ترتیب ملحوظ رکھی جاتی تھی جس کے موافق لوگ اُسے پڑھتے تھے اور حفظ کرتے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا ترتیب ترتیب نزولی کے موافق تھی یا اس سے الگ کوئی اور ترتیب تھی۔ اس کا جواب مختصر تاریخی شہادتیں ہمیں بھی ملتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ترتیب نزولی سے الگ ایک ترتیب آیات کو دیا کرتے تھے۔ نزول آیات کے لحاظ سے ایسا ہونا کہ بعض وقت ایک سورۃ کے کسی حصہ کے نزول کے بعد دوسری کسی سورۃ کا حصہ نازل ہوتا۔ لیکن ایسی حالت میں نزولی ترتیب ممکن نہ تھی علاوہ ان صحیح روایات سے یہ بات پابین ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ جب کسی کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو فوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہر آیت فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورۃ میں فلاں جگہ رکھا جائے۔ جیسا کہ حضرت عثمان کی اس روایت کے معلوم ہوتا ہے۔ عن عثمان ابن عفان قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مما یاتی علیہ الزمان ینزل علیہ من السور ذوات العدد فکان اذا انزل علیہ النسخۃ یدعو لبعض من یتنب عنہ فبقول صوحا اھذا فی السورۃ البتہ یدکر فیہا کذا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ عینہ کا معمول تھا کہ آپ کئی سورتوں کی آیتیں نازل ہوتیں تو آپ صحیح طور پر اس موقع کی ہر آیت فرمادیا کرتے تھے جہاں کوئی آیت لحاظ ترتیب لکھی جاتی ضروری ہوتی۔ لیکن صحیح ازربین شہادت سے بھی یہ ظاہر ہے کہ آیات کی ترتیب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تھی ایسی شہادت کی کہ جو کسی میں کوئی مجمد آدمی اس نسبت انکار نہیں کر سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ضرور آیات کو ترتیب دیتے تھے اور وہ ترتیب ترتیب نزولی سے جدا گانہ بھی۔

موجودہ ترتیب آیات

ترتیب نزولی ہے

اب دو باتیں حل ہو چکیں یعنی ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیات قرآنی کو ترتیب دیتے تھے اور دوسری یہ کہ وہ ترتیب ترتیب نزولی سے الگ تھی۔ اس لیے اب صرف یہ تیسرا سوال حل کرنے کے قابل باقی ہے کہ کیا وہ ترتیب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اسی کے موافق موجودہ ترتیب آیات قرآنی کی ہے۔ یا یہ موجودہ ترتیب ترتیب نزولی سے الگ ہے۔ ہر امر تو بین ہے کہ موجودہ ترتیب بھی ترتیب نزولی سے الگ ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب نزولی سے الگ ترتیب ہی تھی پس اگر کوئی شہادت اس امر کی نہ پائی جائے کہ قرآن کریم کی تاریخ میں کسی وقت آیات کی ترتیب کو بدلایا گیا تھا تو نتیجہ قطعی اور یقینی ہوگا کہ موجودہ ترتیب بعینہ وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ اس سوال کا جواب دینے کے لیے تاریخ قرآن کو ہم دو زمانوں پر تقسیم کرتے ہیں یعنی اول حضرت عثمان سے پہلے اور دوم حضرت عثمان کے خلاف زمانہ اور آپ کے بعد انیس سے ایک زمانہ کے متعلق یعنی حضرت عثمان کے زمانہ کے بعد زمانہ کے پہلے متعلق اسلام کے کسی نہ کسی سخت دشمن اور منافق سے انہ تھے کہ جنہ میں نے بھی اعتراض نہیں کیا کہ جو ترتیب حضرت عثمان

کے وقت میں اور آپ کے شائع کردہ صحیفوں میں موجود بھی اس میں کچھ تک ایک سرگرم کا فرق بھی آیا ہے پس اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کہ قرآن کریم کی ترتیب آج تک نہیں بدلی۔ اور وہی ترتیب سورتوں اور آیتوں کی اس وقت قرآن کریم میں موجود ہے جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں آپ کی ہدایت کے ماتحت دیکھی تھی یہ بات یہ لکھنا باقی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عثمان کے زمانہ تک کسی متغیر ترتیب کو تبدیل نہیں کیا گیا۔ اور حضرت عثمان کے زمانہ کے صحیفوں میں ہی ترتیب ملحوظ رکھی گئی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھی۔ ایک موٹی سے موٹی سمجھ کا آدمی بھی اتنی بات آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ حضرت عثمان کو ترتیب کے بدلنے کے لیے کوئی چیز محرک نہ تھی۔ یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک خاص ترتیب قرآن شریف کی تلاوت میں ملحوظ رکھتے تھے اور اس ترتیب پر صحابہ نے قرآن شریف کو حفظ کیا ہم اوپر دکھا چکے ہیں اور یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ ترتیب ترتیب نزولی سے الگ تھی۔ اب جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ حضرت عثمان نے کسی اور شخص نے اس ترتیب کو جس پر (صحابہ اور حافظان قرآن کریم قائم ہو چکے تھے) تبدیل کر دیا تھا۔ یہ باریغوت اس پر ہے کہ وہ ایسی تبدیلی کی شہادت پیش کرے۔ اور جب تک کوئی ایسی شہادت نہ ہو اس کا دعویٰ یقینی اور قطعی طور سے باطل ثابت ہو گا۔ مگر جب حدیث صحیحہ کی درجہ گردانی کرتے ہیں تو ایک شہدہ بھر بھی ایسی شہادت ہمیں نہیں ملتی۔ اور نہ ایسا یقین کرنے کے کوئی دوسرا پائے جاتے ہیں حضرت عثمان کے وقت تک کوئی ایسا زمانہ نہیں گذر گیا تھا کہ سارے صحابہ کے بالمقابل ایک آدمی کو یہ جرات ہو سکتی کہ وہ اس ترتیب کو بدل دے جس پر سب قائم تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فوت ہوئے ابھی بارہ سال ہی گذرے تھے اور سارے صحابہ اس وقت زندہ تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے قرآن شریف سنا تھا۔ اگر کوئی تبدیلی ترتیب میں اس وقت وقوع میں آئی تو ایسا واقعہ خاموشی سے نہ گذر سکتا تھا بلکہ ایک ایسا شور مچا ہوتا جس کے بولنے سے تاریخ کے صفحات بھر جاتے۔ اور لاول تو یہی بات سمجھنے کی ہے کہ حضرت عثمان کو غرض کیا تھی کہ وہ ترتیب بدلنے۔ اور کوئی ضرورت پیش آئی تھی کہ ترتیب بدلی جاتی۔ نہ کوئی ضرورت پیش آئی نہ کوئی غرض کسی تھی نہ ہی اس امر کا کہ ترتیب بدلی جاتی تھی کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی ذکر پایا جاتا ہے۔ پس ایسا دعویٰ کہ حضرت عثمان نے ترتیب آیات کو بدل دیا تھا اس امر حافت اور غور سے پر ہے۔ یہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو صحیفہ نفل کر لے وہ سارا ان کا اپنا یا زب کا کام نہ تھا بلکہ دیگر صحابی بھی اس میں شامل تھے۔ اور وہ تمام صحابہ جو حفظ قرآن شریف میں خاص شہرت رکھتے تھے انہی کی زیرنگاہی حضرت عثمان نے یہ کام کر لیا تھا اس کو بھی چھوڑو۔ ہم کہتے ہیں کہ کم از کم کوئی نہیں دکھا دے کہ حضرت عثمان پراس وقت کسی نے یہ الزام دیا تھا کہ آپ نے قرآن شریف کی سورتوں یا آیتوں کی ترتیب بدلی ہے۔ اگر کوئی الزام آپ پر دیا گیا تو وہ یہ تھا کہ آپ نے سورت قرآن کے سوا بعض اور قراتوں کو روکا مگر اسکی اصلیت کیا تھی ہم آگے چلو دکھائیں گے۔ بہر حال آیتوں کی ترتیب بدلی ہے۔

کی ایک ذرہ بھر بھی شہادت موجود نہیں۔ اور ایسی شہادت کی عدم موجودگی میں یہ ماننا پڑے گا کہ قرآن شریف کی ترتیب آیات ہی پر ہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھی +

ایک امر کے قطعی ثبوت کے لیے دو ہی قسم کی شہادت ہو سکتی ہے۔ اول یہ کہ اس کے خلاف کوئی شہادت موجود نہ ہو۔ دوسری یہ کہ اس کی تائید میں زبردست شہادت موجود ہو۔ قسم اول کی شہادت ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور یہ لکھا چکے ہیں کہ قرآن کریم کی تاریخ میں کوئی وقت بھی ایسا نہیں آیا۔ کہ جس میں اس کی آیتوں کے موجودہ انتظام میں کوئی ذرہ بھر بھی تغیر و تبدل واقع ہوا ہو۔ اس قسم کے ثبوت کے علاوہ کثرت کے دلائل بدرجہ یقینہ قسم ثانی کے بھی موجود ہیں۔ جو اور بھی وضاحت سے اس امر کو بیاہ ثبوت پہنچانے میں۔ یہ وہ دلائل ہیں جو احادیث صحیحہ کے مستقیلاً سہنے ہیں۔ جیسے مثلاً حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے باب فضل سورۃ البقرۃ کے ضمن میں ایک حدیث نقل کی ہے۔ عن ابی مسعود رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ ہلالا یتین من آخر سورۃ البقرۃ لیلۃ کتھا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی رات میں سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیتیں پڑھے تو یہ اس کے لیے کافی ہیں۔ یہ حدیث جس کا یہاں ترجمہ کیا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے الفاظ میں منقول ہے۔ اس سے دو باتیں مستنبط ہوتی ہیں۔ اول اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قرآن شریف کی ایک ترتیب کی گنجائش فرماتے تھے۔ اور دہ ترتیب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم پر مشکف فرمائی۔ اور پھر ان سب کا اسی ترتیب پر عمل رہا۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی سورتہ کی آخری دو آیتوں کی طرف اشارہ نہ فرماتے۔ اور نہ ہی صحابہ آپ کے اس اشارہ کو سمجھ سکتے۔ یہ حدیث اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ ہر ایک آیت قرآنی کے لیے ابتدائی سے ایک معین اور معروف مقام قرآن شریف میں ہے۔ اور کسی قاری یا حافظ یا عام پڑھنے والے کو حق نہیں پہنچتا کہ ان کی ترتیب میں ایک بال کے برابر بھی تبدیلی کر سکے۔ ثانیاً اس حدیث شریف سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آج اس زمانہ میں سورۃ البقرہ کا جن آیات پر خاتمہ ہوتا ہے وہی آیات سورۃ البقرہ کے خاتمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رحمت ہمد میں شروع سے لکھی گئی تھیں۔ اور اس سے یہ بات بہت اچھی طرح پائیہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ قرآن شریف کی موجودہ ترتیب ہی ترتیب کے جو شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی۔ اور جو آپ کی نبیات میں عام طور پر استعمال میں آتی تھی اسی کی تائید میں ایک دوسری حدیث میں فرمایا۔ ہے کہ سورۃ البقرہ کی آیت امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ سے شروع ہو کر آخر سورۃ یعنی والنضرا علی القوم الکافرین تک پڑھے جس سے اس بات کی اور بھی واضح طریق سے تعیین ہوتی ہے کہ یہی دو آیتیں جو اب سورۃ البقرہ کے اخیر میں ہیں یہی دو سورتہ اسلام اور مشہور طور پر آنحضرت کے وقت میں بھی اس سورۃ کی آخری آیتیں تھیں +

ایسا ہی ایک اور حدیث صحیحہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ خروج و جال میں سورۃ الکہف کی پہلی

سورہ البقرہ کی
آخری دو آیتوں کے
ذکر سے ترتیب کا ثبوت

سورہ کہف کی
پہلی دس آیات کے
ذکرے ترتیب
کا ثبوت

دس آیتیں پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اب اس جگہ غور کا مقام ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں قرآن شریف کی کوئی ترتیب موجود نہ ہوتی یا اصل ترتیب میں کوئی فرق اور تبدل واقع ہو جاتا تو فرج و جلال کے متعلق جو کسی آئندہ زمانہ میں ہو مولا تھا اس وقت کے مسلمانوں کے لیے سورۃ الکہف کی پہلی دس آیتوں کا نشان دینا ایک معنی بات ہوتی۔ اور ان آیتوں کا تپہ ہی نہلتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء اصلیت میں تھی۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں وارد ہے جس کا جی چاہے دیکھ لے عمن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حفظ عشر آیات من اول الکہف عصم من الدجال۔ اس حدیث سے یہ بات مضبوط طور پر ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن شریف کی ایک ترتیب موجود تھی اور وہ ترتیب ہی آج تک غیر متبدل طور پر چلی آتی ہے۔ ان کے ماسواء اور بھی بہت سی حدیثیں اس مضمون پر موجود ہیں لیکن ہمارے نزدیک اس بات کا قطعی فیصلہ کرنے کے لیے اسی قدر کافی ہیں۔ تمام اسلامی لٹریچر میں ایک حدیث بھی ایسی نہ ملے گی کہ جس میں موجودہ ترتیب آیات قرآنی کے خلاف کسی اور ترتیب کا ذکر نوکیلا اشارہ نمکبھی موجود ہو۔ عرض مرقم کی سالہ مشتبہ و داخلی و خارجی گامبہوں سے یہ بات بلا گنجائش و ہم استغناء ثابت اور مرہن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کو خود جمع و مرتب فرمایا تھا اور وہی ترتیب بغیر کسی قسم کے تغیر و تبدل کے ہمیشہ مسلمانوں میں تمل اور مرتج رہی اور آج تک موجود ہے۔ اور زمانہ موجودہ میں نسخجات قرآنی اسی ترتیب کے مطابق نہایت احتیاط کے ساتھ لکھے چھاپے اور شائع کیے جاتے ہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف کو غیر مرتب چھوڑ جاتے تو ضرور تھا کہ صحابہ کی اتنی بڑی جماعت میں مختلف ترتیبیں رواج پا جاتیں۔ اور ان مختلف ترتیبوں کا اتنے کثیر التعداد و ذخیرہ احادیث میں کہیں نہ کہیں حال یا اشارہ و کنایہ ہی موجود ہوتا۔ لیکن احادیث کے سارے دفتر تلاش کر لو اسلامی تاریخ کی ایک ایک سطر چھان مارو اس بات کا کہ کہیں بھی ذکر نوکیلا اشارہ بھی نہ پاؤ گے۔ جبکہ ساری اسلامی کتب احادیث میں یہ بات بطور اشارہ بھی نہیں موجود نہیں کہ اس ایک مسلمہ ترتیب آیات قرآنی کے سوا کوئی اور ترتیب قرآن شریف کی آیات کی کبھی کسی نے کی ہو تو یہ امر صریح طور پر ثابت ہے کہ قرآن شریف کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی اور وہی ترتیب صحابہ میں رواج تھی اور پھر وہی ترتیب نہایت احتیاط سے محفوظ ہو کر تمام اسلامی دنیا میں تائید دم مرتج ہے۔ کہیں کسی جگہ کسی تبدیلی یا تغیر کا ذکر نہیں +

اس میں کچھ شک نہیں کہ ایک حدیث ایسی ہے جس میں لکھا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے قرآن شریف کو ترتیب نزولی کے موافق جمع کیا تھا۔ لیکن اگر ہم فرض کے طور پر اس حدیث کو صحیح بھی مان لیں تو بھی مجاہد مرقم کے خلاف نہیں بلکہ اسی نتیجہ کی تائید کرتی ہے جس پر ہم پہنچے ہیں یعنی اسی بات کی موبہ ہے کہ موجودہ ترتیب قرآنی ہی ایک ترتیب رواج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مرتج تھی۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ترتیب نزولی کے مطابق قرآن شریف جمع کرنے کا بیان صحیح بھی ہے تو اس کا نہ کو لغرض بیان اقوال اختلاف ترتیب لائے قرآن نہیں کیا گیا بلکہ

حضرت علی کا
نزل کھطابن
ترتیب دینا

اس کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ عام طور پر ترتیب نبوی مسلمانوں میں مسلم اور مرتج ہو چکی تھی حضرت علیؓ کی طرف اس واقعہ کو محض بطور استعجاب بیان کیا گیا لیکن حضرت علیؓ کا اس نزولی ترتیب کو کبھی عام طور پر مستحکم کرنے کا منشا نہ تھا اور نہ ہی ان کا یہ منشا تھا کہ اس ترتیب سے قرآن کریم کی تلاوت کی جائے۔ ان کا منشا صرف اس قدر ہو گا کہ ایک تاریخی شہادت نزول کی موجود ہے۔ ہاں اس حدیث سے یہ ثابت ہو جائے کہ اگر کوئی تیسری ترتیب بھی موجود ہو تو ضرور تھا کہ اس کا ذکر بھی کہیں نہ کہیں کسی پہرہ میں موجود ہوتا! حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی طرف منسوب ترتیب پر کبھی عمل نہیں کیا۔ کیونکہ آپؐ نے جو ترتیب کی تھی وہ وحی الہی کی بنا پر ربط و ضبط مضمون اور سیاق و سباق عبارت کے لحاظ سے کی تھی۔ وہ نزول آیا تکے زمانہ کے لحاظ سے دھڑی حضرت علیؓ کریم اللہ وجہ کے دل میں فیض الہی پیدا ہوا ہو گا کہ نزول آیات قرآنی کی تاریخی ترتیب کو محفوظ کر لیا جائے چنانچہ اسی خیال کو دل میں رکھ کر انہوں نے ترتیب مجاہد بالاکر چھوڑی ہوگی۔ یہ بات کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتی کہ حضرت علیؓ نے یہ ترتیب رواج دینے کی تیقین کی ہو۔ بلکہ وہ خود اسی ترتیب نبوی کے رواج کے مؤید اور قائل تھے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا اور یہ نتیجہ یہ کیا گیا کہ قرآن شریف کے نسخے خاص بنگوانی کے ساتھ لکھ کر لوگوں میں تقسیم کیے جائیں۔ اور اس کا کام اہتمام آپؐ منتخب مجلس سے سپرد کیا گیا تو ان مہتمموں کی مجلس کے اراکین عظام میں حضرت علیؓ کو م اللہ وجہ بھی تھے۔ اور فضیلت قرآن والی کی وجہ سے آپؐ کا اس بارہ میں بہت کچھ دخل تھا۔ انہوں نے اس وقت ہرگز ہرگز اس ترتیب کا ذکر بھی نہیں کیا جو انہوں نے وحی الہی کی تاریخ محفوظ کرنے کے لیے کی تھی۔ اور نہ کسی اور ترتیب کا سوا اسے موجودہ ترتیب کے کوئی تذکرہ کیا بلکہ نہایت محنت و شاقہ اور احتیاط کے ساتھ نبوی ترتیب کے مطابق قرآن شریف کے نسخے لکھوائے اور صحیح کیے اور کرائے۔ اور ان کو مسلمانوں میں تقسیم کیا۔ اگر حضرت علیؓ کریم اللہ وجہ کے خیال میں اس کے سوا کوئی اور ترتیب بھی ہوتی تو یہ بات ان کی شان سے بالکل بعید تھی کہ وہ خاموشی سے اسی ترتیب موجودہ کو اپنے معلومات اور کائنات کے بظلمات لکھے جائے اور مرتج کیے جائے کی نہ صرف جائز ہی دیتے بلکہ عقیدت باندہ کہ اسی ترتیب نبوی کے مطابق قرآن شریف لکھاتے اور اس کو عام طور پر مسلمانوں میں رواج دینے کی کوشش کرتے۔ وہ تو ایسے ولیہ اور شجاع تھے کہ کسی قسم کا دباؤ اور محاذ ان کے سچے فیہالات کے اظہار اور تکمیل سے ان کو نہ روک سکتا تھا۔ اس لیے اگر ان کو کچھ اختلاف ہوتا تو فوراً اعتراض کر دیتے اور اگر اعتراض نہ کرتے تو کم از کم اس مجلس میں شریک ہونے سے انکار کر دیتے۔ بلکہ بظلمات اس کے جس ترتیب پر تمام جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتفاق اور عمل تھا جو موجودہ ترتیب قرآن کریم کی ہے۔ اسی پر بلا اعتراض حضرت علیؓ کریم اللہ وجہ بھی متفق اور قائل تھے۔ اور وہ اس بات کو واضح کر دیا گیا ہے کہ ترتیب نبوی دراصل ترتیب قرآنی ہے اور اس ترتیب کے بالکل مختلف ہے جو حضرت علیؓ کریم اللہ وجہ نے ترتیب نزولی کے لحاظ سے وحی الہی کی تاریخ کا علم محفوظ رکھنے کے لیے کی تھی۔ قرآن شریف کے نزول کی ترتیب کو بغرض حفظ تواریخ محفوظ کر لینے میں کیا مضائقہ تھا؟ سوال تو صرف یہی تھا کہ آیا انہوں نے اس ترتیب کو ترتیب قرآنی کے نام سے موسوم کر کے عام طور پر رواج کرنے کی کوشش نہ کرنا ارادہ بھی کیا؟ لیکن ان کے قول و فعل سے ناں کی اس بارہ

میں کوشش ہی ظاہر ہوتی ہے اور نہ ہی اُن کا ارادہ ثابت ہوتا ہے۔ پس پھر کیونکر ترتیب اس مہمان میں ذکر کے قابل ٹھہر سکتی ہے۔ اس ترتیب کو قرآن شریف کی ترتیب ہی نہیں کہہ سکتے۔ اگر بالفرض یہ امر کسی طرح مانا جائے۔ کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں قرآن شریف کو ترتیب موجودہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رواج دینے پر کسی مصاحفے کو تصحیف کیا ہوگا۔ اگرچہ اُن کی شان میں ایسے گمان سے ان کی نالائی اور ہمت کا متصور ہے لیکن اگر ایسا ہی ہوتا تو پھر اس کی اصلاح اور تلاقی اس زمانہ میں بآسانی ہو سکتی تھی جبکہ خدا تعالیٰ نے اُن کے اپنے سر پر خلافت کی عزت و تلال کا تاج رکھا۔ جب آپ کی خلافت کا زمانہ آیا تو اس وقت تو ان کے لئے کوئی روک نہ تھی۔ اگر قرآن شریف کی مسلمہ مردمج ترتیب میں ان کو کوئی اختلاف ہوتا تو فوراً اسے پہلے اُنکی اصلاح کے اُن کا فرض تھا۔ انہوں نے تو اپنے زمانہ خلافت میں بھی اُنسی ترتیب کو رواج دیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رائج تھی اور پھر جس کے مطابق انہوں نے خود حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں قرآن شریف لکھوائے اور تقسیم کیے تھے لیکن باوجود اتنے بڑے اقتدار اور روح کے انہوں نے نہ تو خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اور نہ ہی حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کی خلافتوں میں اور نہ ہی اپنے زمانہ میں اس ترتیب موجودہ پر جو دراصل ترتیب نبوی ہے اعتراض کیا۔ اور نہ کبھی غلطوں میں اور نہ کبھی جلوت میں اس بات کا ذکر کیا کہ موجودہ ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کی ہوئی نہیں۔ اور نہ ہی کبھی یہ ذکر کیا کہ قرآن شریف کی آیتیں اور سورتیں جس ترتیب کے ساتھ موجود ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی تھی۔ بلکہ ترتیب نزدیکی صحیح ترتیب تھی اور اسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا۔

ان تمام حالات کے باوجود آفتاب کی طرح روشن اور ثابت ہوتی ہے کہ قرآن شریف کی سورتوں اور آیتوں کی وہ ترتیب جس کے مطابق حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں قرآن شریف کے نسخے مسلمانوں میں تقسیم کئے گئے تھے حقیقت میں یہی ترتیب ہے جس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الہی سے لیا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ضرور تھا کہ اس کے متعلق اختلاف موجود ہوتا لیکن روایات میں لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کو بعض کلمات کا خاص وجہ میں طرح بنا کر انہوں نے عرض کیا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کا اس طرح عرض کرنا ناجائز قرار دیا۔ اس پر حضرت ابن مسعودؓ حضرت عثمانؓ سے کشیدہ خاطر ہو گئے لیکن باوجود اس کشیدہ خاطر ہی کے انہوں نے کبھی کسی وقت اس ترتیب آیات قرآنی پر کوئی رجحان و اعتراض نہیں کیا جس کے مطابق حضرت عثمانؓ کے حکم سے قرآن شریف منقسم اور تقسیم کیے گئے تھے۔ نہ ہی انہوں نے کبھی ظاہر کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کے سوا کوئی اور ترتیب آیات قرآنی رائج تھی۔ ان نو کلمہ بالا واقعات کے یہ قطعی طور سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف کی سورتوں کی تقسیم اور ہر ایک سورتہ میں آیتوں کی ترتیب جیسے کہ فی زمانہ موجود ہے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فراموش تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب کوئی نئی آیت نازل ہوتی تو ساتھ ہی آپ اس کے قرآن شریف میں لکھے جانے کے لیے جگہ بھی مقرر فرما دیتے تھے۔ کبھی کسی صحابی نے اپنے خیال کے معائنہ کسی آیت کو قرآن شریف میں کسی جگہ لکھنے کی کجرات نہیں کی۔ اور نہ کسی کو ایسا کرنے کا حق پہنچتا تھا۔ مثلاً سورۃ البقرہ جس کو قرآن شریف

بڑی نازل شدہ
آیت کی جگہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا تھا۔

میں دوسرا نمبر حاصل ہے اس کا اکثر حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کے ابتدائی حصہ میں نازل ہوا تھا لیکن اس کی بعض آیتیں دیر سے نازل ہوئی تھیں جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آیات جو ماعت (رجا) کے متعلق ہیں آپؐ آخری ایام میں نازل ہوئیں۔ یہ آیتیں ترتیب میں ان آیات کے پیچھے رکھی گئی ہیں جو حشر اور صدقات کے متعلق ہیں۔ اب ان آیات کو جرح میں صدقات و خیرات کے احکام میں۔ اور ان آیات کو جرح میں ربوبہ کی ماعت ایک جگہ لکھنے میں حکمت یہ کہ یہ دونوں احکام غریب اور مساکین کے فائز اور آسانی کے لیے دو فرمے ہیں۔ جن سے ایسے لوگوں کی یہودی تصور ہے جس موجودہ موسائی کی قرآن شریف نے اصلاح کرنی تھی اسکی حالت اس وقت ایسی تھی کہ دونوں احکام کا متفرق اوقات میں دیا جانا ضروری تھا۔ جن لوگوں کو یہاں تک پہنچا دینے کا تھا ضروری تھا کہ ان میں پہلے اس حکم کے ماننے کی استعداد پیدا کر دی جاتی۔ اس لیے ایک حکم پہنچنے و یا گنجائش راہ میں ایک بڑی بھاری اور پہلی منزل تھی پھر جب اس حکم کے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی استعداد ان میں پیدا ہو گئی۔ اور اس پر شرح صدر سے عمل کرنا ان لوگوں پر آسان ہو گیا۔ تو پھر دوسری منزل ان پر تکشف کی گئی یعنی دوسرا حکم انہیں دیا گیا حقیقت میں یہ دونوں احکام آپس میں بہت گہرا رشتہ رکھتے ہیں اور ضروری تھا کہ لفظ ربطاً مضنون و سیاق عبارت اسی ترتیب کے ساتھ اٹھے جمع کیے جائیں +

ایک اور بات اس امر پر زیادہ روشنی ڈالتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اکثر احادیث میں آیات قرآنی کے حوالے بقید بر شماریئے ہوئے ہیں۔ اور ایسی باتیں ہیں سے اسباب کا کافی ثبوت ملتا ہے کہ ترتیب آیات قرآنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں مکمل ہو چکی تھی۔ ہم نے اپنے عملاً کی ناشید میں یہ کچھ مثالیں دی ہیں کہ آپس میں اس جگہ ایک اور مثال اسی ذیل میں پیش کی جاتی ہے تاکہ ہمارے ناظرین پر یہ امر فرما اور واضح ہو جائے صحیح بخاری میں ایک حدیث وارد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ایک دفعہ نماز میں سورۃ الفال کی چالیس آیات پڑھیں پھر اسی حدیث کو محدث عبد الرزاق نے بھی ایک اور سلسلہ روایت کی روایت سے نقل کیا ہے فرق دونوں میں صرف اس قدر ہے کہ دوسری روایت میں جیلے اس کے آگے کے واسطے جو نے چالیس آیتیں پڑھیں یہ ذکر ہے کہ سورۃ الفال کو اس موقع تک پڑھا جہاں قواعد التعلیل ذکر کیجئے اور بعد از جلد ۲۲ (۲۱) اب جب ہم اس سورۃ کی چالیس آیتیں شمار کرتے ہیں تو آخری آیت جن الفاظ پر ختم ہوتی ہے وہ یہ الفاظ ہیں جو محدث عبد الرزاق نے اپنی حدیث میں لکھے ہیں۔ گو باری و اولیٰ باران باہم مستوفان ہیں اس بات پر امرت عمداً کہ یہ بات نہ کہ پہنچتا ہے کہ قرآن شریف جس ترتیب کے ساتھ آج کل پہلے ہاتھوں میں موجود ہے۔ وہی ترتیب زمانہ حضرت رسالت تک صلی اللہ علیہ وسلم میں پڑھ اور عروت تھی۔ ایسے ہی ایک اور حدیث بخاری سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد کے لیے اٹھتے وقت سورۃ آل عمران کی آخری آیت میں آیات پڑھا کرتے تھے۔ اور چونکہ آپ کی یہی وہی مسلمان بھی یہ آیتیں پڑھتے تھے۔ اس لیے تعامل نے ہمیں یہ خود دیکھا کہ اس ترتیب کا مقابلہ موجودہ ترتیب کر سکیں۔ اب تعامل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ترتیب جس جرات کے ساتھ کہ

احادیث میں
حوالہ آیات عقبہ
مستند ہمار

پڑھی جاتی ہیں وہ ہیں جو ان فی خلق السموات والارض سے شروع ہو کر اخیر سورۃ تک ملحق ہیں اور جب ہو جو وہ ترتیب کو سمجھتے ہیں تو یہی کتابیں ابھی اکل عمران کی آخری کتابیں ہیں اس بات سے بھی یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآن شریف کی یہی ترتیب مروجہ اور مستعمل تھی جو آج کل مروج ہے۔ اور یہ کہ سورتوں کی تقسیم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں ہو چکی تھی +

اس کے بعد دوسرا مسئلہ جس پر غور کرنے کی ضرورت ہے وہ سورتوں کی ترتیب ہے۔ اس مسئلہ پر بحث کرنے کیلئے مسئلہ پہلے یہ بتادنا ضروری ہے کہ کس لئے اس حال کے جبکہ سارے قرآن شریف کی تلاوت کرنا منظور ہوتا نمازوں میں یا نمازوں کے باہر قرآن کریم پڑھنے کے لیے یا ضروری نہیں خیال کیا جاتا تھا کہ سورتوں کی ترتیب کو ملحوظ نظر رکھا جائے۔ ہم نے اوپر احادیث کی سند سے ثابت کیا ہے کہ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت میں بہت سارے ایسے بزرگ موجود تھے جن کو سارا قرآن شریف پڑھنا اور وہ لوگ اپنے اپنے حافظوں میں ترو تازہ اور ضبط رکھنے کیلئے ہمیشہ تلاوت کرتے رہتے اور مقررہ مدت میں ختم کیا کرتے تھے چنانچہ اسی پر واضح بخاری میں ایک باب باندھا ہوا ہے جس کا عنوان ہے کہ کتنی مدت میں قرآن شریف ختم کرنا چاہیے۔ اس باب کے ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں ہی ہیں جن میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو تین دن سے کم عرصہ میں قرآن شریف کا ختم کرنا منع فرمایا تھا۔ اور ایک دوسرے صحابی کو سات دنوں سے کم عرصہ میں قرآن شریف کا ختم کرنا منع کیا۔ ان حدیثوں سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل ظاہر ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو سارا قرآن شریف حفظ تھا۔ وہ ہمیشہ اس کی تلاوت کرتے رہتے تھے۔ اور معمولاً سات دنوں میں ختم کیا کرتے تھے قرآن شریف جتنی بڑی کتاب ایسے محتاط طریق سے حافظ میں جب بھی محفوظ رکھ سکتی تھی کہ اس کی تلاوت پر مداومت کی جائے۔ چنانچہ خود دوسروں کا اس صلہ ختم کرنے پر ایک قرآن شریف کو یاد رکھنے کے لیے اسکی ہمیشہ تلاوت کرتے رہنا چاہیے درنہم یاد نہیں رہے گا اسلئے بھی صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن شریف کی تلاوت پر مداومت کرتے تھے۔ اب اس بات کا سمجھنا بہت آسان ہے کہ قرآن شریف کو بار بار پڑھنا اور ہر دن ایک معینہ تلاوت کرنا ختم کرنا اس امر کا متقاضی ہے کہ اسکی سورتوں کی کوئی ترتیب اور تقسیم موجود ہو۔ والدہ مداومت کے ساتھ پڑھنا اور ختم کرنا ممکن نہ تھا۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ کیا دل پہنکتا ہے کہ آیا حدیث شریف بھی اسکی تائید کرتی ہے کہ نہیں؟ اس کے متعلق اس قدر لکھنا کافی ہے کہ احمد۔ ابوداؤد وغیرہم نے ایک حدیث نقل کی ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سورتوں کی تقسیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی تھی۔ ہم اس جگہ اس حدیث کو نقل کرتے ہیں وہ یہ ہے۔ عن اوس ابن ابی اوس حذیہ النقیفی قال کنت فی الوصل الذین اسلموا من اقیقت فقال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طرأ علی حزبی من القرآن فلو ردت ان لا اخرج حتی اقصیہ قال فسانا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلنا کیف نخبرون القرآن قالوا بخبر ثلاث سور خمس سور سبع سور تسع سور و احی عشر و ثلاث عشر و حزین المصل منی حتی انخسر۔ ۱۔ سور فرتے ہیں کہ تفسیر کے اس وفد میں جو اسلام قبول کرتے تھے میں بھی موجود تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

تلاوت حفظ
قرآن لغیر ترتیب
ناممکن تھا

کہا کہ میں نے اپنی قرآن شریف کی منزل کو پورا کرنا ہے۔ اسلئے میں ارادہ کرتا ہوں کہ جب تک ختم نہ کروں اس وقت تک باہر نہ نکلوں۔ اس پر پہنچے صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کس طرح قرآن کو حصوں میں تقسیم کیا ہوا ہے۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ پہلی سورتوں اور پانچ سورتوں اور سات سورتوں اور نو سورتوں اور گیارہ سورتوں اور تیرہ سورتوں اور ق سے شروع ہو کر اخیر قرآن تک جس کو مفصل کہتے ہیں (سات) حصے ہیں ۛ

معتبر زادہ موقوفہ جو ہے ثابت ہے کہ حضرت حجج ہے۔ اسلئے ق سے قرآن شریف کے سات حصے یعنی سات منازل میں یہ منزل ایک منزل میں پڑ چکی ہے اور اس میں سے سارا قرآن شریف ساتوں میں ختم ہوتا ہے ۛ دوسری منزل صحیح احادیث میں آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کو تاکید فرمائی کہ قرآن شریف ساتوں میں ختم کیا کریں اس لئے کہ راوی ہلی حضرت کے راویوں جدا ہیں۔ ان دونوں معنی ایک کی حد تک مختلف راویوں کی روایت سے بیان ہونا ایک دوسرے کی صداقت پر دلیل ہے۔ اسلئے کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ان حدیثوں کی صحت میں کسی قسم کے شک کو جگہ دیا جائے۔ انہیں یہ صحت نظر آ رہی ہے کہ مذکورہ بالا حدیث سے سورتوں کی ترتیب کا وجود واضح طور پر ثابت ہے کیونکہ وہی منزلیں ہیں جن میں قرآن شریف کے اس حصے کے دو حصے کیے ہوئے ہیں کج تک مسلمانوں میں توجہ ہے۔ اور ساری اسلامی دنیا اسی پر کاربند اور عامل ہے۔ پس اس قاعدا سے بھی صحت شہادت اس حدیث کی صداقت کی ملتی ہے۔ ان سات حصوں کو مسلمانوں کی اصطلاح میں سات منزلیں کہتے ہیں اور ہر ایک منزل میں اسی قدر سورتیں ہیں جو اس حدیث میں مذکور ہیں۔ جیسے کہ حدیث شریف میں لکھا ہے ساتویں منزل ٹھیک اس کے مطابق سورۃ ق سے شروع ہوتی ہے پہلی چھ منزلیں میں کل اڑتالیس سورتیں ہیں اور یہی وہ قعدا ہے جو احادیث سے ثابت ہے اس جگہ ایک بات ناظرین کو یاد رکھنی چاہئے کہ حدیث مذکورۃ الصد میں سورۃ فاتحہ جو قرآن شریف میں سب سے پہلے لکھی ہوئی ہے شمار نہیں کی گئی اور یہ کہ غلطی یعنی نہ تھا۔ پس سورۃ بقرہ سے شروع کر کے تین سورتوں کی ایک منزل پھر اس کے بعد کی پانچ سورتوں کی دوسری منزل۔ پھر اس کے بعد کی سات سورتوں کی تیسری منزل پھر اس کے بعد کی نو سورتوں کی چوتھی منزل پھر اس کے بعد کی گیارہ سورتوں کی پانچویں منزل پھر اس کے بعد کی تیر سورتوں کی چھٹی منزل اور ق سے (جو اٹھاسوئیں سورۃ ہے) شروع ہو کر انہیں تک ساتویں منزل ہوئی۔ اگر فاتحہ کو شامل کر کے شمار کیا جائے تو اس حساب سے سورۃ ق پچاسوئیں سورۃ ہوتی ہے۔ اور اگر اسکو شامل نہ کیا جائے تو پھر سورۃ ق پچاسوئیں سورۃ ہوتی ہے۔ اور اس حدیث میں مؤخر الذکر حساب کو ملحوظ رکھا گیا ہے یعنی پہلی چھ منزلیں میں اٹتالیس سورتیں اور پھر چھاسوئیں سورۃ ق سے ساتویں منزل شروع ہوتی ہے جس طرح ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں کہ آیات قرآنی کی ترتیب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی اسی طرح اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں کی ترتیب بھی اُن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کی تھی۔ اور آج تک اسی ترتیب پر مسلمان قائم ہیں۔ یعنی موجودہ ترتیب جو مسلمانوں میں متوجہ اور جاری ہے۔ وہ بحدسہ اور بلا قعادت ہی ترتیب ہے جس میں ایک سورت بھی فرق نہیں آیا ۛ ممکن ہے کہ کوئی شخص اعتراض کرے کہ جبکہ قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک پورے طور پر نازل نہیں ہو چکا تھا۔ اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آخری زمانہ تک آیتیں اور سورتیں نازل ہوئی رہی تھیں تو پھر کسی

قرآن شریف کی
سات منزلوں
ترتیب پر روشنی

ترتیب کا مجدد ہی کہ جو حکم طاعت کا بیان کرتا ہے۔ یہ بالکل سچی بات ہے۔ کہ جب تک سورہ دوحیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) نازل نہ ہو اس وقت تک قرآن شریف کا نزول مکمل نہیں سمجھا جاسکتا لیکن اس بات کا آیتوں اور سورتوں کی ترتیب میں کوئی فرق اور مرجع واقع نہیں ہوتا جتنا حصہ قرآن شریف کا نازل ہو چکا تھا۔ اس کو بھی قرآن ہی کہا جاتا تھا اور لفظ قرآن کے معنوں میں یہ بات آسکتی ہے لیکن اس حدیث میں بنی نقیث کے اسلام لانے کا حال مرجع ہے پس ایسی وقت کی حدیث ہے۔ جب وہ لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ اب یہ ثابت ہے کہ نقیث ہجری کے نویں سال میں مسلمان ہوئے تھے۔ اور اس سال میں سورہ توبہ نازل ہوئی تھی جو تاریخی سلسلہ نزول میں سب سے اخیر سورہ تھی۔ اس لیے اس حدیث کے زمانہ میں مذکورہ بالا اعتراض باقی نہ رہا تھا۔ کیونکہ جس زمانہ کا ذکر اس حدیث میں ہے۔ اس زمانہ میں قریباً سارا قرآن شریف نازل ہو چکا تھا۔ اور اس میں جو سورتوں کی تقسیم کے بارہ میں ذکر ہے۔ اس سے تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی سند سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے اس پر کوئی اعتراض معقول خیال نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا بعض آیات اس کے بعد نازل ہوئیں لیکن قطعی آیات بعد میں نازل ہوئیں وہ سب جہاں وحی آتی تھی ہدایت کی وہاں رکھ دی گئیں۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ ایک جھوٹی سی سورہ جس کا نام سورہ النضر ہے اس کے بعد نازل ہوئی۔ لیکن یہ ایک جھوٹی سی سورہ تھی اور اس کو مناسب جگہ رکھ دیا گیا تھا۔ ناظرین اس بات کو بھی یاد رکھیں کہ اس حدیث میں صرف چھ پہلی منزلوں کی سورہوں کی تعداد بیان کی گئی ہے۔ لیکن آخری منزل کی سورہوں کی تعداد نہیں بیان کی۔ اس کی نسبت صحت انتہائی کہا گیا کہ قی سے شروع ہو کر فائدہ تک تو اس منزل میں نہ ہو سکتا اس لیے اس آخری منزل میں ایک سورہ شامل ہونا باقی تھی۔ چنانچہ وہ بھی نازل ہو کر شامل منزل ہفتم ہو گئی۔ اس سورہ کے نزول اور ساتویں منزل میں شمول سے اس شمار میں ہرگز کوئی فرق نہیں آیا جو پہلی چھ منزلوں کے متعلق بیان ہوا ہے + اس بات کی بھی کوئی شہادت موجود نہیں کہ سورتوں کی ترتیب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر یا عثمان رضی اللہ عنہما نے کسی طرح تبدیل کر دیا ہو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برخلاف تو کبھی کسی نے کوئی اعتراض اس قسم کا نہیں کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کے نقش قدم پر چلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو نقلیں قرآن شریف کی گئی تھیں وہ ان بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم کی نحرانی اور اہتمام میں تیار کرائی گئی تھیں جن کو کلم قرآن میں زیادہ مامور اور اہل علم مانا گیا تھا۔ اور اکثر ان میں حضرت ابی بن کعب جیسے بزرگ تھے جن کو قرآن شریف از بر تھا۔ علاوہ ان میں جو دلائل مجتہد اور قرآنی آیات کی ترتیب کے متعلق پیش کی ہیں وہی دلائل مناسب تغیر کے ساتھ قرآن شریف کی سورتوں کی ترتیب پر جاری ہوتی ہیں لیکن چونکہ بعض حدیثوں میں مختلف ترتیبوں کا بھی ذکر آیا ہے۔ اس لیے اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے ہمیں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق بھی فیصلہ کر دیا جائے۔ اس بارہ میں سب سے پہلے صحیح بخاری کے باب تالیف القرآن کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے اس باب میں جو احادیث درج ہیں ان میں سب سے پہلی حدیث یوں ہے عن یوسف بن مہازک قال انی عند عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا اذا جاءها عراقي فقال ای الکفن خیر۔ قال ولیجوز وما لی بضرک۔ قال یا ام المؤمنین

عائشہ کی
اداکہ ترتیب
اہل ترتیب
نی نہیں

سمجھائی رہیں کہ اس عرانی کے ذمہ شیخین ہو کر اس کی خوب سنی ہو گئی۔ اور حضرت عائشہؓ سے قرآن شریف کو دوسرے
قرآنوں کے موافق یا کراٹا خالی پھر گیا اور قرآن شریف ساتھ نہ لیا گیا کیونکہ اگر دوسرے مروجہ قرآنوں سے اس کی
ترتیب مختلف ہوتی تو ضرور تھا کہ وہ شخص اس قرآن شریف کو ساتھ لے جاتا +

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ قرآن شریف کی سورتوں کی ترتیب جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے صرف سائے آن کی
تلاوت کے موقع پر ملحوظ رکھی جاتی تھی۔ اور نمازوں میں قرآن شریف پڑھنے کے وقت یا نمازوں کے باہر جب تھوڑا تھوڑا
حصہ پڑھنا منظور ہوتا تھا تو اس وقت اس ترتیب کے لحاظ رکھنے کی چنداں ضرورت نہ سمجھی جاتی تھی مثلاً نمازوں میں
ترتیب کی نگہداشت کی ضرورت نہیں اگر ایک پہلی رکعت میں کوئی سورۃ یا کسی سورۃ کا کوئی حصہ پڑھا جائے۔ تو دوسری
رکعت میں اس بات کی پابندی نہیں کہ اسی حصہ سے آگے کا حصہ مسلسل طور پر پڑھا جائے بلکہ جہاں کہیں چاہے سورۃ
کے حصہ کو پڑھے۔ صحیفوں میں اس کی نشتر کے شہادت موجود ہے۔ اس طرح دو یا دو سے زیادہ سورتیں کسی ایک رکعت میں
پڑھ لی جاتی تھیں اور بعض حالات میں نمازوں میں پڑھنے کے لئے ایسی سورتوں کو جمع کر لیا جاتا تھا۔ جتنا سچہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجہ کی نماز میں عموماً بین سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ جن میں اٹھارہ تو آخری منزل قرآن
کی چھوٹی چھوٹی سورتیں تھیں جن کو مفصل کہتے ہیں۔ مفصل سورتیں سورۃ ق سے شروع ہوتی ہیں۔ اور دوسریں
حکم سے شروع ہوتی ہیں یعنی تحبہ کی دس رکعتوں میں یہ ہیں سورتیں اس طرح پڑھا کرتے تھے کہ ہر رکعت میں دو دو
سورتیں پڑھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص تالیف قرآنی تھی جو حضرت ابن مسعودؓ کے ذریعہ
ہم تک محفوظ ہو کر پہنچی میں اور جس کو تالیف ابن مسعود کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس تالیف کو قرآن شریف کی
سورتوں کی ترتیب کے کوئی راستہ نہ تھا اور نہ ہی اس پر ہمیشہ عمل کیا جاتا تھا۔ ابن مسعود کہتے ہیں کہ اس ترتیب آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے تحبہ کی نماز میں ایک یا ایک سے زیادہ مرتباً سورتوں کو پڑھا اور چونکہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ
آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم جمعیں نمازوں میں قرآن شریف کی معمولی ترتیب کو ملحوظ رکھا
کرتے تھے تو اس میں تالیف سے اصل ترتیب قرآنی کی قدر و منزلت میں کچھ بھی کمی واقع نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا ذکر ہی اسلئے
کیا گیا کہ اصل ترتیب سے علیحدہ تھی۔ نہ صرف تحبہ کی نمازوں تک ہی یہ بات محدود تھی بلکہ عام نمازوں میں بھی سورتوں
کی ترتیب معمولاً لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا۔ جیسے مثلاً ایک خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کی جو بھی سورۃ یعنی
سورۃ النسا پہلی رکعت میں پڑھی۔ اور دوسری رکعت میں تیسری سورۃ یعنی آل عمران پڑھی۔ اس واقعہ کے درج
کتاب ہونے کی بھی یہی وجہ ہے کہ اصل ترتیب سے اختلاف کی مثال محفوظ ہے۔ اس قسم کی بہت ساری مثالیں
کتباہ میں لکھی ہوئی موجود ہیں۔ اور چونکہ یہ امر لازمی نہ تھا کہ نمازوں میں قرآن کے وقت سمر ترتیب کے موافق ہی
قرآن کریم کی سورتیں پڑھی جائیں۔ اسلئے ان واقعات کے تحریر میں مقید اور محفوظ کئے جانے سے اس حقیقت کی
تصدیق کا مزید ثبوت ملتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی سارے قرآن کی تلاوت کے وقت ہی
ترتیب سورتوں کے قرآن کریم مروج اور عمل تھی جس پر انجیل مسلمانوں کا عمل ہے +

سازوں میں
ترتیب ملحوظ
نہ رکھی جاتی تھی

تالیف ابن مسعود

ابھی ذکر کیا گیا ہے کہ تالیف ابن مسعود کی سب سے سب سے ترتیب میں فصل لکھا جاتا ہے کبھی بھی انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔ اس بات کو دیکھ کر بعض لوگوں نے اسے کبھی سے خیال کر لیا ہے کہ گو یا حضرت ابن مسعود کے پاس جو قرآن شریف کا تھا اس میں سورتوں کی ترتیب دوسرے جنوں سے مختلف تھی۔ اس بات کی تائید میں صرف یہی ایک حدیث پیش کی جاتی ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ اور جس میں پیش چھوٹی سورتوں کے نماز تہجد میں پڑھے جانے کی تالیف کا ذکر ہے لیکن جب سب اس بات کا ثبوت صاف صاف ملتا ہے کہ سورتوں کی ترتیب مروجہ کا لکھا نمازوں میں ضروری نہیں سمجھا گیا تھا تو اس شہادت کا کچھ اثر اصل ترتیب قرآنی پر نہیں پڑتا۔ اور اگر فرض محال کے طور پر اس بات کو مان لیں کہ حضرت ابن مسعود کا کسی اور ترتیب سورتوں کی پر عمل تھا۔ اور اسی اپنی ترتیب کے مطابق ہی انہوں نے اپنا قرآن شریف لکھا ہوا تھا تو اس سے یہ بات نہیں مانی جاتی کہ ان کی ترتیب ہی صحیح تھی۔ اور جو قرآن شریف حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے پاس تھے اور عام طور پر مسلمانوں میں قیام تھے ان میں غلط ترتیب سے سورتیں لکھی ہوئی تھیں۔ اگر ابن مسعود کی کوئی جدا ترتیب تھی تو وہ انہیں تک محدود رکھی صحابی نے اس کی طعن کبھی التفات بھی نہیں کیا۔ بلکہ سارے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت نے اسی بات پر اتفاق کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو نسخہ قرآن کریم کے لکھوائے جو حضرت ابوبکر کے وقت میں جمع کئے ہوئے صحیفے سے نقل کئے گئے تھے وہ ترتیب کے مطابق تھے جو انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی۔ اور جس پر حضور مہدی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا۔ پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں قرآن شریف کی نقلیں کرنے کا اہتمام کیا گیا تو اس اہتمام کو حضرت علی کریم اللہ وجہ اور حضرت ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما وغیرہم جیسے اولوالعزم اور بلند شان قرآن دان صحابہ نے اپنے ذمہ لیا ہوا تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس خدمت کے لئے بارہ صحابی منتخب کئے جن کا مفصل ذکر آگے آئے گا۔ یہ وہ بزرگ منتخب ہوئے تھے جو قرآن فہمی و قرآن دانی میں سب سے بڑھے ہوئے تھے ان بارہ بزرگوں نے نہایت احتیاط اور جانفشانی سے اس خدمت کو ادا کیا۔ وہ اس بات سے بیخبر تھے کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نمازوں میں پیش چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ وہ اس بات سے بھی واقف تھے کہ نماز میں قرآن شریف کی سورتوں کا درست ترتیب کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں میں سورتوں کی ترتیب کا لحاظ نہ رکھتے تھے۔ ایسے بزرگوں کی معظمت و کرم جماعت جن کو قرآن دانی میں کمال و مسترس رکھنے کی وجہ سے اس عظیم الشان خدمت کے لئے صحابہ کی منتفط طے سے انتخاب کیا گیا تھا ان کی نسبت یہ بیان کرنا کہ جس بات کو حضرت ابن مسعود جانتے تھے اس سے وہ بیخبر تھے۔ لہذا یہ بات ہی عیب یا تنبیہ جو کسی عقلمند و باغیر میں عجائبات نہیں پا سکتی۔ اور طرز اس پر یہ کہ اس امر کے جاننے والے صرف اکیلے حضرت ابن مسعود ہی ہوں۔ اور اتنی قوم صحابہ میں سے ایک بھی ان کی تائید یا تصدیق نہ کرے لہذا وہ البتہ اگر سورتوں کو انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ترتیب کرتے اور ان کی ترتیب شخصی اختیار پر چھوڑ دی جاتی تو اس حال میں اس قیاس کو جگہ ہو سکتی تھی کہ وہ ترتیب جو زعم محض نہیں حضرت ابن مسعود نے کی تھی سبکی صحت اور عدم صحت چھوڑ دیا جائے۔ اور اس بات کو بھی پیش کرنا جاسکتا تھا کہ ان کی ترتیب دوسرے صحابہ کی ترتیب

کی نسبت صحیح ہے یا کہ ان کی صحیح ترتیب ہے اور دوسری ترتیب صحیح نہیں لیکن ارضیہ کا فیصلہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ہونا تھا۔ ذکر شخصی آراء پر۔ اب اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ مذکورہ بالا تالیف ابن مسعود سے علاوہ حضرت ابن مسعود نے قرآن شریف کی باقی صورتوں کو کسی اور طرف سے ترتیب دیا تھا۔ اور ان چند صورتوں میں بھی انہوں نے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد کی نمازوں میں پڑھتے سنا کر خیال کیا کہ یہی صحیح ترتیب ہے مگر خیال ان کا غلط تھا۔ تو یہ ہی ثابت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کو تحقیق ہی کیا اور کسی اور صحابی سے ہی پوچھا۔ صرف اپنے خیال کو دخل دے کر ایک بات کا یکطرفہ فیصلہ کر لیا۔ اور اسی لئے ان کے نام سے ہی تالیف منسوخ ہے۔ لیکن اس قیاس کو جگہ بننے میں انہوں نے غلطی کھائی ہے۔ صحیح احادیث موجود ہیں لیکن سمجھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت میں کسی سورۃ کا کوئی حصہ پڑھ لیا کرتے تھے۔ اور پھر اُس کے بعد کسی دوسری رکعت میں کسی اور سورۃ کا کوئی حصہ پڑھ لیتے تھے۔ اور اس بات کا مضائقہ نہیں رکھا جاتا تھا کہ پچھلی رکعت میں جو سورۃ یا اس کا حصہ پڑھا جاتا وہ اصل ترتیب قرآنی کے موجب ہر رکعت میں پڑھے ہوئے حصہ سے آگے کا حصہ ہوتا یا پیچھے کا۔ ابن مسعود نے کسی ایسی تالیف پر ایک جہا ترتیب کی بنا رکھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض وقت کی نمازوں میں ظاہر ہوئی۔ انہوں نے اپنے فیصلہ کی اس گڑبگڑاٹھنے میں سخت غلطی کھائی لیکن عام اصولی لحاظ سے ان کی ترتیب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قرآن کی ترتیب کچھ جہاں مختلف نہ تھی۔ جیسے حضرت عثمان کے قرآن میں ہر آل ایسی ہی صورت میں آتا ہے کبھی کوئی حصہ اس طرح انہوں نے بھی ان کو پہلے ہی لکھا مگر البتہ اتنا فرق بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے سورۃ النساء کو سورۃ آل عمران سے پہلے رکھا تھا۔ گویا تیسری سورۃ کو چوتھے اور چوتھی کو تیسرے نمبر رکھا۔ اب یہی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سورۃ النساء کو آل عمران سے پہلے پڑھا تھا سو غالباً اسی سے حضرت ابن مسعود نے اسے قائم کر لی ہوگی۔ اب صرف یہی دو اختلاف ہیں جو ان کی ترتیب میں پائے جاتے ہیں جن پر مختصر شور مچاتے ہیں۔ یا اگر کوئی اور اختلاف ہوگا تو وہ بھی اسی قسم کا ہوگا۔ حقیقت میں اگر دیکھا جائے کہ ترتیب متعلق اس قسم کا اختلاف ہو اور اس اختلاف پر بحث و تفسیر بھی ہوئی اور پھر وہی ایک ترتیب جاری و ساری ہوئی جو آج تک مسلمانوں میں رائج ہے تو اس سے اس بات کے ثبوت برآورد بھی زیادہ روشنی پڑتی ہے کہ وہی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی جو حضرت عثمان کے صحیفوں میں لکھا نا کبھی کبھی اصول میں تو حضرت ابن مسعود اور دوسرے صحابی رضی اللہ عنہم باہم متفق ہیں۔ اور جو اختلاف ہوا وہ حضرت ابن مسعود کے قیاس کی غلطی سے پیدا ہوا۔ حضرت امام بخاری نے ایک حدیث کو نقل کیا ہے جس میں ابن مسعود نے سورۃ نبی اسرائیل۔ الکہف۔ طہ۔ صدیر اور انبیاء کو دو زبان قرآن شریف میں ٹھکانا ہی ترتیب کے بیان فرمایا جس ترتیب یہ سورتیں اصل ترتیب قرآنی میں رائج ہیں۔ اس قسم کی شہادتوں سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود اور عثمان رضی اللہ عنہما کے نسخوں کی ترتیب ایک ہی تھی اور اگر فرض کے طور پر ہی اختلاف کو بھی مانا جائے تو وہ اختلاف نہایت ہی ضعیف اور چھوٹا سا تھا۔ اور اسکی وجہ صرف حضرت ابن مسعود کی غلط فہمی تھی +

ایں کعبہ اور
حضرت علیؓ کی قبر
مزعومہ

ترتیب سور کے اختلاف میں ابن مسعودؓ کے علاوہ دو اور بزرگوں کا نام لیا جاتا ہے یعنی ابی بن کعبؓ اور حضرت علیؓ
لیکن کوئی اعتبار کے قابل شہادت موجود نہیں جس سے اس امر کا اڑنے سا ثبوت بھی مل سکے کہ ابی بن کعب کسی
مختلف ترتیب کے قابل اور عامل تھے۔ انکی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ وہ چوتھی سورۃ یعنی النساءؓ کی تجدید اعران
چوتھری سورۃ ہے نہ تھے تھے۔ اور تیسری کی جگہ چوتھی رکھتے تھے۔ اگر کسی اختلاف تھا تو یہ نہایت خفیف سی بات
تھی۔ اور ممکن ہے کہ انہوں نے بھی ابن مسعودؓ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز و بیعت پر جتنے سن کر ایسا
سمجھ لیا ہو لیکن ہم آگے چلکر ثابت کرینگے کہ حضرت ابی بن کعبؓ اس اختلاف کے قریب نہیں آئے۔ اور اگر
کبھی انہوں نے اس قسم کا اختلاف کیا بھی تھا تو واقعات پر مطلع ہونے ہی وہ اس پر قائم نہ رہے اور اپنے عمل سے
ثابت کر دیا کہ ترتیب یہی ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صحیفوں میں موجود رکھی گئی۔ ایسا ہی حضرت علیؓ کی کرم اللہ
کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے قرآن شریف کو نزولی ترتیب کے موافق جمع کیا تھا۔ چنانچہ اسکی تائید میں ایک
حدیث پیش کی جاتی ہے جس میں ان کا قول اس معنی کا نقل کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات
کے بعد انہوں نے اُس وقت تک آرام نہ کیا جب تک کہ اسے قرآن شریف کی سورتوں کو تاریخی یعنی نزولی ترتیب پر جمع
نہ کر لیا لیکن یہ حدیث مخرج ہے کہ یہ نہ کہ باوجودیکہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد برخلات نہ بھی
رواق افروز ہو سکے پر کوئی ایسا قرآن جس کا اس حدیث میں ذکر ہے نہ شائع ہوا اور اسکا اندازہ نسو کے ہاتھوں میں پہنچا گیا
اسکے علاوہ صحیح احادیث جن کا اعتبار بہر حال اس حدیث سے بہت زیادہ ہے ان سے اس قدر کی صحت کے خلاف ثبوت ملتا ہے۔
فتح الباری کے صفحہ ۱۸ پر حضرت علیؓ کی روایت سے ایک حدیث مخرج ہے عن عبد خدیو قال سمعت عبدی القول اعظم الناس
نے المصاحف اجماعاً ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ ابی بکر ہوا اول من جمع کتاب اللہ یعنی قرآن شریف کے جمع کرنے والوں میں
سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں ۲۔ یہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن جمع کیا۔ ایک طرف وہ حدیث
جس میں یہ لکھا ہے کہ بعد وفات حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کو اس وقت تک چین نہ آیا جب تک کہ انہوں نے قرآن جمع
نہ کر لیا اور دوسری طرف یہ حدیث حضرت علیؓ کی اپنی روایت اسکی تردید کرتی ہے کیونکہ اس کے نزدیک ابو بکر صدیق ہی ایک شخص تھے
جنہوں نے سب سے پہلے قرآن کو جمع کیا۔ اور یہ حدیث اپنے ثبوت میں کیلی نہیں بلکہ دوسرے تاریخی واقعات اسکی مؤید
اور مصلحت ہیں۔ جن میں ایک بات تو یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ہی کسی دوسری ترتیب کا نہ ذکر کیا اور
نہ ہی موجودہ سمر ترتیب کے مختلف ترتیب والا قرآن کسی کو دکھایا لیکن اس کے ماسوا بھی ایک اور ایسی زبردست بات ہے
جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ حضرت علیؓ اور نہ حضرت ابی رضی اللہ عنہما اس ترتیب مخالف نسخہ دوسری ترتیب پر عمل درآمد
رکھتے تھے جو حضرت عثمانؓ کے صحیفوں میں ملحوظ رکھی گئی تھی کیونکہ حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں
بزرگوں کی سرپرستی قرآن کرم کی نقلوں کا کام بعد خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سر انجام پایا تھا اور اس وقت ان کو
اس کام میں حصہ عثمانی کے برابر دسترس حاصل تھی اور جس طرح انہوں نے ہم کو موجودہ قرآن مجید پہنچایا۔ اسی طرح اگر کوئی
اور ترتیب ان کے خیال میں ہوتی تو بجائے اسے اسکو باسانی ہم تک پہنچا سکتے تھے۔ اور کوئی مانع نہ تھا ۴

سُورَةُ الْفَالِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اس موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث پر نظر ڈالنے والی جگہ سے قرآن شریف کی سورتوں کی ترتیب کے متعلق جو بحث شروع
کے ساتھ پیش کی جاتی ہے۔ اور یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباس قال قلت لعثمان ما حملك على ان عثمان
الى الفال وهي من المثاني الى سورة وهي من المثبتين فقرتم بها ولعلك تبوا بينهما سطر
يسمى الرحمن الرحيم ووضعتموها في السبع الطوال فقال عثمان كان سر الله صلى الله
عليه وسلم كثيرا ما ينزل عليه السورة ذات العود فاذا نزل عليه الشئ لعني منها دعا بعض
من كتيب فيقول ضعوا ههنا الايات في السورة التي يذكر فيها كذا وكذا نزلت الفال من اوائل
ما نزل بالمدنية وبراءة من اخرا القران وكان قصتها شبيهة بها فظننت انها منها فقبض
سهراب لله صلى الله عليه وسلم ولم يدع لنا انها منها۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان
سے پوچھا کہ آپ نے کیں سورۃ الفال کو سورۃ براءت کے ساتھ ایسے متصل سے لکھا ہے کہ ان کے درمیان پھر الرحمن الرحیم
لکھی ہی نہیں۔ اور اس طرح ان دونوں سورتوں کو ساتھ لمبی سورتوں میں شامل کر دیا ہے۔ اس پر حضرت عثمان نے جواب
میں فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب بہت سورتیں ان پر نازل ہوتیں اور ان میں کی کسی سورت کی آیت کا
نزل ہوتا تو کسی کاتب وحی کو ملبو لیتے اور اس کو حکم دیتے کہ وہ آیت فلاں سورۃ کی فلاں موقع پر لکھ دے سورۃ
الفال پر یہ بات بتائی کہ زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔ اور براءت کا نزلنے کی آخری زمانہ میں ہوا تھا۔ اور ان دونوں
کا مضمون باہم متوافق اور ملتا جلتا تھا۔ اسلئے میں نے یہ یقین کیا کہ دوسری سورۃ پہلی سورۃ میں سے ہی ہے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پلگئے اور انہوں نے ہمیں صحیح طور سے ریز فرمایا تھا کہ یہ سورۃ اسی میں سے ہے۔
بعض لوگ غلط فہمی سے اس حدیث سے متنبہ نہ ہو کر گویا جمع اور ترتیب قرآن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے اختیار
اور سمجھ کے موافق کی ہے۔ اور اسلئے اس حدیث کو اس دعویٰ کی تائید میں بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ لیکن اس سے
قطعا یہ بات مستنبط نہیں ہوتی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی لئے کو ترتیب قرآن میں کوئی دخل تھا۔ بلکہ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ
قرآن شریف کی آیات کی طرح سورتوں کی ترتیب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے کی ہوئی تھی اور اس کے علاوہ حضرت
عثمان رضی اللہ عنہ کی وہ کمال درجہ کی اقیاط ثابت ہوتی ہے کہ جس سے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور
عمل کو نہایت امانت کے ساتھ اس کام میں برتا۔ حالانکہ ساری سورتوں کی ابتدا میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے کا عام
طور پر قاعدہ تھا۔ مگر اس سورۃ کے ساتھ بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ پا کر
اپنی رائے کو اتنا بھی دخل نہ دیا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہی اس پر لکھ دیتے۔ اس حدیث سے صاف ثابت ہے کہ اس میں
ذکر کردہ واقعہ کے سرور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک لفظ اور ایک ایک سورۃ کے متعلق واضح طور سے حکم
دیدیا ہوا تھا کہ اس کو فلاں موقع پر قرآن میں رکھا جائے۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور قطع
عبارت اور ساقی و سباق مضمون کے لحاظ سے قرآن شریف کی سورتوں اور آیتوں کی ترتیب فرمائی تھی۔ اور نو عین
مضمون میں ہر قسم کی لحاظ سے ہی سورۃ الفال اور براءت کو ایک دوسرے سے ایسا متصل رکھا گیا تھا۔ و تحقیق اگر

سورۃ براءۃ کے معاملہ کو علیحدہ لکھ کر غور کیا جائے تو اس حدیث سے نہ صرف صاف طور پر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آنحضرت صلعم نے ہر آیت کی نسبت کھلے طور پر حکم دیا تھا کہ اس کو کس طور پر رکھا جائے۔ بلکہ آپ (صلعم) نے صحابہ کرام کو ہر ایک سورۃ کا موقع اور ترتیب بھی کھلے طور سے بتا دینے تھے۔ اور یہ بھی عیاں کر دیا کہ کون سی سورۃ کس سورۃ کے بعد لکھنی چاہئے۔ اور آپ ہی نے ربط مضمون کے لحاظ سے سوروں کی ترتیب کی تھی۔ اب ہم اس حدیث کے اس حصہ پر غور کرتے ہیں جو ان دونوں سوروں کے متعلق ہے اور یہ دیکھتے ہیں کہ کیا اس سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ آنحضرت صلعم نے ان کی ترتیب کے متعلق مطلقاً کچھ نہیں فرمایا تھا یا مرناہستہ کہ سورۃ براءۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ایک سال پہلے نازل ہوئی تھی۔ اسلئے یہ کہنا کہ آپ کا اس کا موقع بتانے کی مہلت نہ مل سکتی تھی غلط قرار پاتا ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کی اپنی مشائخ اسی ہی تھی کہ ان دونوں سوروں کو ایک دوسری کے ساتھ اسی طرح متصل رکھا جائے اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم جو ہر سورۃ کے پہلے لکھی جاتی تھی نہ لکھی جائے۔ دونوں سوروں کو بظاہر الگ الگ رکھی گئی ہیں۔ اور دو مختلف ناموں سے موسوم ہیں لیکن ایک طرح سے دو حصے ایک ہی سورۃ کے ہیں سورۃ براءۃ کی پہلی آیت کا رخ کے موخہ جو لوگ جمع ہوئے تھے انہیں اعلان کیا گیا تھا اس طرح سے براءۃ ایک جدا سورۃ بھی ہو گئی اسلئے آنحضرت صلعم نے کبھی کسی فن لکھ کر صحابہ کے نہیں فرمایا تھا کہ سورۃ براءۃ سورۃ انفال کا حصہ ہے۔ اور دوسری طرف کبھی اس پر بسم اللہ بھی نہیں لکھی کیونکہ مضمون کے سر تک نہ سونے کی وجہ سے گویا سورۃ انفال ایک ہی سورۃ کے قائم مقام تھیں یہی واقعات تھے جن کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تشریح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا اور یہ سمجھا یا کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا اور عمل کیا اس طرح عمل کرتے ہیں

۵۔ مصاحف ابوبکر و عثمان

اس طرز پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے جس کو اچھے آئینہ دینے کا وعدہ کیا تھا اگر کل قرآن کریم ضبط تحریر و حافظ میں منع تیب سورۃ آیات آچکا تھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وقت میں جیسا کہ صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے قرآن کریم کو جمع کر دینی ضرورت کیوں پیش آئی اور اس کا کیا مطلب تھا۔ جاننا چاہئے کہ اصل بات جیسا کہ معتبر روایات اور صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے یہی ہے کہ جمع قرآن کریم کا عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الہی کے ماتحت پورا کیا۔ خود قرآن کریم اس بات پر ہے جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے جو پہلے بھی نقل کیا چکی ہے ہاں علیہما جمعہ وقرآنہ فاذا قرآنہ فاتبعہ قرآنہ سورۃ تھانی کی آیت جس میں اللہ تعالیٰ نے اسی طرف سے کھلے طور پر عن موجدہم کہ جیسا قرآن کریم کا ٹھکانہ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو طرہ صاف بتا رہا یعنی وحی الہی کا کام ہے۔ اس طرح قرآن کریم کی جمع بھی ہمارا یعنی وحی الہی کا کام ہے۔ پھر ایک دوسرے موقع پر جب تمغہ لایا یہ اعتراض کیا کہ قرآن شریف ٹکڑے ٹکڑے کر کے کیوں نازل کیا گیا اور سارا اکٹھا نازل کیوں نہیں ہوا اعتراض کو نقل کر کے اس کا جواب یوں فرمایا۔ وقال اللہین کفرنا الکی نزل علیہ القرآن جملۃ واحدۃ کذلک ج لنتبت بہ نواذک ومرتلتہ ترتیلۃ یعنی ٹکڑے ٹکڑے

حضرت ابوبکرؓ
جمع قرآن کریم کیا
کام کیا

کے نازل کرنے میں ایک حکمت تو یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً وحی آتی کے نزول سے مورد وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسکین ملتی رہے (مگر کوئی خیال نہ کرے کہ ان کبریاں میں جو ترکیبیں ہو گئیں اور ان کی ترتیب کیا ہو گی کیونکہ ان کی ترتیب اور تدریج سے پڑھنا ہی ہماری کام ہے غرضیکہ ایسی ایسی آیات اور ان واقعات کے جو ہم تفصیل کے ساتھ پہلے بیان کر چکے ہیں نہایت صفائی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جمع قرآن کا اصل کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں خود ہی کیا تھا لیکن ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ سوائے ان صحابہ کرام کے جو کل قرآن شریف کو حفظ کرتے تھے دوسروں کو جمع کی ترتیب کے ساتھ قرآن کریم کے حفظ رکھنے کی ضرورت پیش نہ آ سکتی تھی پس قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں پوری ترتیب کے ساتھ جمع ہوتا تھا لیکن یہ جمع شدہ قرآن کریم صرف حافظوں میں ہی محفوظ تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کتاب یا ایک جلد کی صورت میں قرآن شریف کو جمع نہ کیا تھا۔ انہیں شک نہیں کہ ہر ایک آیت اور ہر ایک سورہ کے وقت تحریر میں بھی فی الفور محفوظ کر لی جاتی تھی۔ مگر جب تک مبسوط وحی علیہ الف صلوٰۃ والسلام موجود تھے اور وحی کا نزول جاری تھا۔ یہ سب تحریریں ایک جلد کی صورت میں جمع نہ ہو سکتی تھیں۔ وہ یہ بھی یہ تھی کہ بعض سورتیں جدا جدا تھیں یعنی مدنی زندہ تھیں ان میں نازل نہیں ان کی بعض آیات اخیر زمانہ نبوی تک نازل ہوتی رہیں پس اگر سورتوں اور آیات کو ترتیب کے ہر ایک جلد میں جمع کر دیا جاتا تو یہ مشکل پیش آتی کہ ایک سورہ جو جاری لکھی جاتی تھی اس کی کوئی آیت جب بعد میں نازل ہو اور بحفاظت ترتیب کے اس کا لکھی سورہ کے درمیان میں آنا ضروری ہو تو اسے کیا کیا جائے۔ حافظ میں تو ایسی ترتیب کا دینا ہر وقت ایک آسان امر تھا مگر تحریر میں جب درمیان کوئی جگہ چھوڑی گئی ہو قبل از وقت چھوڑی نہ جاسکتی تھی تو یہ وقت پیدا ہوتی کہ بعد کی نازل ہوئی ہوئی آیات جو ترتیب کے لحاظ سے کسی سورہ کے اندر آتی چاہئیں اپنے موقع پر رکھی جاسکتیں ایسی صورت کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کافی سمجھا کہ جمع شدہ قرآن پوری ترتیب کے ساتھ حافظوں میں محفوظ رہے۔ مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو پھر قرآن شریف کے ایک کتاب کی صورت میں جمع کرنے کی جو وقتیں تھیں وہ جاتی رہیں تاخیر یہی ضرورت قرآن کریم کو ایک جلد کی صورت میں جمع کرنے کی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وقت میں محسوس کی گئی مگر اس امر کو یاد کرنے کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرآن کو جمع قرآن پر مامور کیا۔ تاکہ وہ تحریر اور ایک جلد کی صورت میں اسی ترتیب کے ساتھ قرآن کریم کو جمع کریں جس ترتیب کے ساتھ یہ پاک کتاب حافظوں میں جمع تھی +

جو کہ میں نے یہاں بیان کیا ہے اس کی تصدیق اس حدیث صحیح سے ہوتی ہے جس میں حضرت ابوبکر کے وقت میں جمع قرآن کے واقعہ تفصیل ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک ایسے خلاف حضرت ابوبکر کو ایک حکم بھیجی گئی۔ اس جنگ میں کئی قراء شہید ہو گئے جس پر حضرت عمرؓ کو غم و غم ہوا کہ اگر اور جنگیں ایسی ہی خطرناک پیش آجائیں تو ممکن ہے کہ سب قاری یعنی حافظ لوگ قتل ہو جائیں اور اس طرح سے قرآن شریف کا کوئی حصہ ضائع ہو جائے۔ حدیث اس طرح ہے۔ حدثنا موسیٰ بن اسماعیل عن ابیہم ابن سعد حدثنا ابن شہاب عن عبد بن المساق ان زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قال ارسل

زید کا جمع ہونا
قرآن پڑھنا

الی ابوبکر الصدیق مقتل اہل الیمامة فاذا احمد بن الخطاب عنده قال ابوبکر رضی اللہ عنہ
 ان عمر انانی فقتل ان القتل قد استخیر یوم الیمامة لبراء القلان وانی اختل ان استخیر القتل
 بالبراء بالمواطن فینذهب کثیر من القلان وانی اری ان تامر یجمع القلان قلت لعمر کیف لفعل
 شیئاً لم یفعله رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال هذا والله خیر فلم یزل عمر یراجعنی حتی
 شرم اللہ صدی لذلک ورایت فی ذلک الذی بکی عمر قال یبکی قال ابوبکر انک رجل شاب
 عاقل لا تنهک وقد کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتبع القلان فاجعه
 فواللہ لو کلفونی لقتل جبل من الجبال ما کان القتل علی مما امرنی به من جمع القلان قلت یف
 لفتلون شیئاً لم یفعله رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال هو واللہ خیر فلم یزل ابوبکر یراجعنی
 حتی شرم اللہ صدی للذی شرم له صدی ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما فتبع القلان اجمعه
 من العسب واللخاف وصدور الرجال حتی وجدت احترس ورع التوبة مع ابی خزیمہ الانصاری
 لم احدها مع احد غیرک لفرجاءکم رسول من الفسکم عزیز علیہ ما عنتم حتی خاتمة براءة
 فکان الصنف عند ابی بکر حتی قرأ لا اللہ ثم عند عمر حیاته ثم عند حفصة بنت عمر
 رضی اللہ عنہ ترجمہ اس حدیث کا یہ ہے کہ یہ بن ثابت فرماتے ہیں کہ اہل یمامة کے قتل کے بعد بنی ان
 صحابہ کے جو جنگ یمامہ میں شہید ہوئے حضرت ابوبکر صدیق نے مجھے بلا بھیجا جب میں آپ کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ
 حضرت عمر بن خطاب بھی آپ کے پاس موجود ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ ابھی حضرت عمر
 میرے پاس آئے اور مجھے کہا کہ یمامہ کے جنگ میں قرآن کریم کے قاریوں میں بہت قتل واقعہ ہوا ہے اور میں ڈرتا
 ہوں کہ اگر وہ لوگ میری جیسی طرح قاری لوگ (یعنی حافظان قرآن کریم) قتل ہوتے تو بہت سا حصہ قرآن شایع
 کا گم ہو جائیگا اور میری پالے ہے کہ آپ جمع قرآن کا حکم دیدیں میں نے عمر کو کہا کہ تم کہیں کہ اس کام کو کرتے ہو جسے
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ عمر نے جواب دیا کہ خدا کی قسم اس میں بہتری ہے میں عمر میرے ساتھ مباحثہ
 کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے سینہ کو اس کیلئے کھول دیا۔ اور میری بھی اس میں ہی پالے ہو گئی وہ حضرت
 عمر کی پالے تھی۔ زید کہتے ہیں کہ پھر ابوبکر نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تم عقلمند اور جوان آدمی ہو اور ہم تم کی
 طرح کی شمت نہیں لگا سکتے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی بھی لکھا کرتے تھے پس قرآن کو تلاش
 کر کے اس کو ایک جگہ جمع کرو۔ خدا کی قسم ہے اگر مجھے اس بات پر مجبور کرتے تو ایک پٹا کو ایک جگہ سے دوسری جگہ کر دو
 تو یہ بات مجھے زیادہ دشوار معلوم نہ ہوتی نہ نسبت اس کے کہ مجھے جمع قرآن کا حکم دیا میں نے کہا تم کس طرح وہ کام کرتے ہو
 جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا واللہ یہی بہتر ہے پس حضرت ابوبکر مجھے جواب
 دیتے رہے یہاں تک کہ خدا نے میرا سینہ اس بات کے لئے کھول دیا جس کے لئے اس نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ
 عنہما کے سینے کھولے تھے پس میں نے قرآن کو تلاش کرنا شروع کیا اور میں اسے جمع کرنا تھا کھجور کی ٹمبیوں

اور پھر کی تختیوں سے اور آدمیوں کے سینوں یعنی حافظوں سے یہاں تک کہ اخیر سورۃ توبہ مجھے ابی خزمہ انصاری کے پاس سے ملا اور اسی کے پاس وہ مجھے تبیں ملا یعنی لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم سے براہ کے فاتر تک پس یہ صحیفہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس تھے یہاں تک کہ حصّے تھامنے لگے ان کو فائدہ ہی پھر حضرت عمرؓ کی زندگی میں ان کے پاس رہے اور اس کے بعد ائمہ المؤمنین حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہے اس حدیث شریف سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں پہلے اول اس سے یہ نہایت صفا فی سے ثابت ہے کہ کل کل قرآن شریف قرآن یعنی ان لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحنہ جہاں اور آپ کے سامنے اسے حفظ کر رکھے تھے حضرت عمرؓ نے جو اندیشہ ظاہر کیا وہ یہ تھا کہ اگر قراء میں سے کسی سب سے بڑے جانیں تو قرآن کریم کے ہر حصّے کے ضائع ہونے کا اندیشہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خوب جانتے تھے کہ اگر حافظان قرآن کریم کی زندگی ان خطرے میں نہیں تو قرآن شریف کے بھی ضائع ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہوگا یا حافظان قرآن کے سینوں میں لاکھ و کاست سارا قرآن شریف جمع تھا۔ دوسری بات جو اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وقت میں جو جمع قرآن شریف کا کام کیا گیا۔ اس کی فرض یہ تھی کہ حافظان قرآن کریم یعنی قراء کے قائم مقام ایک اور امر یہ ہے جو جانتے یعنی قرآن کریم اس صورت میں جمع ہو جائے کہ تمام قراء کے لئے جانے کی صورت میں بھی اس کے کسی حرف یا لفظ کے تلف ہو جانے کا خطرہ باقی نہ رہے حضرت عمرؓ کس بات کا اندیشہ ظاہر کرتے ہیں؟ صرف یہ کہ جیسا ہمارے جنگ میں کئی قراء ہائے گئے اگر ایسے ہی خطا ناک جنگ اور پیش آجائیں تو باقی حافظان قرآن کی زندگی ان بھی معرض خطر میں ہے لیکن آپ نے اس بات پر زور دیا کہ قرآن کریم حافظوں میں ہی جمع نہیں بلکہ ایسی جمع قرآن شریف کی کی جائے جس کو بعض انسانوں کے لئے جانے سے کوئی نقصان نہ پہنچے اس سے اس کے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایک طرح سے یعنی حافظوں میں تو قرآن کریم سورتوں اور آیتوں کی ترتیب کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع کر دیا تھا مگر حضرت عمرؓ پر چاہیے تھے کہ تحریر میں بھی قرآن شریف جمع ہو جائے تاکہ قاریوں کے لئے جانے سے قرآن کریم کے کسی لفظ کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ باقی نہ رہے۔ حدیث نہیں کہتی کہ قرآن کریم اس وقت تک جمع ہوا تھا بلکہ رضوان اس کے یہی شہادت کھلے طور پر اس بات کو توثیق کرتی ہے کہ سینوں میں قرآن شریف بالکل محفوظ تھا پر اندیشہ ہو گا کہ اگر وہ سینوں میں ہی یہ ایک کلام محفوظ تھا دی نہ رہے یعنی حافظ ابوبکرؓ کے سب جنگوں میں شہید ہو جائیں تو پھر کیا ہو گا اس خطرہ کے مقابلہ کے لئے تحریر میں اور ایک جگہ کی صورت میں قرآن کریم کا جمع کرنا ضروری سمجھا گیا اس حدیث سے بھی ہمیں سمجھنا چاہیے کہ حضرت عمرؓ کو قراء کے حافظوں میں پر اعتبار تھا حافظوں پر پورا اعتبار تھا لیکن قراء کی ذلیل خطرناک جنگوں کے پیش جانے کی وجہ سے معرض خطر میں پڑ گئی تھیں تیسری بات جو اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت تک جب جگہ کی صورت میں جمع قرآن کا کام شروع کیا گیا قرآن شریف کا کوئی حصّہ ضائع نہ ہو چکا تھا حضرت عمرؓ صاف الفاظ میں یہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس طرح کیا کہ اگر باقی قراء بھی جنگوں میں شہید ہو جائیں اور دفعہ کسی جنگ میں سب فاتر ہو جائے تو قرآن شریف کا کوئی حصّہ ضائع ہو جائے حضرت عمرؓ کا اندیشہ صرف آئندہ کے متعلق تھا۔ ان کے کسی لفظ سے ہمیں پایا جا کہ اس وقت بھی قرآن شریف کا کوئی حصّہ یا کوئی لفظ ضائع ہو چکا تھا بلکہ ان کے الفاظ کا جس میں انہوں نے ظاہر کیا ہے کہ جو قراء

حدیث جمع
چند نتائج

یعنی حافظان قرآن کریم اس وقت موجود ہیں۔ ان کے مانے جانے سے قرآن کریم کے کسی حصے کے ضائع ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ یہ صاف شہادت ملتی ہے کہ اس وقت تک کچھ نسخائیں نہ تھیں اور کلامِ شریف کو اس حدیث ثابت ہوتا ہے۔ کہ اسرار قرآن شریف جمع ہو کر قرآنِ لایحی حافظان قرآن کریم کے حافظوں میں پورے طور سے محفوظ تھا۔ اور کہ حضرت عمرؓ اس جمع کے علاوہ جو سینوں میں محفوظ تھے ایک جمع قرآن کریم کی ایسی جانتے تھے جو کتاب کی صورت میں ہو اور کہ جب تحریری جمع کا کاغذ شروع کیا گیا تو اس وقت تک حافظوں کے جمع شدہ قرآن شریف میں سے کوئی حرف یا کوئی لفظ ضائع نہ ہوا تھا۔ یہ تین نہایت ضروری باتیں ہیں جن کو یاد رکھنا چاہیے۔ کہ تینوں میں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے حافظوں میں جمع کر کے محفوظ کر دیا تھا وہ بلا کسی تغیر و تبدل کے اور بغیر کسی حرج کے بڑھاتے جانے یا گھٹانے طے کے اسی ترتیب کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ حدیث جس سے یاد پورا ہوئی ہے کو پہنچنے میں اول درجہ کی معتبر اور صحیح احادیث میں سے تسلیم کی گئی ہے +

جمع مسودات پر
یکسٹ

اب ہم نے یہ دکھانا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا ان الفاظ سے کیفیت الفعل مثلاً لیفعلہ سرال للہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اس کو ہم کوئی ٹکڑا کر سکتے ہو کیا منشاء تھا۔ یہ الفاظ حضرت ابوبکرؓ کے عمرؓ کی کسی چیز کے متعلق تھے جس کو جو چیز پیش کی گئی تھی اسی کے متعلق جواب بھی ہونا چاہیے۔ اب یہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی تجویز مطلق جمع قرآن کے متعلق نہ تھی بلکہ یہاں تک تو وہ مطمئن تھے کہ قرآن کریم حفاظ و اقران کے سینوں میں جمع ہے لیکن ان کو یہ پتا تھا کہ اگر حفاظ اور اقران ہی کے سینوں میں شہید ہوجاویں تو ایسا نہ ہو کہ قرآن شریف کا کوئی حصہ ضائع ہوجائے اس لئے انہوں نے قرآن کریم کے ایک جگہ کی صورت میں جمع کر لینی تجویز پیش کی تھی جو قرآن کے نہایت ہی صورت میں بھی محفوظ کی محفوظ ہی ہو۔ دوسری طرف یہ امر بھی مسلم ہے کہ اگر یہ مکمل اور جمع قرآن شریف صورتوں اور آیتوں کی صحیح ترتیب کے ساتھ نہایت محفوظ طور پر حافظان قرآن کریم کے حافظوں میں موجود تھا۔ لہذا جو تحریریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زور و کھوائی تھیں جیسا کہ ہر ایک آیت اور ہر ایک سورہ کا لکھا جانا ثابت ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سب کی سب ایک جگہ جمع نہ کی گئی تھیں اور نہ ہی ان کو کوئی ترتیب گئی تھی اور جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے مضبوطی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ان تحریروں کی صحیح اور ترتیب بھی نہ مل سکتی تھی کیونکہ حافظان قرآن شریف تو یہ ایک آسان امر تھا کہ جب کوئی نئی آیت نازل ہوتی اور ان کو بتا دیا جاتا کہ اس کو فلان سورہ میں فلان آیت کے بعد پڑھو تو وہ آسانی سے پیکر سکتے تھے مگر ایک مکمل جملہ میں جو میں ایسی باتیں داخل نہ ہو سکتی تھیں اب جو حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ قرآن کی زندگی ان شمسوں کے ہاتھ سے خطرہ میں ہے تو آپ نے نہایت دور اندیشی کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ سے یہ درخواست کی کہ وہ ان تحریروں کے جمع کرنے کا حکم دیں۔ یہ وہ کام تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نہیں کرایا تھا۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے پہلے ہی جواب دیا کہ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اس کو ہم کیونکر کر سکتے ہو اس جواب کے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہی ہے کہ آنحضرت کے صحابہؓ وہی اہل کے متعلق چلے درجہ کی احتیاط سے کام لیتے تھے حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امر پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان غرض بحث ہوئی جیسا کہ غلہ زیل عمرؓ را جی

تے بست یعنی حضرت عمرؓ فرمایا توں کا جواب دیتے ہے۔ اب اس حدیث شریف میں سن کر کچھ تذکرہ نہیں کیا سوال تھے اور کیا جواب تھے مگر اخیر نتیجہ اس کا یہ نکلا ہے کہ حضرت عمرؓ کی بات جو اس کے کوہ قویٰ تر و جہ اور مضبوط تر و لائل پر مبنی تھی حضرت ابو بکرؓ نے بھی تسلیم کر لی۔ بلکہ جب زید رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابو بکرؓ کی طرح پہلے یہی جواب دیا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اس کو تم کیونکر کر سکتے ہو تو انہی لائل سے حضرت ابو بکرؓ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو قائل کیا اور آخر انہیں بھی اسی کو تسلیم کرنا پڑا قیاس سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا جو کام اگر تحریری طور پر قرآن شریف کو جمع کرنے کا مشاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ ہوتا تو آپ اس قدر احتیاط کیوں فرماتے کہ جو بھی ایک بات نازل ہوئی اسی وقت کا تباہی نہ کی کہ اسے لکھوایا اور پھر یہ بھی بیان کیا جو کام اگر تحریر میں جمع کرنے سے ہم کوئی تکام نہیں کرتے بلکہ جمع تو اصل خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کر چکے ہیں اور تمام و کمال ترتیب کے ساتھ اسے محفوظ کر کے سینوں میں محفوظ کر چکے ہیں۔ ہم نے صرف اسی جمع کا تتبع کر کے اصل تحریروں کو ایک سلسلہ کی صورت میں جمع کر دیتے۔ یہ چونکہ اقوات حق تھے اسلئے حضرت ابو بکرؓ اور زید اور پھر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے انکو تسلیم کیا۔ عرض نہ کہ حضرت عمرؓ کی تجویز مطلق جمع کے متعلق تھی اور نہ ہی حضرت ابو بکرؓ کے جواب کا مشاء بیتھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعاً قرآن کو جمع ہی نہیں کیا۔ بلکہ یہ تجویز اور جواب دونوں تحریری جمع کے متعلق تھے۔

جمع مسودات کی مشکلات

اسی حدیث میں یہ الفاظ حوزیہ نے مشکلات کا خیال کر کے کہے کہ اگر مجھے ایک پہاڑ کو ایک جگہ کے دوسری جگہ نقل کرنے کیلئے کہا جاتا تو مجھے جمع قرآن کی تجویز کی نسبت زیادہ و مشوارہ معلوم ہوتا ان الفاظ کو بعض کو تائید میں اور کم فہم معترنین نے محل اعتراض بنایا ہے اور ان سے یہ مطلب نکالنا چاہتے ہیں کہ جو کیا قرآن شریف اس وقت ایک ایسی پرگندہ صورت میں تھا کہ زید رضی اللہ عنہ اسے جمع کرنے کو پہاڑ کے اٹھانے کی طرح ناممکن سمجھتے تھے۔ ایسی بین شہادتوں کے بہتے ہوئے جن سے صفائی سے ثابت ہو رہا ہے۔ کہ صحابہؓ کی جماعت میں سے کسی حافظ قرآن کریم کے موجود تھے! اور کل قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت میں جمع ہو چکا تھا ایسی دور از قیاس باتوں کو پیش کرنا حماقت اور تعصب کی انتہائی حد ہے۔ زید کو تو خود ایسے بھی یہ تجویز و مشوارہ معلوم ہو رہی تھی کہ ان کے ذہن میں ابھی تک یہ بات نہ آئی تھی کہ جب تحریر ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع نہیں کیا تو اور کوئی نہ کیونکر کر سکتا ہے۔ چنانچہ سنا تھی وہ کہتے ہیں کہ تم اس کام کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا کیونکر کر سکتے ہو لیکن اگر یہ بھی مالیں کہ انہوں نے جمع قرآن کی مشکلات کو مد نظر رکھ کر یہ الفاظ فرمائے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے اس سے قیاس میں ہمیں ہر مسئلہ کا اس سے پہلے قرآن شریف مطلقاً جمع ہی نہ ہوا تھا تجویز حضرت عمرؓ کی تحریروں کو جمع کرنے کی بھی اور یہ افعیٰ ایک بڑا مشکل اور بھاری کام تھا۔ چنانچہ ان کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو ابن ابی داؤد نے مصاحف میں بیان کی ہے۔ قال قامر عمرؓ قال من كان تلقى من رسول الله صلى الله عليه وسلم شيئا من القرآن فليأت به وكانوا يكتبون ذلك في الصلوات والاعلام والحصص قال وكان لا يقبل من احد شيئا حتى يشهد شاهدان. راوی کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور عام اعلان کیا کہ جس قرآن شریف کا کوئی ٹکڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدلہ نہ لیا چنانچہ ہر وہ اسے لے آئے اور وہ بھی صحابہؓ قرآن شریف

کاغذوں اور تختیوں اور کھجور کی شاخوں پر لکھ لیا کرتے تھے پھر وہی راوی کہتا ہے کہ کسی سے کوئی چیز یعنی کچھ اس قرآن کا ٹکڑا قبول نہ کیا جاتا جب تک کہ دو گواہ گواہی دیتے۔ فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۲۱ میں میرے یہ مضمون ہوتا ہے اور یہی شہادت حدیث زکریہ سے ملتی ہے۔ کہ حضرت ابو بکرؓ کے وقت میں جمع قرآن کا منشاء ان اصل تحریروں کو اکٹھا کرنے کا تھا جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں لکھی گئی تھیں۔ پس یہی وہ مشکل تھی جس کے مد نظر یہ لکھ کر دیتے اس کام کو اس قدر مشورہ کچھ۔ قرآن کریم کا بہت سا حصہ مکہ میں نازل ہوا تھا اور مدینہ میں نازل ہوا تھا وہ بھی سارا زید کے قبضہ میں نہ تھا کیونکہ زیدؓ کی عمر حاضر ہی میں بعض وقت اور کاتب بھی لکھنے کیلئے بلا لئے جاتے تھے حضرت زیدؓ کو منتخب اسلئے کیا گیا کہ زیدؓ میں قرآن کریم نازل ہوا تھا اس کا اکثر حصہ زیدؓ ہی لکھا تھا۔ اور غالباً وہ سب سبوحات انہی کے قبضہ میں تھے۔ مگر اس کام کو انجام دینا واقعی ایک بڑا دشوار کام تھا۔ تمام اصلی تحریروں کو جس جس کے قبضہ میں وہ تھیں وہاں سے تلاش کرنا تھا۔ اور پھر ان کو اس ترتیب کے ساتھ جو حفظان قرآن کے سینوں میں محفوظ تھے ترتیب دینا تھا۔ ہاں اس قدر رونق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ایسی تحریر میں سے ضائع کچھ نہ ہوا تھا بلکہ جس کسی کے پاس تھیں نہایت حفاظت سے رکھی ہوئی تھیں کیونکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ قرآن کریم کے متعلق صحابہؓ نہایت احتیاط سے کام لیتے تھے۔ اور یہ ممکن نہ تھا کہ وہ ان تحریروں کو ضائع کر دیتے جن کو وہ اپنی جانوں سے بھی عزیز سمجھتے تھے بے حال یہ ایک مشکل کام تھا اور ان تمام مشکلات کے پورے پورے احساس نے ہی زیدؓ کے منہ سے یہ الفاظ نکلے کہ یہ کام ان کو ایک پہاڑ نظر آیا +

اور بھی کئی باتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زیدؓ کے سر جو کام چکا گیا وہ ان اصلی تحریروں کو اکٹھا کرنا تھا جو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سامنے لکھی گئی تھیں حضرت ابو بکرؓ اور عمر رضی اللہ عنہما کا پیشناہ نہیں تھا کہ جس طرح حافظ لوگ قرآن شریف کو پڑھتے ہیں اس کے مطابق ابائینہ لکھ لیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کے پہلے یہ لفظ تھے جو زیدؓ کو فرمائے کہ قرآن کو تلاش کرو اور اکٹھا کرو۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ تلاش کر سبے منشاء تحریروں کو تلاش کرنا ہی ہو سکتا تھا۔ اگر منشاء صرف اسی قدر ہوتا کہ حافظوں کو جمع کر کے جس طرح وہ قرآن شریف پڑھیں اسی کے مطابق ایک نسخہ لکھ لیا جائے تو حضرت ابو بکرؓ تلاش کرنے کا حکم نہ دیتے۔ کیونکہ یہ نہایت شدہ امر ہے کہ اس وقت تک سارا قرآن شریف حافظوں کے سینوں میں محفوظ تھا اور کوئی حصہ اس کا ضائع نہ ہوا تھا۔ نہ ہی زیدؓ اس صورت میں کام کو اسی طرح مشکل سمجھ سکتا تھا کہ وہ ان مشکلات کو ایک پہاڑ کے ساتھ تشبیہ دیتا۔ ایسی صورت میں کیا ہی تھا کہ چند حافظوں کو جمع کر لیا جاتا اور جس طرح وہ لکھتے جاتے اسی طرح حضرت زیدؓ لکھتے جاتے۔ اور اس طرح صحت کا پورا اہتمام ہو سکتا تھا۔ مگر حضرت عمرؓ کا منشاء اصل تحریروں کو جمع کرنا تھا جو آنحضرتؐ کی ہدایت سے لکھی گئی تھیں تا اس طرح پر نہ صرف طرز تحریر ہی محفوظ ہو کر آئندہ نسلوں تک پہنچ جائے بلکہ اصل کی تصدیق بھی دوسرے طور پر ہو جائے۔ اور صریح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زیدؓ نے اسی کے مطابق کارروائی شروع کی اور حضرت عمرؓ کے منشاء کو پورا کیا۔ کیونکہ جب ان کو معلوم ہو گیا۔ کہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ رضی اللہ عنہما حق پر ہیں تو پھر وہ اپنی کارروائی کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ ہم نے قرآن کریم کو تلاش کرنا شروع کیا ہیں اس کو جمع کرنا تھا کھجور کی شاخیں اور سینوں کی تختیوں سے اور آدمیوں کے سینوں سے

جمع ہو کر نہیں
صل مسودہ
کو جمع کیا گیا

انہیں ایسے تھے جو سارا قرآن شریف حفظ رکھتے تھے۔ اور ایک گروہ کثیر ایسا تھا جن کو بڑا حصہ قرآن شریف کا یاد تھا کسی کو کوئی حصہ اور کسی کو کوئی حصہ اور کچھ کسی کو یاد تھا وہ انکی برابر تعداد میں لگے بستے تھے نماز میں بھی اور نمازوں سے باہر بھی ایسے آدمیوں کی موجودگی میں یہ ناممکن تھا کہ کوئی کمی بیشی یا تغیر واقع ہو سکتا۔ پانچ صحابہ کے درمیان قرآن کریم کے اجزاء کے بہت سے فرق تھے۔ اور یہ نسخے اپنے اپنے زمانہ سے ہی مرجع تھے ہر ایک آیت یا حصہ جب نازل ہوتا تو پہلے ایک تحریر کا نسخہ لکھ کر سامنے لکھی جاتی پھر اسی سے صحابہ اپنے اپنے طور پر لکھ یا لکھوا لیتے۔ اب یہ نسخے منفرق طور پر کوئی کسی صحابی کے پاس اور کوئی کسی صحابی کے پاس موجود تھے۔ اور ان میں بعض کی صحت کو رکھنے کے لئے جو مدعی اللہ عنہ نے تیار کیا تھا کافی تعداد دوسری تحریروں کی موجود بھی ایسا ہی جو نسخہ ایک صحابی کے پاس تھا اس کا مقابلہ دوسرے سے ہو سکتا تھا۔ اور اس طرح ہر ایک کے مجموعہ میں غلطی کے داخل ہونے کا امکان باقی نہیں رہتا۔ ایک طرف حافظہ کی زبردست شہادت اور دوسری طرف تحریر کی مضبوطی گواہی ان دونوں میں سے ہر ایک بجائے خود ہی بڑی بھاری گواہی تصدیق صحت کے لئے کافی تھی مگر دونوں نے ملکر وہ کام کیا جس کی نظیر دنیا کی کسی دوسری کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ ششستر کسی روایت یا حدیث میں یہ حکم نہیں کہ حضرت ابوبکر کے وقت میں جو جمع قرآن مجید اس میں کچھ نقص تھا یعنی کوئی حصہ داخل ہونے سے گیا تھا یا کوئی ایسا حصہ داخل ہو گیا تھا جو کلام الہی نہ سمجھا جاتا تھا۔ خود میر کو اس بات کا اقرار ہے تیار کیا وہ لکھتا ہے۔ کوئی اجزاء کوئی فقرہ یا کوئی الفاظ ایسے نہیں تھے کہ جو جمع کنیوالوں نے چھوڑ دیئے ہوں یا کوئی ایسے پاؤں چلے ہیں جو اس مجموعہ اختلاف رکھتے ہوں۔ اگر ایسے کوئی اجزاء یا فقرہ یا الفاظ بہت تھے تو ضرور دیکھا کہ ان کا تذکرہ ان احادیث میں پایا جاتا ہے جہاں حضرت علی علیہ السلام کے اقوال اور افعال کی نسبت چھوٹی ہے چھوٹی باتیں بھی محفوظ رکھی گئی ہیں۔ پس اس بات کا یقین کرنے کیلئے کہ حضرت ابوبکر کے حکم سے جو مجموعہ صحیفہ تیار ہوا تھا وہ کیا لحاظ اور تریبا در کیا لحاظ عبادت کے اس مجموعہ سے جو انھیں صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ہر ایک تیار ہو کر سہ ماہ کے سینوں میں محفوظ ہو چکا تھا پوری پوری مطابقت رکھتا تھا قرآنی نہیں دجوات موجود ہیں۔ اگر ایسی مطابقت ہوئی تو صحابہ کبھی اس مجموعہ کو جوڑ بیٹھنے تیار کیا تھا تو بدل نہ کرے۔ مجاہد بن جهمیل حضرت ابوبکر کے پاس ہا اور آپ کی وفات پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس باپھر آپ کی وفات کے بعد ائمہ المؤمنین حضرت حفصہ کے پاس ہا اور حضرت عثمان کے وقت میں انہیں کے پاس موجود تھا اس طرح ہر مجموعہ جو کسی قیود تبدیل کے حضرت عثمان کے وقت تک پہنچا۔ یہ بھی غلط ہے کہ اس نسخہ سے دوسرے لوگوں نے اپنے اپنے لئے نسخے لکھے۔ ہوں اور اس طرح اس کی کافی اشاعت بھی ہو گئی۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عمر خلافت میں بعض اموال ایسے پیدا ہوئے کہ امیر المؤمنین نے اس بات کو ضروری سمجھا کہ بڑی احتیاط اور حفاظت کے ساتھ اپنے اہتمام میں چند نسخے اس میں سے لے کر کچھ اکوڑا لئے جو اس دوران نسخوں کی اشاعت کو جو آئی تک بطور فردوگوں نے لکھ رکھے تھے۔ روک دیا جائے۔ چنانچہ حدیث جس میں ان واقعات کا تذکرہ ہے صحیح بخاری میں ہے اور حسب ذیل ہے۔

عن الحسن بن مالک ان حذریقہ ابن الیمان قدم علی عثمان دکان لیغار فی الشام فی فتم امر صلیبۃ و

حضرت عثمان
مجموعہ صحیفہ
ابوبکر کی پوری

ادریحان مہم اہل العراق فافزع حذيفة اقتلا فصر في القراءة فقال حذيفة لعثمان يا امير المؤمنين ادرك هذه الامة قبل ان يمتحن في الكتاب اختلاف اليهود والنصارى فامرسل عثمان الى حفصة ان ارسل لي كتابا لصحف نسخها في المصاحف ثم تردها اليك فارسلت بها حفصة الى عثمان فامر زيد بن ثابت وعبد الله بن الزبير وسعيد بن العاص وعبد الرحمن بن الحارث بن هشام فنسخوها في المصاحف وقال عثمان للرهط القرشيين الثلاثة اذا اختلفتم انتم وزيد بن ثابت في شئ من القرآن فالتبسوا بلسان قریش فانما نزل بلسانهم ففعلوا حتى اذا نسخوا الصحف في المصاحف رجع عثمان الى حفصة فارسل الى كل ائمة من الصحف مما نسخوا وامر بما سواها من القرآن في كل صحيفة او مصحف ان يحرق ثم رجع اليه ابن ابی اسحق بن عبد الله عن روايت كرتے ہیں کہ حذیفہ ابن الیمان حضرت عثمان کے پاس آئے اور ان دنوں وہ فتح اسیبیر میں تھا کہ ساتھ اوراذربجان میں بل عراقی کے ساتھ جنگ کرتے تھے یہاں ان لوگوں کی قرائت نے حذیفہ کو گھبرا دیا پس وہ حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین اس امت کی خبر لو قبل اس کے کہ وہ کتاب میں ایسا اختلاف کر لے لگیں جیسا کہ یہود اور نصاریٰ کرتے ہیں پس اس پر حضرت عثمان نے حصہ کے پاس آدمی بھیجا کہ صحیفے (یعنی مجموعہ قرآن جو حضرت ابوبکر کے وقت میں تیار ہوا تھا) بجایے پاس بھیج دو ہم اس کی نقلیں مصحفوں میں کر لینگے۔ اور پھر اصل صحیفے آپ کو واپس بھیج دیجئے۔ حصہ نے ان صحیفوں کو حضرت عثمان کے پاس بھیج دیا اور حضرت عثمان نے زید بن ثابت اور عبد اللہ بن زبیر اور سعید بن العاص اور عبد الرحمن بن حارث بن ہشام کو حکم دیا پس ان لوگوں نے ان صحیفوں کو مصاحف میں نقل کیا۔ اور حضرت عثمان نے قریشی جماعت کو یہ بھی ہدایت فرمائی کہ جب تم اور زید بن ثابت (جو مدنی تھے) کسی امر میں اختلاف کرو تو اس کو قریش کی زبان میں لکھ لو کیونکہ قرآن کریم انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے پس انہوں نے آپ کے احکام کی تعمیل کی اور جب صحیفوں کو مصاحف میں نقل کر چکے تو عثمان نے وہ صحیفے حصہ کو واپس بھیج دیئے۔ اور ہر ایک طرف میں ایک مصحف ان میں کا ہر دیکھے گئے بھیج دیا کہ جہاں کہ اس کے سوا جس صحیفہ یا مصحف میں قرآن لکھا ہوا ہو اسکو جلا دیا جائے۔

اس سرے کے ان حالات کا اندازہ لگ سکتا ہے جنہوں نے حضرت عثمان کو اس حکم کے دینے پر مجبور کیا کہ تمام قرآن جن پر بطور و بعض لوگوں نے قرآن شریف کھل یا اس کا کوئی جزء لکھ لیا تھا جلا دے جائوں اور آئینہ کے لئے ان صحیفوں سے نقلیں لیاجوں جو خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت سے مجھوئے نقل کر لے تھے حضرت عثمان کی فراخ کا ایک جزیل جوارمینیا اوراذربایجان میں جنگ کر رہی تھیں آپ کے پاس آیا اور یہ بیان کیا کہ لوگوں میں اختلاف قرآن ہو رہا ہے۔ یا مہم بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اختلافات کا ہونا ملک شام اور ارمینیا وغیرہ میں بڑا کیا گیا ہے اور ایسے مقامات پر جسے مکہ اور مدینہ یا عرب کے اندر ایسے اختلافوں کی کوئی شکایت نہیں کی گئی اب شام اور ارمینیا نے نئے فتح شدہ ملک تھے اور ان ملکوں کے لوگ جن کی زبان عربی نہ تھی نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے

حضرت عثمان کو
لیا ضرورت
پیش آئی

یا اختلافات کس قسم کے تھے خود حذیفہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف قرأت یعنی پڑھنے کی طرز میں اختلافات تھے پھر یہ بھی ان اختلافات کی نسبت بتایا گیا ہے کہ وہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سے اختلاف نہ تھے۔ ہاں یہ یزید بن ابی مرہ کھلیا ہے کہ اگر مردقہ بن خربزہ کی گنجی تو یہ اختلاف بڑھتے بڑھتے یہود اور نصاریٰ کے سے نہ ہو جائیں۔ کیونکہ اگر رنح اختلاف نہ کیا جائے تو ضرور ہے کہ مرد زناد سے وہ اختلاف کچھ کچھ رنگ بکڑلیں۔ واقعی کن کن الفاظ میں اور کیا کیا فرق تھا اس کا جواب دینا ایک مشکل امر ہے۔ مگر بعض دوسری احادیث اور روایات پر غور کرنے سے ان اختلافات کا کچھ پتہ لگتا ہے احادیث میں یہ ذکر موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض الفاظ کو لغت قریش کے سوا دوسری لغتوں میں ادا کرنے کی اجازت دی تھی۔ اور اس وقت بھی بعض لوگوں کو اس اجازت کی خبر نہ تھی ایسے لوگوں کو دیکھ کر اور شن کر کسی لفظ کو دوسری لغت میں ادا کرتے تھے ابتلا پیش آیا تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان کو پڑھتے سن کر ان کی گردن میں چادر ڈال کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بیٹھے کہ یہ لفظ پڑھتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان کے پڑھنے کو صحیح قرار دیا اس اجازت کی اصل وجہ یہ تھی کہ جب قریش عرب بلام میں داخل ہوئے تو ان میں بعض اقوام ایسی تھیں جن کی بولی اگرچہ عربی تھی مگر فاصلہ محاورہ قریش کے بولنے پر وہ قادر نہ تھے۔ اور اسی لیے ہی ان کو بعض الفاظ کے خاص طریقوں پر ادا کرنے کی عادت ہو گئی تھی پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اجازت دیجی کہ وہ لوگ جن حروف کو زبان قریش میں ادا نہیں کر سکتے انہیں اپنے محاورہ میں ہی اور اپنی طرز پر ادا کر لیں۔ یہ امر ظاہر ہے کہ مختلف حروف میں بعض الفاظ کو ادا کرنے کی اجازت ایک ضرورت تھی تھی اور اس اجازت کے وہ لوگ فائدہ اٹھا سکتے تھے جو بچپن سے بعض الفاظ کو خاص طرز پر ادا کرنے کے عادی ہو گئے تھے اور محاورہ قریش میں جس میں قرآن شریف نازل ہوا تھا ان کو ادا نہ کر سکتے تھے۔ مگر اب جبکہ اسلام لائے اور عرب باہر پھیل گیا تو یہ ضرورت بھی ایک حد تک مفقود ہو گئی۔ کیونکہ جن لوگوں نے عربی زبان کو سیکھا تھا اور عربی ان کی اپنی مادری زبان نہ تھی ان کے لیے یہ امر ہوتا تھا کہ ایک لفظ کو محاورہ قریش میں ادا کر میں یا کسی دوسری قوم کے محاورہ میں۔ مگر بعض صحابہ جو ایسے حروف میں قرآن کریم کی تعلیم دیتے تھے وہ اب تک قرآن شریف کو بعض دوسرے حروف پر پڑھا لے تھے اور محاورہ قریش میں ان کو ادا نہ کرتے تھے۔ یہ بھی فایس معلوم ہوتا ہے کہ بعض نے عمداً اور بلا وجہ بھی بعض قرائتوں کو اختیار کر لیا تھا اور انہی کے مطابق نو مسلموں کو بھی تعلیم دیتے تھے۔ کوئی خاصیت سے اس بات کا ہونا پایا جاتا ہے۔ اور اس جگہ کے اختلافات کو دیکھ کر حذیفہ حضرت عثمان کے پاس پہنچے تھے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حذیفہ نے ان لوگوں کو ملامت کی جو اس قسم کی قرائت قاندازی کرتے تھے بعض کہتے تھے ہم ابن مسعود کی قرأت پڑھتے ہیں بعض کہتے تھے ہم ابی بن کعب کی قرأت پڑھتے ہیں کوئی کہتا تھا میری قرأت تمہاری قرأت سے بہتر ہے بلکہ یہاں تک ذہن پہنچی تھی کہ بعض بعض کی انہی باتوں کی وجہ سے تکفیر کرنے لگے۔ کیونکہ وہ لوگ اسلام میں صرف اللہ ہونے کی وجہ سے اہل بیت کے نادان تھے۔ حالانکہ اگر اہل بیت اختیار کرنے کے لیے سب لوگ اہل محاورہ قریش پر آسانی سے پڑھ سکتے تھے حضرت عمرؓ کے وقت کا ایک اقرب بھی

اس کی تائید کرتا ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر کے پاس خبر پہنچی کہ ابن مسعود حتیٰ میں کی بجائے عتیٰ میں پڑھاتے ہیں اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابن مسعود کے نام حکم جاری کیا کہ قرآن شریف اہل نزل لسان قریش میں ہی ہے۔ پس آپ بذیل کی لغت میں لوگوں کو قرآن نہ پڑھائیے۔ کیونکہ ذیل حتیٰ کے بجائے عتیٰ بولتے تھے۔ جیسا کہ کسی عربی لغت کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اب اگر حتیٰ میں کو عتیٰ میں پڑھنے کی اجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محاورہ ذیل کے سبب دی مگر ان نو مسلموں کو ذیل کی لغت پر قائم کرنا بالضرورت اختلافات و التماثل اسلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو منع کیا۔ پھر فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۲۰ میں شراذکر محمد علی ابن مسعود قارئ عتیٰ و کتب الیہ از القرآن لہ بذیل بلغۃ ذلیل فاقری الناس بلغۃ قریش ولا تقر بشعر بلغۃ عدیل میں ایک نوید ضرورت اختلاف قرات کو پھیلانا۔ اور پھر دوسری طرف ان نو مسلموں کا ناواقفیت کی وجہ سے ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگانا۔ ایسے امور تھے جنہوں نے حذیفہ اور عثمان رضی اللہ عنہما کے دلوں میں غم بید کیا اس کا علاج سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ مختلف حروف کو جن میں قرآن شریف کے پڑھنے کی اجازت دجی تھی تحریر میں لایا جاوے بلکہ ایسے تمام نسخوں کو جو کفر کے ایسے نسخے مناسب احتیاط سے لکھ کر شائع کئے جاویں جو قریش کے محاورہ کے مطابق لکھے گئے تھے۔ کیونکہ یہی وہ محاورہ تھا جس میں قرآن کریم نازل ہوا اور دوسرے حروف میں پڑھنے کی اجازت بعد میں اور خاص ضرورتوں کے لئے دی گئی تھی۔ پس جب وہ ضرورتیں نہ رہیں تو اس اجازت کی بھی ضرورت نہ رہی +

اب جب میں ان اختلافات کی جن کو دیکھ کر حذیفہ کو خطرہ پیدا ہوا تھا اور جن کی صلاح عثمان رضی اللہ عنہ کے مد نظر تھی کچھ تحقیق معلوم ہو گئی تو اب یہ دیکھنا چاہئے کہ حضرت عثمان نے ایسے نو پڑ قرآن شریف کی نقل کرنے میں کیا کیا خاص ہدایات دی تھیں جہاں تک ان کا تذکرہ حدیث شریف میں ہے۔ یہ لفظ ہیں کہ اذا اختلفتم ویزیلین ثابت فی سنی من القرآن فاكتبوه بلسان قریش فانہ نزل بلسان فقہ یعنی جب سارا اور زیدین ثابت کا کچھ اختلاف ہو تو قریش کی زبان میں لکھو۔ کیونکہ قرآن شریف قریش کی زبان میں ہی نازل ہوا ہے اور یہ بھی ساتھ ہی لکھا ہے کہ فقلوا ذلك یعنی انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی اس سے معلوم ہو گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس سے آگے قدم نہیں رکھا جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا کہ کیونکہ صحابہ انہوں نے ابن مسعود کو لکھا تھا کہ ذیل کے محاورہ پر قرآن شریف کو گو کو مت پڑھاؤ بلکہ قریش کی زبان میں پڑھاؤ کیونکہ قریش کی زبان میں ہی نازل ہوا ہے۔ سبط حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اختلافات کے وقت لسان قریش کو ہی اختیار کیا۔ صرف فرق اتنا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی بہت کثرت کے سبب اختلافات احرف یا قرات بھی بڑھ گئے بلکہ ان سے بعض براہیں پیدا کرنے لگیں۔ اسلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان براہیں کو سرے سے ہی اڑا دیا۔ ایک اور حدیث میں عہدہ بھی بخاری کی ہے حدیث منقولہ کے "فی شئی من القرآن کی بجائے الفاظ "فی عربیۃ من عربیۃ القرآن" وارد ہے ہیں جن سے

حضرت عثمان
نے قرآن کو نقل
محاورہ قریش
لکھوایا

ہماری بات کی تائید ہوتی ہے یعنی یہ کہ اختلافات احرف محاورہ کے ہی اختلافات تھے کہ ایک شخص ایک لفظ کو ایک طرح پر بولتا یا لکھتا تھا اور دوسرا دوسری طرح پر۔ اب حضرت زیدؓ نے انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے وقت میں قرآن شریف کو جمع کیا تھا اور جواب بھی سننے لکھنے پڑھنے میں ہوئے تھے قریشی نہ تھے سگران کے ساتھ تین صحابہ و قریشی تھے اسلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے احتیاطاً یہ اہدایت کی کہ بصورت اختلاف لسان قریش کے مطابق لکھیں۔ اس اختلاف کی ایک ہی مثال احادیث سے معلوم ہوتی ہے جس کو ترمذی نے اس حدیث کے ساتھ جو بخاری کی روایت سے پہلے اوپر نقل کی ہے ابن شہاب کی سند سے بیان کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ فاختلفوا یومئذ فی التالوت التالوت فقال القریشیون التالوت وقال زید بن ابی العوف فوهم اختلا فہم الی عثمان فقال اکتبوا التالوت فانہ نزل بلسان قریش ترجمہ۔ اس موقع پر زید اور قریشیوں کا اختلاف لفظ تالوت اور تالوتہ کے متعلق ہوا قریش کہتے تھے کہ اس لفظ کو تالوت لکھنا چاہیے اور زید کہتے تھے کہ تالوت لکھنا چاہیے۔ یہ ان کا اختلاف بالآخر حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش ہوا آپ نے فرمایا کہ تالوت لکھو کیونکہ قرآن شریف نے ان قریش میں ہی نازل ہوا ہے اسلئے اس سے نہ صرف یہی تپہ لگتا ہے کہ زید اور قریش میں اختلاف کی کیا حقیقت تھی بلکہ اس سے ان اختلافات کا اندازہ بھی لگتا ہے جن کا ذکر ضمیمہ میں کیا تھا جن اختلافوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دور کرنا چاہتے تھے وہ زیادہ تر اسی قسم کے اختلاف تھے۔ یہ اختلاف ایک صورت کے وقت انھیں صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے جائز ہو گئے تھے مگر اب غیر عربی اقوام کے کثرت کے اسلام میں داخل ہونے سے یہ ضرورت باقی نہ رہی تھی۔ اور اسلئے حضرت عثمانؓ نے یہ ضروری سمجھا کہ ان کو دور کر دیا جائے۔ اور صیبا کہہ آگے چلے گئے اس وقت کی بحث میں دکھا دی گئے خود انھیں صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی کبھی یہ اجازت نہ ہوئی تھی کہ ان اختلافات احرف کو تحریر میں لایا جائے یا قرآن شریف کے اندر لکھا جائے۔ اسی قسم کے اختلافات کو دور کرنے کی غرض سے حضرت عثمانؓ نے یہ حکم صادر فرمایا کہ تمام نسخے جو لوگوں نے بطور خود لکھ لئے ہیں اور اسلئے ان میں کافی احتیاط نہیں لیا ہو اسلئے ان کو دور کر دیا جائے۔ چنانچہ ایک روایت میں ان کے یہ الفاظ آئے ہیں۔ بحوث ما عندی فاحصوا ما عندکم جو میرے پاس بھادہ میں نے محو کر دیا ہے پس جو تمہارے پاس ہے تم اسے محو کر دو۔

صحی عثمان
صحیف ابوبکر
کی کتب نقل تھے

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا حضرت عثمانؓ نے جو نسخے اس قدر احتیاط سے صحیف ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نقل کر لئے ان میں اور اس اصل میں کوئی فرق تھا؟ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ والے صحیف میں بغیر کسی تیز تبدیل اور بغیر اسلئے سے ہی کمی زیادتی کے وہی قرآن شریف تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامنے صحابہ کو حفظ اور جمع کرایا تھا۔ پس اب اگر یہ بھی ثابت ہو جائے کہ عثمانی صحیفہ بعینہ صحیف ابوبکرؓ کی نقل تھے تو ہمارا مدعا ثابت ہو جاتا ہے یعنی یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے لے کر آج تک قرآن شریف میں نہ کسی قسم کا تغیر و تبدل ہوا نہ کوئی کمی زیادتی ہوئی۔ نہ اسکی ترتیب میں کچھ اول بدل ہوا بلکہ تمام و کمال حفاظت کے ساتھ وہی قرآن کریم پہلے ہاتھوں تک پہنچا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو پڑھایا اور حفظ کرایا تھا

اور جو آپ کے روبرو لکھ لیا گیا تھا۔ اس کو حل کرنے کیلئے سب سے پہلے دیکھنا چاہئے کہ تخریف کے بیان پر سب سے پہلی
تجوڑ حضرت عثمان کو اختلافات دور کرنے کی کیا حیثیت تھی وہ تجویز یہی تھی کہ اسے معاً ائمہ المؤمنین حصہ کے پاس آدمی
بھیجا کر صحیفہ بانی کے بجائے اس میں صحیفہ ہم ان سے نقلیں اُتر دیا کروا پس صحیفہ بیگے۔ ایک مورخ کریم الزیاد طبعی اس سے
نے انفرادیت سمجھ سکتی ہے۔ کہ حضرت عثمان کیا کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے جو ارادہ ظاہر فرمایا وہ صرف یہی تھا کہ حضرت
ابوبکرؓ کے صحیفہ کی نقلیں کر کے مختلف اطراف میں بھیج دی جاویں۔ اب حضرت ابوبکرؓ کے وقت میں جمع کا اہتمام
زید کے سپرد ہی تھا۔ اور اب بھی حضرت عثمانؓ نے زید کے سپرد ہی یہ کام کیا۔ جس سے اور بھی وضاحت ان کا منشا
یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحیفہ بانی کو کسی قسم کا اختلاف نہ کرنا چاہتے تھے۔ ہاں اس وقت پر انہوں نے یہ کیا کہ زید کے
ساتھ تین تفریشی اور لکھا دینے کے بعض صدقوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بارہ آدمی اس کام پر متعین کیے گئے تھے اور ہر ایک
فرمانی کہ جب زید اور تفریشیوں میں اختلاف کسی لفظ کی طرز تحریر کے متعلق ہو تو تفریشیوں کے محاورہ میں وہ لفظ
لکھا جائے کیونکہ قرآن شریف لسان تفریش میں ہی نازل ہوا تھا۔ اس سے معلوم نہیں ہوتا کہ زید اور تفریشیوں میں
واقعی اختلافات نہ تھے بلکہ یہ ایک احتیاط تھی۔ اگر کوئی اختلاف بھی ہوا تو وہ ایک لفظ سے زیادہ کا اختلاف
نہ تھا جیسا کہ تفریشی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت پر صرف ایک ہی اختلاف لفظ تاوت کے لکھنے کے متعلق
ہوا۔ اور یہ اختلاف حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش کیا گیا۔ زید کہتے تھے کہ تا توہ لکھا جائے اور تفریش کہتے تھے تاوت
لکھا جائے۔ اس کے سوا اور کسی اختلاف کا جو زید اور تفریشیوں کے درمیان ہوا ہو کوئی نہ کرہ کسی حدیث میں
نہیں پایا جاتا اس سے معلوم ہوا کہ جو صحیفہ حضرت ابوبکرؓ کے وقت میں زید نے جمع کئے تھے اور جو حضرت عثمانؓ نے
اس وقت پر حضرت حفصہؓ سے منگوائے انہیں کی نقل بعینہ حضرت عثمانؓ نے مصاحف میں کرائی۔ اور اس نسخہ کے کسی
قسم کا اختلاف نہیں ہوا حضرت عثمانؓ نے اپنے الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے حضرت حفصہ کو جو پیغام انہوں نے بھیجا وہ
یہ تھا۔ ارسلی الیہنا بالصحف نسخکھا فی المصاحف شد نہذا الیک۔ اچھف کو مہمائے پاس بھیجیں تاکہ
ہم اُسے اچھیفوں میں لکھ لیں اور اصل پھر آپ کو واپس کر دیتے جتنا نچر ایسا ہی ہوا یعنی چند صحیفے لکھو اگر اصل کو
واپس کر دیا گیا۔ اگر اصل میں اور ان نسخوں میں جو حضرت عثمانؓ نے لکھوائے کوئی اختلاف ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ وہ
بعد میں ظاہر نہ ہو جاتا اور اگر حضرت عثمانؓ کی خلافت میں اس کے ظاہر ہونے میں کوئی وقت بھی تھی تو ہر حال حضرت علی
کے وقت میں ایسا کوئی مانع نہ تھا۔ اور اس وقت بھی اصل نسخہ موجود تھا۔ اس وقت تو سلام میں کئی فرق بھی
ہو چکے تھے۔ پس اگر ایک فرق اس کا خواہاں نہ بھی ہوتا تو دوسرا طور ایسے اختلافات کو ظاہر کر دیتا جن لوگوں نے
حضرت عثمانؓ کو قرآن شریف پڑھتے ہوئے تنبیہ کر دیا تھا کیا ممکن تھا کہ ان کے ہاتھ میں اگر کسی ایسے اختلاف کا امکان
ہوتا تو وہ اس کو ظاہر کر کے خلیفہ کے خلاف الزام قائم نہ کرنے اور اس طرح ہر لوگوں کی نظروں میں اپنے اس فعل کو جائز
دکھانے کی کوشش نہ کرتے یہیں جس صورت میں ایک ذرہ بھر شہادت اس امر کی کسی حدیث میں نہیں ملتی کہ صحیفہ بانی بکر
سے مصاحف عثمانؓ کا کچھ اختلاف تھا اور بطاوت اسکے صحیح شہادت ملتی ہے۔ کہ حضرت عثمانؓ نے اسی اصل سے جو

حضرت ابوبکرؓ کے وقت میں تیار ہوا تھا اور اسی کا تب کی معرفت جس نے حضرت ابوبکرؓ کے وقت میں جمع کیا تھا چند نسخے لکھوائے تھے یحییٰ بن اویسؓ جو جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ والے مصاحف حرف بحرف نقل صحیفہ ابوبکرؓ کے تھے اور اصل میں اور ان نسخوں میں جو حضرت عثمانؓ نے لکھوائے کسی قسم کا فرق نہ تھا +

اگر حضرت عثمانؓ کا یہ حکم کہ وہ تمام اوراق جن پر خود بخود لوگوں نے قرآن شریف لکھ لیا تھا جلادے جاویں صحابہؓ کی نظر میں قابل اعتراض یا ناجائز ہوتا تو کبھی اس کو گوارا نہ کرتے حضرت عثمانؓ کی طاقت تو خود صحابہؓ سے بھی پس آ رہی مخالف ہونے تو حضرت عثمانؓ قطعاً ایسی کارروائی کرنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے بلکہ ایسی صورت میں ساری اسلامی دنیا ان کے بغض و کٹھڑی ہو جاتی مگر معتبر روایت سے ثابت ہے کہ انہوں نے نہ صرف آپؐ کی اس کارروائی کی کڑی تمسخر ہی نہیں کیا بلکہ اس کو پسند کیا اور اس میں حضرت عثمانؓ کو مدد بھی دی۔ اول خبر کہ اس کے ضریفہ رضی اللہ عنہ تھے جو کہ ابیہنا سے اسی غرض سے آئے تھے۔ اور جب حضرت عثمانؓ کے سامنے یہ امر پیش ہوا تو پہلا کام جو انہوں نے کیا وہ یہ تھا کہ صحابہؓ کو جمع کر کے مشورہ لیا کہ اس معاملہ میں کیا کرنا چاہیے جہاں چاہے ایک وائیں جسے ابن داؤد نے سیرا کہا ہے اور جس کے اسناد کو صحیح مانا گیا ہے یوں ہے قال قال علیؓ لا تقولوا فی عثمانؓ الا خیرا فواللہ ما فعل الذی فعل فی المصاحف الا عن ملأ منا قال ما تقولون فی ہذا القرآن فقد بلغنی ان بعضہم یقول ان قرأتی حذیر من قرأتک و ہذا یسکا دان یکون کفر اقلنا فساتری قال اری ان الجمع الناس علی مصحف واحد فلا تكون فرقتہ واختلاف قلنا فنعمر ما راہبت یعنی حضرت علیؓ نے کہا کہ عثمانؓ کے حق میں مسئلہ کلمہ فیر کے کچھ نہ کہو کیونکہ مصاحف کے پائے میں جو انہوں نے کیا وہ ہمارے مشورہ سے ہی کیا انہوں نے ہم سے دریافت کیا کہ تم اس قرأت میں کیا لیتے ہو کہ میں کو مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں میری قرأت تمہاری قرأت سے بہتر ہے اور خیر ہے کہ ایسا کلمہ کفر کا ہو جائے ہم نے کہا آپؐ کی کیا رائے ہے انہوں نے کہا میری رائے یہ ہے کہ ہم لوگوں کو آپؐ کے مصحف پر جمع کر دیں تاکہ کوئی فرقہ و اختلاف نہ رہے ہم نے جواب دیا کہ آپؐ کی رائے بہت اچھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ نے صحابہؓ کے مشورہ کے بعد یہ کام کیا۔ ایک روایت کے بموجب بارہ آدمی ان میں سے شامل تھے جس کی سپرد قرآن شریف کے کئی نسخے لکھوائے کا کام کیا گیا تھا۔ چنانچہ زید بن سبیرؓ ابی۔ انس بن مالکؓ عبداللہ بن عباسؓ وغیرہم کے ناموں کا ذکر کیا گیا ہے بخاری کی روایت کے بموجب ہوتا ہے کہ صرف چار آدمی اس اہتمام پر تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء یہ کام چار صحابہ کے سپرد کیا گیا اور بعد میں اس تعداد کو بڑھادیا گیا۔ جس کی وجہ شاید یہ ہو کہ جتنے نسخے پہلے تیار کر کے کا خیال ہوا بعد میں ان سے زیادہ کی ضرورت محسوس ہوئی ہو عبداللہ بن مسعودؓ ہی ایک ایسے شخص تھے جو علم قرآن میں مشہور ہونے کے باوجود اس مجلس میں شامل نہیں ہوئے لیکن ان کو اس میں سے باہر نہ رکھا گیا تھا کہ ان کے خلاف کسی کو کوئی ضدیالہ تعصب تھا۔ مگر اصل وجہ یہ تھی کہ وہ اس وقت مدینہ میں موجود نہ تھے بلکہ بہت دور یعنی کوفہ میں رہتے تھے اگر ان کو بلوایا جاتا اور ان کا انتظار کیا جاتا تو کام میں بڑا التواء پیدا ہوتا اس لیے کام کو جلد ہی کرنے کی خاطر ان کو شامل نہ کیا جاسکا۔ مگر جیسا کہ صحابہؓ کے مشورہ سے یہ کام شروع ہوا تھا۔

حضرت عثمانؓ
کی کارروائی
مقابل تھے

ایسا ہی اسکی تکمیل پر اور حضرت عثمان کے اس حکم پر کہ باقی تمام اوراق کو جلا دیا جائے صحابہ نے اپنی رضامندی ظاہر کی۔ چنانچہ مصعب بن سمرکتے ہیں کہ جب حضرت عثمان نے اوراق قرآن کو جو خود بخود لوگوں نے نقل کر لئے تھے جلائے کا حکم دیا۔ تو میں بہتے صحابیوں سے ملا مگر ان میں سے کسی نے حضرت عثمانؓ کے اس فعل پر اعتراض نہیں کیا بلکہ اسے پسند ہی کیا۔ اصل میں جیسا کہ کئی روایات سے معلوم ہوتا ہے حضرت عثمانؓ کو زیادہ تر فکر اختلاف قرآن سے نہیں ہوا۔ اہل اسباب سے کہ جو لوگ اختلاف قرآن کی اصل وجہ سے نادان تھے انہوں نے ایسے اختلافات کو مباحثہ اور جھگڑاؤں کا ذریعہ بنا لیا پس جب عثمانؓ اور دیگر صحابہ نے یہ سمجھا کہ ایسے اختلافات فساد اور غلطیوں کا موجب ہو رہے ہیں اور جب ضرورت کیلئے ان کو اجازت دی گئی تھی وہ ضرورت باقی نہیں رہی تو انہوں نے مصلحتوں اسی بات سے سمجھی کہ ان اختلافات کا دروازہ آئندہ بند کر دیا جائے +

مسعودی کی عدم
شمولیت

حضرت ابن مسعودؓ جیسا کہ پہلے آچکے ہیں اس کام میں شریک نہ ہو سکے اور تمام جماعت صحابہؓ سے ایک ہی شخص تھے جنہوں نے بعض روایات کے مطابق حضرت یزیدؓ کے متعلق نازیما الفاظ بولے۔ اگرچہ یہ حادثہ علیؓ طبقہ احادیث میں سے نہیں ہیں۔ مگر تاہم ان پر غور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ ان کی بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ ابن مسعودؓ جیسے صحابی نے حضرت عثمانؓ سے اختلاف کیا۔ ایک روایت ان میں سے یہ ہے کہ ایک ایسے آدمی کو قرآن کے لکھنے پر مامور کیا گیا ہے جو ابھی ایک کاغذ پر کی پٹھ میں تھا جبکہ میں مسلمان ہو چکا تھا! الفاظ اس روایت کے جیسے ترمذی نے نقل کیے ہیں۔ ابن عبد اللہ بن مسعودؓ کہ لوزیل بن ثابتؓ انتم المصاحف وقال یا معشر المسلمین اعزل عن ذنوبکم لکتابہ المصاحف ونبوؤا ہارجل والله لقلنا سلمت والله لقی صلب رجل کافر ان الفاظ سے مراد ابن مسعودؓ کی صرف یہ نظر کرنا تھا کہ عمر میں اور اسلام میں زید بن ثابتؓ پر تقدم رکھتے تھے۔ اب یا تو یہ حدیث غلط ہے اور یا ابن مسعودؓ نے غلطی کھائی۔ اسلام میں تقدم یا عمر میں بٹے ہونا ایسے امور نہ تھے جو کتابت قرآن میں بھی تفصیل کو ثابت کر سکتے اور اسلئے ان الفاظ سے کچھ مطلب نہیں نکلتا۔ مگر جتنا بڑے معاملہ میں تفصیل کو دیکھا جاتا ہے۔ تو یہ یقیناً زید بن ثابتؓ کو حاصل تھی جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ زید بن ثابتؓ اور زید بن ثابتؓ کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب کتاب کی صورت میں قرآن شریف کو جمع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں کی نظر زید بن ثابتؓ پر ہی پڑی حالانکہ ابن مسعودؓ بھی اسی وقت میں موجود تھے اور حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ سے بڑھ کر کوئی شخص اس امر کو نہ سمجھتا تھا کہ اسے زیادہ موزوں اس کام کے لئے کون ہے۔ اگر واقعی ابن مسعودؓ زید کو اس قابل نہ سمجھتے تھے تو یہ اعتراض تو انہیں حضرت ابوبکرؓ کے وقت کرنا چاہیے تھا جس وقت ایسا ہم کام جمع کا سامان کے سپرد کیا گیا تھا مگر اس وقت انہوں کوئی اعتراض نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو یہ روایت ہی غلط ہے۔ اور یا ابن مسعودؓ نے غلطی کی۔ زید بن ثابتؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں اور تمام صحابہؓ کی نظر میں اس کام میں سب پر سبقت رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں

حضرت عثمانؓ کے وقت میں اول تو کام ہی محض اس قدر تھا کہ ایک اصل نسخہ سے دوسرے نسخے نقل کیے جاویں اور دوم حضرت عثمان نے اس کام کو بھی بلا مشورہ نہیں کیا۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ کے صحابہؓ سے دریافت کیا کہ من الکتاب لئلا تنسوا انہوں نے جواب دیا کہ زمین ثابت کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسی ثابت ہے اخیر میں نرمی نے اسی راوی ابن شہابؓ کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں قال بلغنی ان کثیراً من اہل مکہ قالوا من عبد اللہ بن مسعود سرجال من افاض الصحاۃ یعنی عبد اللہ بن مسعود کے ان الفاظ کو جو انہوں نے بیان کیا ہے متعلق ہے اہل صحابہ نے ناپسند کیا اور برائے مانا یہ علاوہ ان میں ان روایات کی رد ہے اگر عبد اللہ بن مسعود کو کوئی بات ناپسند تھی تو وہ صریحاً یہ بھی کہہ دیتے کہ میں نے اس بات کو اس کام پر نہیں مانا اور کیا گیا ہے اور مجھے مامور نہیں کیا گیا حضرت عثمان پر انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ البتہ بعض روایات جو بہت کم درج ہیں اس قسم کی بھی آئی ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود نے اپنا نسخہ قرآن حضرت عثمان کے آدمیوں کو دینے سے انکار کیا اور کہہ انہوں نے زبردستی ان سے چھین لیا۔ مگر ان روایات پر یقین کرنے کے کافی وجوہات موجود نہیں ہیں۔ اور اگر بغرض محال ان روایات کو صحیح بھی مان لیا جائے تو ان سے نتیجہ نہیں نکلتا کہ حضرت عثمانؓ نے جو نسخے لکھوائے تھے۔ وہ ناقص تھے یا صحیح نہ تھے ان سے اگر کوئی نتیجہ نکل سکتا ہے تو صرف یہ کہ عبد اللہ بن مسعود جو بعض قرآن میں اپنے طور پر پڑھتے تھے ان سے روکا جائے پر انہوں نے اظہار رائے بھی کیا۔ اور اسی وجہ پر اپنے نسخہ قرآن کو دینے سے انکار کیا۔ مگر اب سوال یہ ہے کہ اس معاملہ میں مافی الصبیحہ نے کس کی تائید کی؟ کیا ایک آدمی کا نام بھی لیا جاسکتا ہے جس نے ابن مسعود کی رائے کی تائید کی ہو جو بنی مسعود کھیلے طور سے اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے۔ اور اس اظہار کی وجہ سے کسی نے ان کو مار مار مار ڈالا تھا اسی طرح دوسرے صحابہؓ بھی اپنی رائے کا آزادانہ اظہار کر سکتے تھے۔ اور کوئی ان کو روکنے والا نہ تھا۔ مگر صحابہؓ نے بالافتاق حضرت عثمانؓ کی کارروائی کو صحیح سمجھا اور ابن مسعود کی تائید نہیں کیا۔

ان تمام واقعات سے جو اور بیان ہوئے ہیں نہایت صفائی کے ساتھ پابہت کو پہنچتا ہے کہ ہر ماہ جمع حضرت عثمانؓ نے شائع کرائے وہ لفظ بلفظ اور حرف بحرف اس قرآن کریم کی نقل تھے جو حضرت ابوبکرؓ نے جمع کرایا تھا جس نے مختلف ہم پیکر یہ ثابت ہے کہ یکے میں کوہ ملافتات ایک حرف سے دہی قرآن شریف تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو سکھایا تھا جب حضرت عثمانؓ نے مصاحف نقل کرا کر بھیجے تو اس وقت ہزار ہا صحابہؓ ابھی زندہ موجود تھے اور بعض ان میں سے جیسے عبد اللہ بن عمر اور ابی بن کعب وغیرہ ایسے تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت یا اور آپ کے سامنے کل قرآن شریف حفظ کر لیا تھا اور سزاوار آدمی ایسے تھے جنہوں نے آپ کے بعد قرآن شریف کو حفظ کر لیا تھا اب حضرت عثمانؓ نے جو مصاحف لکھوائے ان کا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے صرف ۳۰ سال بعد ہے۔ اور اگر ان مصاحف میں اصل نسخہ سے یا قرآن شریف سے جسا کہ تاریخوں میں محفوظ تھا کچھ بھی اختلاف ہوتا ہو سکتا تھا۔ کہ صحابہؓ کا موٹی سے ان مصاحف کو قبول کر لیتے۔ قرآن کریم ان کا سب سے بڑا قیمتی خزانہ تھا ہے وہ جانوں سے بھی عزیز رکھتے تھے۔ اور اگر ضرورت ہوتی تو پہلے اپنی جانوں کو قربان کر دیتے۔ مگر یہ کبھی گمراہ نہ کر سکتے

تھے کہ قرآن شریف میں کوئی شخص کسی قسم کا تغیر تبدل کرے۔ انہیں صرف قرآن شریف کی اعلیٰ درجہ کی محبت اور اخلاص ہی موجود تھا بلکہ ان کے ہاتھ میں ایسے ذرائع موجود تھے جن سے وہ مصاحف عثمانی کی صحت کو پرکھ سکتے تھے اگر کوئی فقرہ چھوڑ دیا جاتا یا کوئی حصہ قرآن میں داخل نہ تھا داخل کر دیا جاتا تو سیکڑوں صحابی اس کا تذکرہ کرتے مگر اس شخص سے کہتے بھی کبھی حضرت عثمان کے خلاف ایذا آمیز نہیں لکھا یا کہ آپ نے کوئی حصہ قرآن شریف کا چھوڑ دیا ہے یا کوئی بڑھایا ہے بلکہ اس کی شکایت صرف یہی کر سکتے تھے قرآنوں کے پڑھنے سے کبوں روکا گیا؟

اس تمام بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان نے قرآن شریف میں کوئی تغیر نہیں کیا بلکہ جیسا آپ کو جمع ہو کر بنا سے ملا وہی انہوں نے سب ملاؤں میں یکساں پایا۔ انہوں نے جو کارروائی کی وہ تمام صحابہ کے مشورہ سے تھی اور پھر نقلیں کرنے کا اہتمام ان کا اپنے سے سیر کر لیا گیا چراغی قرآن کی میں سب سے بڑھ کر شہرت رکھتے تھے پھر جو نسخے آپ نے جمع کرے شائع کئے ان کو تمام اسلامی دنیا نے بھی نسخے قرآن شریف کے نسخہ کیا۔ اور اگر بغیر اصل کوئی اختلاف نہیں ہوتا بھی تو اس کا اثر قرآن کریم پر جیسا کہ وہ حافظوں میں محفوظ تھا کچھ بڑھ سکتا تھا حضرت عثمان نے سخت بینشمن جنہوں نے نہایت پیرحی سے آپ کو قتل کیا انہوں نے بھی یہ لازم آپ پر نہیں لگایا کہ آپ نے قرآن شریف میں کوئی کمی بیشی کر دی ہے۔ اگر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک اعتراض انہوں نے بنایا تھا کہ حضرت عثمان نے ان کا غلام کتوں جلایا جن پر قرآن شریف لکھا ہوا تھا۔ اس اعتراض کی بنا صرف ان کے اسناد پر تھی جس کا عزیز کا نام لکھا ہوا ہو اسے جلانا نہیں چاہیے اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت علی کی خلافت میں بھی کسی شخص نے ایک لفظ ایسا بیان نہیں کیا جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا گیا ہو کہ اس میں حضرت عثمان نے کوئی تغیر کیا تھا؟

آخری حصہ یہ ہے کہ قرآن شریف آج ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ جیسے صحیفہ عثمانی کی نقل ہے یہ ایسا دعویٰ ہے جس کو سخت سخت دشمنان اسلام نے بھی تسلیم کیا ہے پس قرآن کریم کا تمام تر حفاظت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں پہنچا لینے والے اور قطعی دلائل کے ساتھ ثابت ہے صحیفہ ابوبکر میں وہ قرآن تمام و کمال محفوظ تھا چراغ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ گئے اور حضرت عثمان کے مصاحف میں پوری احتیاط سے صحیفہ ابوبکر سے نقلیں کرائی گئیں اور پھر ان سے آج تک تمام اسلامی دنیا میں قرآن شریف شائع ہونے لے یہی وجہ ہے کہ اگر وہ ایسے ملکوں میں جس میں بعد المشرقین ہے دو نسخے قرآن کے لے لیا ان میں ایک زبر یا ایک حرف یا لفظ کا فرق بھی نہ پاؤ گے۔ اگر حفاظت کسی قابل حال ہوتی تو اس قدر حفاظت انسانی طاقت میں نہ تھی۔ اب یہ ہم ان چند اعتراضات کا جواب دینے جو بعض مشرکین کی بنا پر حفاظت قرآنی پر کیے جاتے ہیں۔ اور اس ضمن میں اصل مضمون حفاظت قرآن کریم کا مکمل ہو جائیگا +

۶۔ اعتراضوں کے جواب

اگرچہ جس قدر شہادت پہلے پانچ عنوانوں کے نیچے دی جا چکی ہے وہ اس بات کا ثابت کرنے کے لئے قرآن کریم پر اکتفا

حفاظت کے
پرچھ قسم کے
اعتراض

کی تخریف اور نص کے محفوظ رہنے تک پہنچا ہے اعلیٰ درجہ کی قطعی اور یقینی شہادت ہے اور کسی قسم کا شبہ باقی نہیں رہ جاتا لیکن جو کلاس اس آل کے تمام پیلوؤں پر بحث کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اس لئے ذیل میں ہم ان تمام اعتراضوں کو جو عیسائیوں نے قرآن کریم کے محفوظ ہونے پر کئے ہیں نقل کر کے ان کا جواب دیتے ہیں۔ تاکہ کسی مخالف کو پہننے کی گنجائش باقی نہ رہے کہ خلاف اعتراض کا جواب نہیں دیا گیا۔ جہاں تک میں نے مخالفین کی تحریروں پر غور کیا ہے مندرجہ ذیل اعتراضات پر نور دیا گیا ہے +

(۱) یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ موجودہ قرآن شریف میں بعض فقرے ناقص اور ٹوٹے ہوئے ہیں اور کہ اصل میں یہ فقرے مکمل تھے پس ضرور ہے کہ بعض حصے ضائع ہو گئے ہوں +

(۲) ایک اور اعتراض یہ ہے کہ حضرت عثمان نے قرآن کے بعض نسخوں کو جو بعض صحابہ کے پاس تھے اور جن کی قرأتیں حضرت عثمانؓ والے صحیفہ سے مختلف تھیں تلف کر دیا یا ان کی اشاعت کو روک دیا پس ان نسخوں کے تلف کرنے سے ضرور قرآن شریف کے کچھ حصے ضائع ہو گئے ہوں گے +

(۳) ایک اعتراض یہ ہے کہ بعض حصوں کو ہمیشہ کے لئے قرآن شریف میں داخل کرنے کا منشاء اس شخص کا تھا علیہ وسلم کا نہ ہو گا یا نہ تھا یا بعض حصے منسوخ ہو گئے ہوں گے اور ممکن ہے کہ زید نے ان امور پر اطلاع نہ پانے کی وجہ سے ان کو قرآن شریف میں داخل کر دیا ہو +

(۴) چوتھا اور بڑا بھاری اعتراض یہ سمجھا جاتا ہے کہ بعض محدثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وقت میں بعض عبارتیں قرآن شریف میں پڑھی جاتی تھیں جو اب نہیں پڑھی جاتیں جس سے موجودہ قرآن کریم کے ناقص ہونے کا نتیجہ نکالا جاتا ہے +

(۵) پانچواں اعتراض یہ ہے کہ مسلمانوں میں بعض فرقے ایسے موجود ہیں (جس سے معترض کی مراد فرقہ شیعہ ہے) جو اس بات کو مانتے ہیں کہ قرآن شریف محفوظ نہیں ہے۔ بلکہ ناقص ہے اور اس میں سے بعض حصے نکال دیئے گئے ہیں +

(۶) تازہ ترین اعتراض ڈاکٹر منگانے اس صورت میں کیا ہے کہ اسکو بعض اوراق قدیم نسخہ جات قرآنی کے ایسے دستیاب ہوئے ہیں جن سے موجودہ نسخہ جات سے کسی لفظ یا حرف کا اختلاف پایا جاتا ہے +

مختلف مضامین کو پڑھ کر جو قرآن کریم کی جہں پر لکھے گئے ہیں میں نے یہ چند اعتراض مختصر الفاظ میں بطور خلاصہ ان مضامین سے نکالے ہیں۔ اور ان میں تازہ سے تازہ تصانیف جو اسلام کے خلاف لکھی گئی ہیں شامل ہیں۔ ایم اسی ترتیب کے ساتھ ان اعتراضوں کا ایک ایک کر کے جواب دینگے۔ اعتراض اول کا بڑا عامی ایک مضمون نویس ہے جس نے اسلام (محمد نزم) پر اسکو پیڑیا برٹینیکا میں مضمون لکھا ہے۔ میٹروپولیٹن لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ والے نسخے مکمل نہیں تھے۔ کیونکہ ان میں بعض فقرے ایسے پائے جاتے ہیں جو کھلے طور پر ناقص اور اڑھوڑے ہیں اور بتا ہے کہ ان عبارتوں کا کچھ حصہ جس سے ان کی تکمیل ہوتی تھی ضائع ہو گیا ہے۔ ایک طالب حق اور ایک سمجھدار انسان ٹرینی آسانی سے اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت کی اس صفت اور قطعاً الدلالت

بعض فقرات کے
ناکمل ہونے
کا اعتراض

شہادت کے بالمقابل جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ایسا وہ کچھ بھی وقعت نہیں کھتا بلکہ اسکو دعوئے بلا دلیل کی ذیل میں لکھ کر رو کرنا بڑا ناہنجہ ہے۔ چونکہ قرآن شریف کا کوئی فقرہ ایک شخص کی نظر میں اُدھورا دکھائی دیتا ہے۔ اسلئے پیغمبر کمالا جاتا ہے۔ کہ اصل فقرہ ضرور کچھ اور ہوگا اور کچھ حصہ اس کا ضائع ہو گیا ہوگا۔ ہم تو تاریخی شہادت پیش کرتے ہیں کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ وسلم نے سکھایا وہ سب صحابہ نے حفظ کر لیا اور مردوں اور عورتوں نے اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا اور اس کے جواب میں یہ ہم پیش کیا جاتا ہے۔ کہ چونکہ کسی صاحب کو کوئی فقرہ بکمل معلوم نہیں ہوتا اسلئے کچھ حصہ ضائع ہو گیا ہوگا۔ معتبر تاریخی شہادت کے خلاف ایسے توہمات کو پیش کرنا بڑے درجہ کی حماقت ہے۔ اب یہی ثابت ہے۔ کہ جس وقت حضرت زین نے تحریری جمع کے کام کو شروع کیا تو آپ نے نہ صرف قرآن مجید کے حافظوں سے ہی مدد لی بلکہ ان تمام تحریروں کو بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی ہر ایک لکھی گئی تھیں جن میں وہ تھیں ان سے جمع کیا۔ اور اس طرح ہر ایک آیت اور ہر ایک لفظ کے متعلق پوری پوری تحقیق کر کے اسکو صحیفوں میں لکھا۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ بعض فقرے اُدھورے ہیں۔ یہ خود مخالفین کی عربی زبان سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے جہاں کمال فصاحت و بلاغت کسی فقرہ میں پائی جاتی ہے اس کو بوجہ اپنی ناواقفیت کے وہ اُدھورا کر دیتے ہیں۔ اور جہاں نہایت باریک اور گہرا فطن آیات میں ہے وہ بوجہ ایک سطحی نظر سے اسکو دیکھنے کے کیفیت میں کہ ان آیات میں کوئی ربط نہیں ہے۔ پھر ایسے ایسے توہمات کو جو ناواقفیت سے پیدا ہوتے ہیں اعلیٰ درجہ کی تاریخی شہادت کے بالمقابل اعتراضوں کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔

پھر گویا اسی بات کی تائید میں کہ بعض فقرے ناقص پائے جاتے ہیں یہی مضمون نویس انسکو پیڈیا میں لکھتا ہے کہ چند جھوٹے ٹھوٹے اور اگلی اگلی ٹکڑے ایسے پائے جاتے ہیں جو کہ اصل میں قرآن شریف کے حصے تھے۔ مگر زین نے ان کو شامل نہیں کیا۔ اب ان احادیث پر مفصل بحث چھٹے قمر کے اعتراض میں آئیگی جہاں میں صرف یہ لکھا جا رہا تھا ہوں کہ اعتراض اول کے ساتھ اس کو چسپاں کرنے سے مقصد کا منشاء یہ ظاہر کرنے کا ہے کہ جو فقرے ناقص پائے جاتے ہیں انہیں کے ٹکڑے ایسے حدیثوں میں موجود چلے آتے ہیں۔ اگر یہ ثابت کر دیا جائے کہ بعض فقرے جن کو مقتضین اُدھورے سمجھتے ہیں وہ ان ٹکڑوں کے ساتھ شامل کرنے سے جو ایسی حدیثوں میں پائے جاتے ہیں وہ حقیقت کا مل جوتے ہیں تو پھر مضمون بھی قابل بحث ہو جاتا ہے مگر افسوس ہے کہ اعتراض کوئی بنا صرف توہمات ہے۔ اور کوئی مثال نہیں کی جاتی کہ مثلاً قرآن شریف کا فلاں فقرہ ناقص ہے اور فلاں حدیث میں جو یہ لکھا گیا ہے کہ فلاں عبارت کسی وقت قرآن شریف کا جزو تھی اگر اس عبارت کو اس ناقص فقرہ کے ساتھ ملا دیا جائے تو ان کے ملنے سے ایک کامل فقرہ بن جاتا ہے۔ اگر ایسی کوئی مثال پیش کی جائے تو پھر اعتراض کی صورت بھی بنتی ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ وہ ٹکڑے جو احادیث میں بیان کئے گئے ہیں ان کیلئے کوئی ایسی جگہ قرآن شریف کے اندر نہیں ملتی کہ جہاں ان کو رکھا جاسکے اور اسی سے ان ٹکڑوں کی اصل حقیقت کا پتہ لگتا ہے۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگر ان تمام اعتراضوں کی بجائے نظر سے غور کیا جائے تو وہ خود ہی ایک دوسرے کا بطلان کرتے ہیں بات یہ پیش کی جاتی ہے۔ کہ قرآن شریف کے بعض حصے گم ہو گئے اور اس کی تائید میں یہ افتاح پیش کیے جاتے

بیشعہ مجموعی
اعتراضات
ایک دوسرے کے
خلاف ہیں
ایک دوسرے کے
توہید کرنا
توہید کرنا

ہیں کہ حضرت عثمان نے سوائے ان صحیفوں کے جاپنی نگرانی میں تیار کرائے تھے باقی تمام صحیفہ قرآنی کو بلا دیا اور انکی نقلیں شائع نہ ہونے دیں اور کہ بعض احادیث میں یہ مذکور ہے کہ بعض عہد میں قرآن شریف میں باقی باقی حصے جواب اس میں داخل نہیں ہیں اور کہ بعض فقرے موجودہ قرآن میں ناقص ہیں اور کہ شہید اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ بعض حصے جن میں حضرت علیؑ کے فضائل کا ذکر تھا وہ قرآن سے نکال دیئے گئے ہیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت عثمان نے صحیفہ تیار کر کے اطراف میں بھیجے اور دوسرے نسخوں کو جلانے کا حکم دیا تو اس کے بعد وہ اخلاص و جمع عثمانی اور دیگر صحائف میں برائے جانے ہیں یا تو مورد ہے اور یا قطعاً ناوہ ہو گئے۔ اگر ایسے نسخہ صحیفہ عثمانی کی اشاعت قطعاً ترک گئے تھے تو بعد وہ احادیث جن میں یہ ذکر ہے کہ فلاں عبارت قرآن شریف میں داخل تھی بالکل غلط ثابت ہوتی ہیں۔ اور اگر ایسے اختلاف بعد میں بھی کچھ نہ کچھ محفوظ چلے آئے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے نسخے قرآن کریم کے دہنا سے کیوں ناوہ ہو گئے حضرت عثمانؓ کی سلطنت میں اگر یہ ممکن نہ تھا تو اس کے بعد کو نہ ہو سکتے والا تھا جن لوگوں نے ان خلافت کو تسلیم کیا بعد اس کے اسل سلطنت میں کچھ وقت گزرنے کے بعد حسب اسلام کی سلطنت متفرق ہو گئی انہوں نے ان کو ایسے نسخہ درج نہ کر لیا اور کو نہ مانع ہوا۔ پھر ایک دوسری مسئلہ اس میں یہ پیش آتی ہے کہ اگر وہ حصہ جن کو کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان نے چھوڑ دیا تھا محفوظ ہے یا نہیں انہیں تو ان میں سے بعض یہ محفوظ ہے تو چاہیے تھا کہ وہ یا تو اعتراض نہ ادا اور یا اعتراض نہ تسلیم کے مطابق ہوتے یعنی ان سے یا تو فرضی نقص فقرات کا ذکر نہ کرنا یا حضرت علیؑ کی فضیلت ان میں لائی جاتی۔ چھوڑ دینے پر عیاں نہیں جن کو ذکر احادیث میں ہے نہ تو فرضی نقص کو اور کرتی ہیں نہ ہی حضرت علیؑ کی فضیلت کا تو کہ ان میں لائی جاتی ہے جو حصہ بزم معترضین میں گئے تھے ان کا وہ نام و نشان تک نہیں ملتا اور جو حدیثیں میں عبارتیں لائی جاتی ہیں وہ منہ حصہ میں سے نہیں ہیں کیا یہ عجیب بات نہیں اور اس سے ایک انتہا آدمی ایک غیبتی بھی نہیں سمجھتا، ایک چیز کے گم ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ بعد اس کی تائید میں یہ پیش کیا جاتا ہے کہ فلاں جگہ سے وہ چیز یا اس کے کچھ اجزا ہر جگہ ہیں مگر جب اس پر مؤندہ مال کو دیکھا جاتا ہے تو یہ قطعاً اس مال کا کوئی حصہ ثابت نہیں ہوتا جس کے گم ہونے کا دعویٰ کیا گیا تھا پس اس عرصے کے سلطان پر یہی ایک دلیل کافی ہے۔ پھر کیا یہ عجیب کی بات نہیں کہ حضرت علیؑ کی فضیلت کے بعض حصہ قرآنی حضرت عثمانؓ نے چھوڑ دیے اور حضرت علیؑ خود ہی حضرت عثمانؓ کے بعد تالیف ہوئے مجددہ اپنی فضیلت کے حصہ کو دوبارہ قرآن شریف میں درج نہ کر سکے پس یہ تمام اعتراض خود ہی ایک دوسرے کی منجینی کر رہے ہیں مگر مزید اطمینان کے لئے ان میں سے ہر ایک اعتراض پر ایک الگ بحث کر کے بھی ہم اٹکا چھوڑا ہونا دکھا سکتے ہیں۔ اب ہم دوسرے اعتراض کر لیتے ہیں۔ حضرت عثمان نے یہ کیا کہ سوائے انہی صحیفے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وقت میں تیار ہوئے تھے۔ اور ان صحیفوں کے جو ان صحیفہ سے خود حضرت عثمانؓ نے نقل کر لے تھے باقی نسخے قرآن شریف کے جلادے جاوے۔ اب ان صحیفوں میں سے جو جلادے گئے یعنی جن کے جلانے کا حکم دیا گیا وہ صحیفہ کو حضرت عثمانؓ کے بالمقابل معترضین خاص وقت فیثہ میں۔ یعنی حضرت ابن مسعود کا مصحف اور حضرت ابی بکر کا مصحف

ابا و ابن مسعود
کے مصحف

ان مصنفوں اور عثمانی مصنفوں میں جو اختلاف بتایا جاتا ہے اس کے متعلق انسکلو پیڈیا برٹانیکا کے مضمون نویس کی رائے اس قابل ہے۔ کہ اسے مخالفانہ نکتہ جینی کا بہترین دلیل سمجھا جائے۔ یہ وہی مضمون نویس ہے جس کے مضمون مجھ پر کم کام میں پہلے بھی حوالہ دیے چکا ہوں۔ وہ لکھتا ہے ساتھ ہی اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن شریف کی دوسری صورتیں نے انھوں نے ہاؤ نہیں جو صحیحی تھیں۔ ختمِ جمعیت سے ممبئی کی کتب خانہ کے متعلق کچھ اطلاع ملتی ہے جو فرست اس کی سورتوں کی درستی پر اگرچہ صحیح ہے تو یہ ناسنادر لگا کر اُن کے نسخہ میں ہی کچھ تھا جو ہمارے موجودہ قرائنوں میں ہے اس سورتیں ناسنادر تھے اُن کے مصنف کی جا بھی نامی اصل صحف پر ہوگی جو حضرت یونس نے جمع کیے تھے یہی بات ابن مسعود کے مصنف پر بھی صادق آتی ہے اور اس کی فرست مضامین میں بھی کچھ کمی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کئی سورتوں یعنی طوال کو پہلے لکھنے سے پہلے پر ابن مسعود نے توبہ سے بھی بڑھ کر عمل کیا ہے۔ اس کے مصنف میں کئی سورتیں یعنی فاتحہ اور ایکسیرہوں اور ایکسیرہوں سورتیں یعنی مؤذنین لکھی گئیں اس کے برخلاف ابی نے اپنے مصنف میں دو دعائیں فقرے زیادہ لکھ رکھے تھے جن کو ہم (حضرت محمد) صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھ سکتے ہیں یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس قسم کے اختلافات جوئے ہوئے کہ آیا ایسے دعائیں مجملے قرآن شریف کا جزو ہیں یا نہیں ان دونوں مصنفوں کی بعض قراتیں جو جمع عثمانی کی قراتوں سے مختلف ہیں محفوظ رہیں اور ان کے پڑانے اختلافات قرات کی بھی ایک بڑی تعداد محفوظ رہے کہ ہم تک پہنچے۔ ان میں سے ایک کثیر حصہ قراتوں کا ایسا ہے جو موجودہ قرات سے بہت کم درجہ کا ہے لیکن بعض قراتیں ایسی بھی ہیں جو موجودہ قرات کے ہم پل ہیں اور چند ایک ایسی ہیں جن کو موجودہ قرات پر ترجیح دیا جاسکتی ہے۔

لیکن اس مضمون نویس کی صحیح صحیح رائے ناظرین کے سامنے پیش کرنے کے لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسی جگہ سے اکیلا وہ فقرہ کا ترجمہ بھی یہی ناظرین کیا جائے اس فقرہ میں جو مفقود بالا فقرہ کے ساتھ لکھی ہے اور جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے وہ دلائل دینے گئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اصل قرآن شریف ہی ہے جو عثمانی مصنفوں اور کئی نقل و نسخہ میں صرف ایک ہی شخص ایسا معلوم ہوتا ہے جس نے واقعی طور پر حضرت عثمان کے مصنف کے جاری ہونے کے وقت کچھ مخالفت کی اور یہ ابن مسعود تھا۔ وہ غمیر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سب سے پہلے زقیقوں میں سے تھا۔ اور بہت قوی پراس نے آپ کی خدمات بھی کی تھیں لیکن اس کے خیالات کا دائرہ وسیع نہ تھا۔ اگرچہ اسلامی تاریخ میں علمِ کلام میں ایک بڑا رنگن مانا جاتا ہے پراس کی مخالفت کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ اب جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں کہ اس وقت بہت سے ایسے مسلمان زندہ موجود تھے جنہوں نے سب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مرنے سے قرآن شریف سننا سنا تھا اور پھر انہیں بات کو سمجھنے دیکھتے ہیں کہ کزو و ظیفہ عثمان کی نبض دوسری تجاویز کی مذہب کے متعصب حامیان نے پڑی سخت مخالفت کی اور کہ ان لوگوں کا مخالفانہ دہش عثمان کے بعض حریفوں نے زقیقوں کے سب سے اور بھی سب سے گویا یہاں تک کہ آخر کار انہوں نے ظیفہ کو قتل کر دیا۔ اور بالآخر اس بات پر غور کرتے ہیں کہ ظیفہ کی موت کے بعد وہاں کچھ ہونے لگے تو ان میں مختلف فرقہ اس بات کی تلاش میں لگے رہتے تھے کہ کوئی ایسے وجہ ان کے ہاتھ میں آجائیں جن سے وہ اپنے

مخالفت کا
اعتراض
مصنف کی
ہی اصل ہے

حق الفین پر کفر کا فتویٰ لگا سکیں۔ جبکہ ان تمام باتوں پر خود کہنے ہیں تو ان سے صاف طور پر صحت عثمانی کے اصل
قرآن مجید کا نتیجہ نکلتا ہے کیونکہ کسی فرقے نے یہاں تک کہ حضرت علیؑ کے فرقے نے بھی اس معاملہ میں حضرت عثمانؓ پر
اعتراض نہیں کیا۔ اور نہ اس صحت کو چھوڑا جو زہر نے تیار کیا تھا جو حضرت عثمانؓ اور ان کے خاندان کا
مخلص و فادار تھا۔

مذہب قریش

میں نے یہ فرقے اس غرض سے نقل کئے ہیں تاکہ ناظرین خود اعتراض کی وقعت کو دیکھ سکیں اور معلوم کر سکیں کہ
حق الفین اگر سچ کچھ کہیں تو موجودہ قرآن کے اصل قرآن مجید کے برابر کیا نہایت عراض کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں
کی رائے مخالفت نہ کہ جیسی تو بنجیدگی سے بیان کرتی ہے۔ اور اسلئے اس تردید سے ان تمام اعتراضوں کا قلع قمع
ہو جاتا ہے جو قریش میں نے کئے ہیں میرے خیال میں کیا انگریزی اور کیا اردو و تحریروں کو جہاں تک پہنچا جائے اس
باوجود اعتراض کوئی معلوم نہیں ہوتا لیکن اس بات کا ظاہر کرنا بھی ضروری ہے کہ اسلام پر بعض دوسری عیسائی صاحبان
نے مجنونانہ اعتراض بھی کئے ہیں ایسی ایک تحریر کی مثال مصنف تاویل القرآن میں ملتی ہے۔ یہ شخص اپنی تاریخ قرآن
کو ان الفاظ سے شروع کرتا ہے ”میری زندگی کے برسوں کے دن چھوڑے رہے اور رہے“ اور پھر شروع دعوے
کرنا ہوا لکھتا ہے کہ اس امر کا قرآن شریف کا کوئی بڑا حصہ ماقط ہو گیا اور جو بچ گیا وہ بد نظمی سے مرتب ہوا اکثر
محققین کو اعتراف کرنا پڑا۔ ”اور پھر اخیر میں لکھتا ہے کہ جو قرآن اب باقی ہے ہاتھوں میں موجود ہے وہ اصل قرآن کا
ایک اڈیشن ہے۔ اس وقت اس سے زیادہ بہتر اور مختصر اڈیشن بھی موجود تھے جیسے نسخہ ابو بکرؓ یا نسخہ عبد اللہ بن مسعودؓ
یا نسخہ ابی بن کعبہؓ یا نسخہ علیؓ یا ان سب کے علاوہ کوئی اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے استہام سے جو نسخہ قرآن تیار
ہوا تھا وہ حضرت عثمانؓ کے نسخہ سے ضرور افضل تھا۔ گو اب میں مسعودیؒ یا ابی بن کعبہؓ یا حضرت علیؓ کے قرائنوں کی فکر کا
نہ تھا۔ یہ ہمیں ان مصباح قرآن کی نسبت جو حضرت عثمانؓ کے ہاتھوں شہید ہو گئے یہی کہتے ہیں کہ اگر آج وہ یا
ان کے نقول بھی ہم تک پہنچتے تو ان سب سے بہتر بڑا ذخیرہ علم دین کا حاصل ہوتا ایسا کہ جس کے مقابل صحیفہ عثمانی
دریا کے مقابل گردا گرد ممتصر ہوتا۔ اور پھر ایک دوسری جگہ یہی شخص لکھتا ہے۔ ”یہ بالکل مبالغہ نہیں کہ جو نسخہ
میں احتیاط قرآن کے حق میں ابتداء سے سرد ہو گئی۔ دنیا میں کسی کتاب کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا گیا۔ اور نہ یہ ہوا
کہ گوہر صحیفہ قرآن جو حضرت عثمانؓ نے جمع کرایا ہم تک نہ کم و کاست پہنچا۔ مگر وہ قرآن جو آنحضرتؐ چھوڑ گئے ہم تک نہ
اچھ رہا جیاتی ہے صرف انکی یادگار ہے لہجے نے ترتیب حصص جو اپنی قسمت کے بچ گئے۔“ اور پھر ایک جگہ سب سے اعراف کی بحث
کرنا ہوا لکھتا ہے۔ ”پس ہم کہ یہ باتنا پڑا کہ قرآن جو حضرت یزید نازل ہوا وہ ہفق نگار قرآن تھا۔ اور لفظ قرآن کا
اطلاق حقیقت میں ان ساتوں مردوں کے مجرہ ہو جاتا تھا۔ اور اب قرآن موجود ہے ایسی صحیفہ عثمانی وہ زیادہ سے
زیادہ صرف کسی ایک حرف پر مشتمل ہے۔ اور اسلئے اگر بہت عایت کریں تو اسکو صرف ایک ساتواں حصہ سالم قرآن
اصلی کا کہہ سکتے ہیں۔“ ایسے شخص کا جواب صرف یہی کافی ہے کہ وہ قریش میں جن کی مخالفت کی حالت میں مصنف
کی طرح جنوں کی حد تک نہیں پہنچ گئی وہ خود اس کے ان تمام لالینی دعووں اور مجنونانہ طرہوں پر غور کر لیتے ہیں۔ اور یہ

گراہی دینے میں جیسا کہ مسودہ نے اوداسکلیپیڈ یا برٹینیکا کے مضمون فریڈی ماسی ہے۔ کہ جس حفاظت کے قرآن کریم ہم تک پہنچا ہے اُس کی نظیر دُنیا میں نہیں ملتی اور کہ تمام واقعات کی یہ ثابت ہوتا ہے کہ اصل قرآن ہی ہے جو آج تک کے باقیوں میں ہے اور جو مصحف عثمانی کی نقل ہے۔ اور کہ مصحف عثمانی ہی اصل قرآن تھا اور اس میں کسی قسم کی کمی بیشی یا تغیر تبدیل نہیں ہوا۔

اب ہم اصل اعتراض کی طرف اُپس آتے ہیں۔ اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ ابن مسعود اور ابی بن کعب کے مصحف بطور ترتیب اور لمبا طو عبادتوں کے عام طور پر مصحف عثمانی کے مطابق ہی تھے۔ اور یہ مطابقت یہاں تک بھی کراہی مضمون اس نتیجہ تک پہنچتا ہے کہ ابن مسعود اور ابی بن کعب اپنے مصحف ان صحف کی بنیاد پر تیار کئے تھے جو زید نے حضرت ابوبکر کے وقت میں جمع کیے تھے۔ مگر اصل بات یہ کہ قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ہی جمع ہو چکا تھا اور اسی جامعہ ابن مسعود یا ابی بن کعب یا زید کے مجموعے تیار ہوئے تھے یہی وہ اُن کی مطابقت کی تھی کیونکہ وہ سب ایک ہی سرچشمہ سے لیئے گئے تھے۔ ہاں فرق صرف اس قدر تھا کہ حضرت زید نے جو مصحف میں قرآن شریف کو جمع کیا تھا اس میں صدر درجہ کی احتیاط سے کام لیا گیا اور تمام اصل تحریر پر کٹھی کی گئیں اور تمام صحابہ کے اتفاق اور مشورہ سے یہ جمع وقوع میں آئی۔ لیکن ابن مسعود اور ابی بن کعب کی کوششیں صرف ذاتی تھیں۔ اسلئے اُن کا کسی موقع پر غلطی کا کھانا جانا بھی ممکن تھا یہ حال خواہ مخواہ ان صحفوں کے مصحف عثمانی سے ہٹائے جاتے ہیں وہ صرف دو قسم کے ہیں یعنی اول یہ کہ ابن مسعود کے مصحف میں موجود تین اور فاتحہ قرآن کریم کے اندر نہ تھی کئی تھیں اور ابی بن کعب کے مصحف میں دو عائدہ فقرے زائد تھے تھے۔ اور دوم کچھ قراتوں کا اختلاف تھا۔ لہذا میں ان دو اختلافوں کی حقیقت پر غور کروں گا۔ اور تاویل القرآن کے مصنف نے اس پر دیا اور لایق دفعہ اس قابل نہیں ہیں کہ اُن کی طرف توجہ بھی کی جائے اور خود اس کے ہم مذہبوں کی تحریر میں اس مجبوتانہ دعویٰوں پر نفیر بھیجی ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف صرف مصحف ابی بکر کی نقل تھے۔ اور نقل کرنے والے بھی خود وہی حضرت زید تھے جنہوں نے حضرت ابوبکر کے وقت صحف کو جمع کیا تھا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مصحف کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے وہ بھی واقعات کے سامنے باطل ثابت ہوتا ہے۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایسا کوئی مصحف تھا تو کیوں کبھی اسکی اشاعت نہ ہوئی۔ بالرفض اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تھے تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے وقت میں نہ مانع ہوا تھا۔ اور کم از کم یہ تو ضرور تھا کہ اگر کبھی موقع اسکی اشاعت کا نہ ملا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی خلافت میں ہی اسکو شائع کئے اور دُنیا میں پھیلانے۔ اور عجیب تر یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی اللہ عنہ کے وقت میں مصحف نقل کرنے میں خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مددگار ہوئے اور اپنے مصحف کا نام تک نہ لیا۔

ہمارے سامنے اب اصل اعتراض کے متعلق یہ سوالات حل طلب ہیں۔ کیا ابی اور ابن مسعود کے پاس اپنے اپنے مصحف الگ تھے۔ کیا ان کا مصحف عثمانی سے کوئی اختلاف تھا اور مسودہ اور قراتوں میں تھا اور اگر تھا تو کس قدر پہلے ابی کو لو۔ کوئی معتبر حدیث ایسی نہیں ملتی جس سے یہ ثابت ہو کر ابی کا مصحف الگ تھا جس کا مرقومہ

مصحف ابی اور
ابن مسعود کی
مطابقت
عثمانی سے

طریقہ
مشیک چار
ماہ تصانیف
جلال الدین محمدی

قرآن سے اختلاف تھا یا کہ اس صحت میں علاوہ قرآن شریف کی ایک سوچہ سورتوں کے دو دعائے جملے اخیر پڑائے لکھے ہوئے تھے۔ ہاں بعض احادیث جلال الدین سیوطی کی التقان میں ملتی ہیں۔ اور اسلئے پہلے میں پڑھنا چاہیئے کہ سیوطی کی احادیث پر ہم کہاں تک اعتبار کر سکتے ہیں۔ اس کے لئے میں ناظرین کو شاہ عبدالعزیز دہلوی کے مجالہ ناخوکا حوالہ دیتا ہوں جو اصول علم حدیث پر ایک مختصر سا گہرائی میں مسمیٰ رسالہ ہے۔ شاہ صاحب نے احادیث کو چار طبقوں میں تقسیم کیا ہے طبقہ اول میں جو سب سے زیادہ معتبر ہے وہ مولانا امام مالک اور بخاری اور مسلم کو رکھتے ہیں دوسرے طبقہ میں ابوداؤد و ترمذی اور نسائی کو رکھا ہے۔ اور ان کو بلحاظ اعتبار کے طبقہ اول سے کم درجہ کی تسلیم کیا گیا ہے تیسرے طبقہ میں ایسی حدیثیں ہیں جن کی عام طور پر قبولیت نہیں ملتی۔ اور نہ ایسی احادیث کو محض ان کتابوں میں ذکر کیا جانے کی وجہ سے قابل سند مانا گیا ہے بلکہ ان میں سے بعض بھی ہیں جن کے راویوں کے اعتبار سے پر اور ان کی راستگی پر بھی جوہر ہوتی ہے۔ اس طبقہ میں احادیث کی ایسی کثرت ہیں جیسے طبرانی، طحاوی، ہیثمی، مستدرک حاکم، مسند ابن ماجہ، مسند دارمی اور اور چند کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ سب سے آخری طبقہ احادیث کا چوتھا طبقہ ہے جس کے متعلق شاہ صاحبوں لکھتے ہیں طبقہ الرابعہ احادیث کے نام و نشان انہا درجوں میں معلوم نہ ہو و تاہم انہا روایت کردہ انہیں حال انہا از دوشن خالی نیست یا سلف نقص کردہ و انہا را اصلی نیافتہ اند تا مشمول بروایت انہا سے شندہ یا افتد و انہا قرح و علتہ دیدہ نہ کہ باعث شدہ نہ انہا را بزرگ روایت انہا علی کل تقدیر اس احادیث قابل اعتماد نیستند و مایہ تصانیف شیخ جلال الدین سیوطی در مسائل و لواذیر و قوہ میں کتابا است یعنی جو حقہ طبقہ کی حدیثیں وہ ہیں جن کا پہلے زائون میں کہیں نام و نشان بھی نہیں پایا جاتا اور متاخرین نے ان کو روایت کیا ہے پس ایسی حدیثیں دو حال سے خالی نہیں ہیں۔ یا تو پہلے لوگوں نے خوشنیت کی اور ان حدیثوں کو اصلی نہ پایا اسلئے ان کی روایت نہ کی یا اگر انہوں نے ان کو پایا تو ان میں القبیح اور علت دیکھی کہ سب سے ان دانتوں کو چھوڑ دیا و دونوں صورتوں میں یہ احادیث قابل اعتبار نہیں ہیں۔ اور شیخ جلال الدین سیوطی کی تصنیفوں کی کتب پر بھی اپنے رسالوں اور نوادر میں اسی قسم کی کتابیں ہیں ۴

ابن کا اختلاف

پس اول تو اسی سے قیاس کر لینا چاہئے کہ التقان کی حدیثوں پر کہاں تک اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ یہی نہیں محققین کے نزدیک بالکل ناقابل اعتبار ہیں اور یا تو محض وضعی ہیں یا ایسی کمزور اور ناقابل اعتبار کہ کسی محقق نے ان کی روایت نہیں کیا۔ اب ایک اور امر قابل ذکر ہے۔ اور وہ یہ کہ نہ صرف ان احادیث کو اعلاہ طبقہ کی احادیث سے کچھ تاثر نہیں ملتی بلکہ تردید ہوتی ہے ہم دکھا چکے ہیں کہ احادیث سے یہ علم ہوتا ہے کہ ابی بن کعب بھی اس مجلس میں تھے جس کے سر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصحفوں کا نقل کرانا کیا تھا۔ بعض احادیث ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وقت میں بھی ابی بن کعب نے جمع قرآن کے کام میں مدد دی۔ لیکن اگر بغرض بحال اس بات کو بھی تسلیم کر لیا جائے کہ ابی بن کعب ایک الگ مصحف بھی تھا جس میں انہوں نے علاوہ قرآن شریف کی سورتوں کے دو دعائے جملے بھی لکھے تھے تھے تو اس سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ وہ دعائے جملے نے الواقعہ قرآن شریف سے

بلکہ اس سے تو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا۔ کہ ابی بن کعبؓ ان کو قرآن شریف کی دوسری مرتبہ سمجھتے تھے۔ اور اگر ان کی کا خیال بھی ہو تو بھی اس سے قرآن کریم پر کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا۔ ہزار ہا صحابہؓ کی متفقہ شہادت ایک طرف اور ابی کا خیال ایک طرف، قبل اس کے کہ ابی کے اس خیال کو مصحف عثمانی پر حملہ کرنے کیلئے پیش کیا جائے ان صحابہؓ کا نام تو معترضین کو دینا چاہیے جنہوں نے ابی کے اس خیال کی تائید کی۔ ابی مسعودؓ کے خیالات بعض امور کی نسبت اجماع صحابہؓ سے الگ تھے۔ وہ بھی ابی کی تائید نہیں کرتے اور ان دو جملوں کو قرآن کریم کا جزو قرار نہیں دیتے۔ ابی اگر ایک شخص تھے جن کے اعتراض کرتا تو اسے تو یہ لازم تھا کہ پہلے وہ شہادت کا خدشہ کرتا اور پھر دیکھتا کہ آیا اعتراض کی صورت بھی بنتی ہے؟ قرآن کریم کوئی ایک یا دو شخصوں کی جائزہ دے تو بھی نہیں کہ جو کچھ وہ کہیں ہی صحیح تسلیم کر لیا جائے اور یہ خیال کر لیا جائے کہ باقی صحابہؓ کوئی غلطی نہ تھا۔ لیکن جو ممکن تھا کہ صورت ایک ابی کو یہ معلوم ہو کہ غلطی وہاں جماع قرآن شریف کا جزو ہے اور باقی ہزار ہا صحابی اس سے بالکل بغیر رہتے اور ان کے کانوں تک یہ بات ہی کبھی نہ پہنچتی۔ قرآن کریم کی ہر ایک آیت اس کے نزول کے وقت دشمنوں اور دوستوں کے درمیان کثرت شائع ہو جاتی تھی۔ اب ایک شخص سے غلطی بھی ہو سکتی تھی جس کی اصلاح ہزار ہا دوسرے شخصوں کی شہادت سے ہو سکتی تھی۔ بلکہ یہ ایک خصوصیت قرآن کریم کو حاصل ہے۔ کہ ہر ایک آیت ہزار ہا لوگوں کے سینوں میں نے انصاف و محکمہ طابو جاتی تھی اور اس طرح ہر قرآن شریف کا محافظ کوئی زود وارد نہ تھا۔ بلکہ ہزار ہا محافظ تھے۔ اور ایک آدمی کی غلطی کی اصلاح دوسروں کی شہادت سے انصاف و محکمہ طابو جاتی تھی۔ پس تمام صحابہؓ کی متفقہ شہادت ہی ایک ایسا امر ہے جو غلطی کرنے سے بچا سکتا ہے اب اگر مصحف عثمانی اور مصحف ابی میں کوئی اختلاف تھا تو اس کی صورت یہ تھی کہ حضرت عثمان ایک بات کہتے ہوئے اور ابی اس کے خلاف کوئی دوسری بات کہتے ہوں۔ بلکہ یہ خلاف ابی کا تمام جماعت صحابہؓ سے تھا جتنی سے اس میں تردد سے بھی اختلاف تھا۔ پس ایسی صورت میں کسی معترض کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ یہ کہے کہ ممکن ہے کہ قرآنی کے ساتھ ہر بعینہ ابی کی بات سچی ہو۔ کیونکہ ابی کی رائے ایک ہی تھی اور اس کے خلاف تمام صحابہؓ کی متفقہ شہادت تھی۔ پس جبکہ یہ بھی ثابت ہے کہ ایک یا دو نازل ہونے کے وقت عام طور پر شائع ہو جاتی تھی۔ اور دوسری طرف ابی کے خیال کا موافق صحابہؓ سے ایک بھی نہیں ملتا۔ بلکہ وہ کھلے طور پر ابی کی بات کو غلط قرار دیتے ہیں تو یہ ثابت ہو چکا کہ ابی غلطی پر تھا کیونکہ یہ تو قرآن قیاس ہے کہ ایک شخص سے غلطی ہو جائے اور دوسرے اس کی اصلاح کر دیں مگر یہ ممکن نہیں کہ قرآن شریف کا کوئی حصہ نازل ہو اور اس کا علم سوائے ابی کے اور ایک صحابی کو بھی نہ ہو۔ یہ سب باتیں اس روایت کو القان میں موجود ہے قابل اعتبار فرض کر کے لکھی گئی ہیں۔ اور رد اصل جیسا کہ میں لکھا چکا ہوں یہ دعویٰ نہ ہو کہ قابل اعتبار نہیں ہے +

اب ہم ایک اور پہلو سے اس معاملہ پر نظر کرتے ہیں۔ القان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو مجملے جن کو حفصہؓ رطل کی سورتوں کے نام سے نامزد کیا گیا ہے، دعائے قنوت کے دو حصے ہیں۔ اور اس طرح پر ہیں **يُغْفِرُ ذُنُوبَ الْغَافِرِ** **اِنَّا نَسْتَغْفِرُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ عَلَيكَ الْخَيْرُ وَالْخَيْرُ وَالْخَيْرُ وَنَتُوبُكَ مِنَ الْفَجْرِ**۔ **مَعْرُوم**۔ **اللَّهُمَّ**

حفصہ اور رطل

ایاک نعبد و ایاک نستعین والحمد لله رب العالمین والصلی علی اہل البیت علیہ السلام
بالکمال والحقیرمہ فہو اقل کا یہ ہے۔ اے اللہ تم مجھ سے ہی مردمان گئے ہیں اور میری حفاظت طلب کرتے
ہیں اور میری نیک شرت کرتے ہیں اور جو شخص میری نافرمانی کرتا ہے ہم اس سے بڑی ظاہر کرنے اور اسے چھوڑتے
ہیں۔ اور دوسرے فرقے کا ترجمہ یہ ہے۔ اے اللہ ہم میری ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور میرے لیے ہی نماز پڑھتے
اور کعبہ کرتے ہیں اور میری طرف سے بھی کھانا کھاتے ہیں اور میری ہی خدمت کرتے ہیں اور میری رحمت کی امید
کرتے ہیں اور میرے عذاب سے ڈھتے ہیں کیونکہ تیرا عذاب کا غرور کو جا لگتا ہے ۶

وہاں قنوت
قرآن کا حصہ
نہیں

یہ وہی قنوت ہے جس کو مسلمان نماز میں پڑھتے ہیں اور یہ عموماً حضرت علیؓ اللہ علیہ وسلم کی سکھا دی ہوئی
ہے وہاں قنوت کا اور بھی بعض صورتیں صحیح احادیث میں آئی ہیں اور سند زویل و عابست مشہور ہے۔ اللہ
اھدیٰ فی من ھدیٰ عاف فی من عافیت و توفی فی من توفیت و بارک لی فیما اعطیت و قنی شر
ما قضیت فانک تقصی و لا یقصی علیک انہ لا یذل من والیت
گولا بعز من عادیتم تبارکت ربنا و تعالیٰ تم کو ہر بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ دعا
قنوت کا یہ قطعی محدثین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں مروی ہے اور قرآن کریم سے ان کو کوئی قطعی حدیث
ہے مسلمانوں میں سے کیا سابقین اور کیا ممت قرین سب دعا قنوت کو پڑھتے ہیں۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے یہ دعا ان کو سکھائی تھی۔ پس صحابہ کے علم کی طرف اس بات تک نہ تھی کہ دعا یہ جملے جن کو انی بوب کو
اتقان اپنے صحف میں شامل کرتے تھے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی قرآن کا حصہ بنا کر نہیں سکھایا
تھا بلکہ ان کو یہی علم تھا کہ یہ دعا یہ جملے ان کو سکھائے بھی گئے ہیں۔ مگر ان کو جو قرآن خواندین یا گھیا اس طرح پر
صحابہ کی شہادت بر خلاف انی کے صرف لاعلمی کی شہادت ہی نہ تھی کہ وہ کہتے ہیں میں نے کبھی یہ جملے سکھائے ہی نہیں
گئے بلکہ ان کی شہادت یہ تھی کہ یہ جملے تو ہمیں سکھائے گئے ہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قرآن کا مجھ کو نہیں
اسی لئے صحابہ میں سے کسی نے ان کی بات کی تائید نہیں کی۔ بلکہ احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس دعا کا قنوت کو پڑھا اور اپنے صحابہ کو بھی سکھایا۔ مگر کبھی اس کو مجھ قرآن نہیں
کہا۔ بلکہ یہ کہانی کو صرف اس بات کے قطعی ثبوت کے لیے نماز میں پڑھے جاتے ہیں۔ مگر اہل بات یہ ہے کہ
اُدھی بہت سارے دعا جملے نماز میں پڑھے جاتے تھے جو مجھ قرآن نہیں تھے۔ اور یہ جملے بھی قرآن
شریف کی آیات کی طرح کے بعد پڑھے جاتے تھے اور کبھی اس بات کو کافی سمجھا گیا کہ سورہ فاتحہ کے بعد
آیات قرآنی پڑھنے کی بجائے انہی دو جملوں کو پڑھ لیا جائے لیکن اگر انی نے ان دعا جملوں کو مصحف میں لکھایا
قرآن کریم کا حصہ سمجھا تو یہ محض ان کا خیال تھا اور غلط خیال تھا اور ہزار ہا صحابہ کی قطعی شہادت اس کے خلاف
بتاتی ہے کہ یہ جملے جو قرآن میں نہ تھے۔ کیونکہ اول تو حضرت ابو بکر کے وقت جمع قرآن میں کل صحابہ اس کام
میں شامل تھے۔ اور وہ جمع میں کسی ایک کو نہ دیکھی کہ اسے ان میں سے نہیں ملے۔ پھر جب حضرت عثمان نے اسی قرآن کریم سے

عزیز نے کھولے تو اس وقت بھی نقل کے اہتمام میں بہتے صحابہ شامل تھے علاوہ ان میں کسی صحابی کے کوئی روایت نہیں پائی جاتی کہ یہ قرآن شریف کا جزو وہیں اور مصحف عثمانی میں نقص گھنچے کہ ان کو داخل نہیں کیا گیا۔ بلکہ اگر ایلی کا کوئی اختلاف تھا تو انہوں نے خود حضرت عثمان کے ساتھ انسانی نقلوں کے اہتمام میں شامل ہو کر انہی غلطی کو تسلیم کر لیا۔ کیونکہ کہیں سے ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے اس بات پر زور دیا ہو کہ یہ فقرے بھی مصحف سے اندر لکھنے چاہئیں۔ اور مجرب السبی ہی روایات کے آفرینا مصحف جلک حضرت عثمان سے مصحف کی صحت کی قبول کیا۔ میں نہیں سمجھتا اس سے ٹرھ کر اور واضح تر شہادت قرآن کریم کی صحت کی کیا ہو سکتی ہے ؟

ف
مسعود کا
ابن

اختلاف واقع کے سوال کو میں بالفضل چھوڑتا ہوں۔ کہہ کر یہ مصنف لمبا ہے۔ اور الگ عنوان کے نیچے اس پر آگے بحث آتی ہے۔ اب ہم ان اختلافات پر غور کرتے ہیں جو ابن مسعود کی طرف منسوب کئے گئے ہیں یعنی یہ کہ وہ معوذتین کو اپنے مصحف میں نہ لکھتے تھے۔ اس کے متعلق بخاری میں حسب ذیل حدیث کتاب تفسیر میں آئی ہے عن زید قال سألت ابی بن کعب قلت ابا المنذر ان اخاك ابن مسعود يقول كذا وكذا۔ فقال ابی سالت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لی قبل لی فضلت قال نحن نقول كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ اور اسی کی دوسری روایت یوں ہے۔ عن زید بن جابر قال سألت ابی بن کعب عن المعوذتین فقال سالت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال قبل لی فقلت فتقول كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ اس حدیث کے الفاظ میں کچھ ابہام ہے۔ ترجمہ اس کا یوں ہے کہ نہ کہتے ہیں میں نے ابی بن کعب سے پوچھا کہ ابن مسعود معوذتین کے بارہ میں ایسا ایسا کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا مجھے ایسا ہی کہا گیا ہے میں نے بنیادی باتوں سے کہا میں کہہ رہا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ابن مسعود معوذتین کے بارہ میں کیا کہتے تھے۔ آیا واقعی اپنے مصحف میں نہ لکھتے تھے اور اگر نہ لکھتے تھے تو اس وجہ پر کہ یہ ممکن ہے وہ اسے کلام الہی سمجھتے ہوں مگر یہ کہتے ہوں کہ ان کا لکھنا قرآن شریف میں ثابت نہیں یا اور کچھ کہتے ہیں بہر حال حدیث کے الفاظ بھی تصریح نہیں۔ ہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا جواب ابی بن کعب سے یہ دیا کہ انہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معوذتین کے متعلق دریافت کیا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب کیا تھا یہ اسی سے معلوم ہوا جیسا کہ ابی ان سورہوں کو قرآن شریف کا جزء سمجھتے اور مصحف میں لکھتے تھے۔ پس یہی جواب ابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ملا تھا۔ ظاہر الفاظ حدیث کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے یہ دونوں سورہیں ہی طرح وحی کی گئی ہیں۔ پس میں نے اس وحی کو لوگوں تک پہنچا دیا۔ مگر بعض لوگ احادیث سے جو حکم پایہ کہ میں نے اپنی لمبا غلط اعتبار کے وہ اس قابل نہیں کہ ہم ان کی محنت پر وثوق کر سکیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن مسعود اپنے مصحف میں ان سورہوں کو نہ لکھتے تھے۔ چنانچہ ایک روایت احمد کی ہے۔ ات عبد الله بن مسعود كان لا يكتب المعوذتين في مصحفه اذ راى ابن ابي روي ان الفاظ میں

کان عبد اللہ بن مسعود لیل المعوذتین عن مصاحفہ ولقول لہما لیستامن کنا اللہ۔ یعنی
 عبد اللہ بن مسعود معوذتین کو اپنے مصاحف کے گھر چلا لیتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ کتاب اللہ میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ
 روایت صحیح ہے تو معلوم ہوا کہ عبد اللہ بن مسعود کا خیال ابد کا تھا کیونکہ وہ مجھے پوچھے کہ گھر جتنے تھے جس سے معلوم
 ہوا کہ فعل ان کا کسی علم کی بنا پر نہ تھا بلکہ اجہاد کی بنا پر تھا یہ حال کسی دوسرے صحابی نے ان کے اس فعل
 کی تائید نہیں کی۔ جیسا کہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ قال البزار ولہ نتائج ابن مسعود علی ذلك
 احسن الصحابة وقد صرح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قرأہما فی الصلوة۔ بزار کہتے ہیں کہ
 ایک صحابی نے ابن مسعود کی اس بات میں پرہیزی نہیں کی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ صحیح طور ثابت ہے کہ آپ
 معوذتین کو نماز میں پڑھا حضرت سفیر نہیں کہ دوسرے صحابہ نے ابن مسعود کی بات کی تائید نہیں کی بلکہ خود ان ہی نے
 ان کی مخالفت کی اور اپنے علم کی بنا پر فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مجز و قرآن ہی بتایا۔ یہ ایک عجیب بات
 ہے کہ دہری آدمی ایسے جملے جاتے ہیں جن کے مصاحف میں کسی اختلاف کا ذکر بعض روایات میں موجود ہے اور
 وہ دونوں ایسے ہیں کہ جو نہ صرف ائمہ و شریک تابعین نہیں کرتے بلکہ ائمہ و شریک تابعین کے لئے ایک کھمبہ افق
 ہے اور مصحف عثمانی کو صحیح قرار دیتی ہے اپنی فعلی قنوت کو قرآن میں لکھتے ہیں تو ابن مسعود باقی صحابہ کے ساتھ امتیاز عظمیٰ پر
 قرار دیتے ہیں ابن مسعود معوذتین کو قرآن میں نہیں لکھتے تو ابی دوسرے صحابہ کے ساتھ انہیں عظمیٰ پر قرار دیتے ہیں۔ پس
 ایک اکیلے آدمی کی رائے نہ ہر آدمیوں کی متفقہ شہادت کے خلاف جو علم کی بنا پر یہ ہے کیا وقعت رکھتی ہے ؟
 بہت سی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کثرت صحابہ صحیح علم اس بات کا کہتے تھے کہ معوذتین قرآن کریم کا حصہ
 ہیں اور یہ ان کا بلا واسطہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا۔ ابی کی شہادت کا اوپر ذکر ہو چکا۔ اور بھی بہت صحابہ
 سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار ان سورتوں کو نماز میں پڑھا۔ دعائیں جملوں کے طور پر نہیں بلکہ
 قرات کے طور پر یعنی یکے کوئی اور قدر قرآن کا پڑھنے کے انہیں سورتوں کو پڑھا۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جو دعائیں
 جملے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پڑھا کرتے تھے جیسے دعاء القنوت قرآن کی جگہ نہ سمجھتے تھے کہ معوذتین
 کو قرات کے طور پر پڑھا۔ اور یہی صحابہ کو سکھا یا چنانچہ کئی صحابوں کی شہادت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود
 ان کو ہدایت فرمائی کہ ان کو نماز میں پڑھا کرو۔ مثلاً ایک صحابی سے روایت ہے ان الدی صلی اللہ علیہ وسلم اقرأہ
 المعوذتین وقال لہ اذا انت صلیت فاقرا ہما۔ ابی یہ یقیناً چاہئے کہ ابن مسعود کو کیا عظمیٰ لگی۔
 اصل میں بات یہ کہ یہ دونوں سورتیں قلاعت بربک شریعت موقی ہیں دوسری طرف قرآن شریعت میں یکم ہے اذا
 قرأت القرآن فاستعذ باللہ یعنی جب تو قرآن شریعت پڑھے تو اللہ کے نام کے ساتھ پناہ مانگ۔ اور قرآن دونوں
 سورتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کس طرح پناہ مانگنی چاہئے۔ ابن مسعود نے یہ خیال کیا
 کہ اس کلام میں صرف وہ طریق سکھایا گیا ہے جس طرح پناہ مانگنی چاہئے۔ یہ خیال ہی خیال نہیں بلکہ ایک بات
 میں ابن مسعود کے الفاظ موجود ہیں انما امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یتعوذ ہما یعنی آنحضرت

معوذتین جزو قرآن
 ہیں۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے یکجہا تھا کہ ان کے ساتھ پناہ مانگی جاوے جس سے انہوں نے خیال کر لیا کہ قرآن کریم کا جو نہیں بلکہ یہاں مانگنے کا طریق سکھاتی ہیں۔ حالانکہ آنحضرتؐ کے اس حکم کا کہ ان کے ساتھ پناہ مانگی جائے یہ ترجیح نہیں نکلتا تھا کہ وہ خدا کا کلام یعنی تجز و قرآن نہیں ہیں۔ اس سے حضرت ابن مسعودؓ کی غلطی کا صاف پتہ لگتا ہے۔ ناصی ابوبکر باقلانی نے ابن مسعودؓ کے اس فعل کی تشریح کیوں کی ہے۔ اور اسی کی تائید قاضی عیاض نے بھی کی ہے۔ کہ ابن مسعودؓ نے ان کے جز و قرآن ہونے سے انکار نہیں کیا بلکہ صرف یہی کہا کہ ان کو قرآن کریم کے اندر نہ لکھا جائے جس کی وجہ شاید یہ کہ انہیں آنحضرتؐ سے ان کا لکھنا ثابت نہ ہوا ہو۔ خواہ کچھ ہی صورت ہو سکتا ہے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ابن مسعودؓ کے اس خیال کی ایک بھی صحابی نے تائید نہیں کی اور اسلئے چونکہ صحابہؓ کی متفقہ شہادت اسکی بارے کے خلاف ہے اسلئے تاریخی طور پر بھی ہمیں اس کے خیال کو قطعاً غلط ٹھہرانا پڑتا ہے اور بعض اصرار کو رد فاتحہ کو بھی اپنے صحیفہ میں نہ لکھتے تھے اس سے بھی زیادہ مکرر ہے کیونکہ کسی معتبر حدیث سے اس کا کچھ بھی پتہ نہیں لگتا صرف جوچھے طبقہ کی احادیث میں سے جن کا ذکر اوپر ہوا ایک حدیث ابن عباسؓ کی ہے جس کا ذکر جلال الدین سیوطی نے التلخیص میں کیا ہے اس حدیث میں جو واقعات ابن مسعودؓ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اگر وہ صحیح ہے تو اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ مسودہ فاتحہ کو تمام قرآن کے لئے بطور خلاصہ سمجھا جاتا تھا شاید اسی وجہ پر انہوں نے قرآن کے اندر اسے نہ لکھا ہو۔ یا وہ سمجھتے ہوں کہ جس طرح مسودہ تین مرتبہ قرآن کے فتم کرنے کیلئے ہیں فاتحہ اس کے شروع کرنے کے لئے ہے اور انہیں قرآن کے اندر لکھنے کی ضرورت نہیں بہر حال ایک آدمی کے محض خیال کو ہزار آدمیوں کی متفقہ شہادت کے خلاف جو وزن دیا جاسکتا ہے وہی ابن مسعودؓ کی ان باتوں کو صحابہؓ کے اتفاق کے مقابل دینا ہوگا اختلافات قرآن کا سوال جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں الگ حل کیا جائے گا تیسرا اعتراض صرف ایک دہم ہی دہم ہے جو کچھ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا انشاء تھا اسی کے مطابق آپ کا تبار و جی سے لکھواتے اور اسی کے مطابق حافظان قرآن حفظ کرتے اگر جمع قرآن صرف تمہا زید کا ہی کام ہوتا۔ اور اس میں دوسرے صحابہؓ ان کے معاون نہ ہوتے تو ایسے شکوک کے لئے بکل ممکن کہ تمہا زید سے بعض فقرات رہ گئے ہوں یا بعض فقرات ایسے انہوں نے درج کر دیئے ہوں جن کو قرآن شریف میں شامل کرنا آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء نہ تھا لیکن جیسا کہ بہت سی احادیث کی متفقہ شہادت سے جو مختلف سلسلہ رواۃ سے ہم کو پہنچی ہیں ثابت ہو رہا ہے زید کے معاون جمع قرآن کے کام میں کل صحابہؓ تھے جنہوں نے قرآن شریف کو لکھا ہوا تھا وہ اپنے اپنے لکھے ہوئے کا غدے کو حاضر پڑے اور جنہوں نے حفظ کیا ہوا تھا ان کے حافظوں سے مدد لگئی حضرت ابوبکرؓ کے وقت میں ہی صحابہؓ کا جمع قرآن کے کام میں زید کے ساتھ شامل ہونا ثابت ہے۔ اور حضرت عثمانؓ کے وقت میں جب نسخے لکھے گئے اُس وقت بھی دیگر صحابہؓ کا زید کے ساتھ شامل ہونا ثابت ہے۔ لہذا اس صورت میں جبکہ ابھی بہت لوگ ان صحابہؓ میں سے جنہوں نے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن شریف کو حفظ کر لیا تھا انہیں تھے۔ یا بالکل ناممکن تھا کہ کچھ فقرات جو صل میں قرآن شریف میں شامل تھے غلطی سے شامل ہوئے سے رہ جائے یا بعض فقرات ایسے شامل

جمع زید میں
کئی ہستی کے
امکان کا خیال
خلاف احوال
ہے

ہو جائے جن کے شامل کرنے کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں دیا تھا۔ ایسی غلطی کا ارتکاب اکیلے آدمی سے ہو سکتا تھا۔ مگر جہاں تک ایک طرف حفاظہ موجود ہو، دوسری طرف کل کی کُل تحریریں اکٹھی کی گئی ہوں اور پھر وہ صحابہ جو دن رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن شریف سنتے تھے وہ موجود ہوں ہاں ایسی غلطی کا ارتکاب ناممکن ہے کیونکہ جو غلطی ایک شخص کرتا اسکی اصلاح دوسرے کر سکتے تھے یہاں سے بات کا ارتکاب نہیں کرتے کہ ایک آدھ جگہ سے کوئی غلطی ہو سکتی تھی بلکہ ہم اس بات کو کچھ چکے ہیں کہ اگر اُبی اور ابن مسعود کی مصاحف الی روایتیں درست ہیں تو ان بزرگوں سے بعض غلطیاں ہو جانے کی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے اپنی ہی رائے کے مطابق سب کا کام کیا۔ مگر جب بات پر زور دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ زید کی جمع اور پھر نسخ مصاحف کے وقت ایسی ایسا غلطیوں کی اصلاح کے اچھے بڑے ذرائع موجود تھے کہ غلطی کا امکان بھی باقی نہیں رہتا۔ چہ جائیکہ اُس کا وقوع ثابت ہو۔ زید نے بطری مختلفہ قرآن شریف کو جمع کیا جو کامل مسودہ تین نازل ہوئی تھیں ان کو مسودہ مسودہ کے جمع کیا اور جان متفرق آیتیں نازل ہوئی تھیں ایک ایک آیت کے انہیں تلاش کیا اور پھر ان تمام تحریروں پر تائید شہادت حافظان قرآن کی موجود تھی اگر خالی تحریر کا ہی اعتبار کیا جائے تو کہا جاسکتا تھا کہ کوئی آیت رہ گئی ہوگی مگر وہاں حافظ بھی سب جمع تھے اور یہ وہ لوگ تھے جو سارا قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور آپ کے سامنے حفظ کر چکے تھے اور اسلئے زید خوب جانتے تھے کہ کس حصہ یا کس آیت کی تلاش ابھی کہنی چاہیے چنانچہ جمع قرآن کے بارہ میں جو حدیث آئی ہے اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ وہاں زید کہتے ہیں فلاں آیت کو میں نے تلاش کیا یہاں تک کہ اسے فلاں شخص کے پاس پایا یعنی آیت کا علم تھا اور تحریر کو تلاش کیا یہاں تک کہ تحریر بھی مل گئی پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ایک یا دو حافظوں پر ہی سارا اعتبار نہیں کیا بلکہ کُل کے کُل کو جمع کیا ممکن تھا کہ ایک حافظ سے کہیں غلطی ہو جائے مگر اسکی اصلاح دوسرے نے الفور کر سکتے تھے۔ اور اس کے ساتھ ہی ایسی غلطی کی اصلاح کا دوسرا ذریعہ تحریر بھی کیونکہ ہر ایک آیت بعد نزول نے الفور ضبط تحریر میں بھی لائی جاتی تھی۔ ایسا نچتر انتظام تھا کہ کسی غلطی کے امکان کو باقی نہیں چھوڑتا کیونکہ باوجود ایک قسم کی قطعی شہادت کے موجود ہونے کے زید مطمئن نہ ہوتے تھے جب تک کہ دوسری قسم کی شہادت نہ مل جائے۔ حافظ کی تائید تحریر سے اور تحریر کی حافظ سے ہوتی تھی۔ اسی دوسری شہادت کی طرف حدیث جمع قرآن میں زید اشارہ کرتے ہیں۔ جب وہ یہ فرماتے ہیں کہ میں تحریروں اور آدمیوں کے سینوں سے قرآن شریف کو اکٹھا کرنے لگا۔ باقی رہا نسخہ منسوخ کا سوال سو اس کا اس مضمون زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں اور چونکہ وہ خود لمبا مضمون ہے۔ اسلئے اس کو بھی آپس الگ عنوان کے نیچے بحث کے لئے چھوڑنا ہوں لیکن جو قرآن کیا گیا ہے اس کے جواب میں اتنا کہنا ضروری ہے کہ اگر ہم اس بات کو فرض بھی کر لیں کہ کوئی آیت کبھی منسوخ کی گئی تو صحابہ اس سے بچ رہے ہو سکتے تھے کیونکہ جس چیز کو آپ نے منسوخ کرنا ضروری سمجھا ہو اس کا اعلان اور اسکی اشاعت بھی اسی طرح کی ہوگی جس طرح کسی آیت کے نزول کی +

اب ہم جو محض اعتراض کی طرف آتے ہیں جس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ بعض احادیث میں بات قرآن کے ہم

قرآن میں کچھ
بڑھایا گیا نہ ہے
گھٹایا گیا

وہ فقرات محفوظ ہیں جو حضرت ابوبکر با حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے وقت شامل نہیں کئے گئے یا لاکڑہ نہ تھے
صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جزو قرآن سمجھے جاتے اور قرآن شریف میں بڑھے جاتے تھے۔ حقیقت یہی اعتراض
سب سے بڑا اعتراض ہے۔ اور اس پر یہ مفصل بحث درکار ہو گی کہ ہم اس بات کو انکار نہیں کرتے کہ ایسی حدیثیں
موجود ہیں۔ مگر کہتے ہیں کہ وہ قابل اعتبار ہرگز نہیں ہاں بعض مقامات پر بعض الفاظ کے معنوں کی غلط فہمی کی وجہ سے
بھی اعتراض پیدا ہوئے ہیں قبل اس کے کہ ان احادیث پر ہم ایک ایک کر کے بحث کریں یہاں چند عام رویا رکھ کر دیکھیں جو
اُس پر ناظرین کو اصل بحث کے سمجھنے میں مدد دینگے قرآن شریف کی حفاظت کو ثابت کرنے کے لئے ہمیں دو باتیں ثابت
کرنی ہیں۔ اول یہ کہ قرآن شریف میں کوئی لفظ یا کوئی فقرہ بڑھایا نہیں گیا اور دوم یہ کہ اصل میں سے کچھ چھوڑا نہیں گیا
جو موجود قرآن میں نہ ہو ان میں سے امراؤں کے متعلق یہ بات ثابت ہے کہ کوئی حدیث معتبر یا غیر معتبر صلی یا غیر صلی
ایسی نہیں مانی جاتی جس میں یہ عوی کیا گیا ہو کہ فلاں آیات یا الفاظ جو اس وقت قرآن شریف میں بڑھے جاتے ہیں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں نہ بڑھے جاتے تھے سوائے اس ایک حدیث کے جس میں یہ ذکر ہے کہ ابن مسعود
معوذتین کو مٹھوکے اندر نہ رکھتے تھے یا کچھ ٹوٹے کو گھر جیتے تھے اس پر بحث گذر چکی ہے۔ اور میں دکھانچکا ہوں
کہ یہ ابن مسعود کی صحیح غلطی تھی وہ اکیلے اس خیال میں پڑ سکے تھے حالانکہ سارے کے سارے صحابہؓ جتنے کہ انی مجاہدین میں ان کی
جماعت کرتے تھے غلطی کی بنیاد اس خیال پر تھی کہ معوذتین صرف تعویذ کے لئے ہیں اور ان کو قرآن شریف کے حکم پر
بڑھ لینا چاہیئے قرآن شریف کے اندر رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے خیال کیا
کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم جس سے ہر ایک سورۃ قرآن شریف کی شروع ہوتی ہے وہ صرف افتتاح کے لئے ہے اور جو سورۃ نہیں
ہے۔ ایسا ہی خیال معوذتین کے متعلق ابن مسعود کا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اکیلے شخص کا خیال جبرہ بھی ہرچ طور پر افتات
کی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ تمام صحابہؓ کی متفقہ شہادت کے بالمقابل کیا وقعت رکھ سکتا ہے درانحالیکہ ان کی شہادت کی
میں با قطع اور یقینی علم پر تھی نہ ابن مسعود کی طرح محض ایک خیال یا اجتہاد پر اس ایک حدیث کے سوائے اور کوئی حدیث نہیں
ہے جس سے کیا گیا ہو کہ فلاں آیت یا سورۃ قرآن میں شامل نہ تھی اور اس امر کی قطعاً کوئی شہادت نہیں کہ زید یا عثمانؓ
نے اپنی طرف سے کوئی آیت یا سورۃ ملا دی تھی اب جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ قرآن شریف میں کچھ بڑھایا نہیں گیا اور کچھ
بات کا ثابت ہونا کہ اس میں سے کچھ گھٹایا نہیں گیا ہماری آسان ہو جاتا ہے۔ کیونکہ پہلے امر کا ثبوت بھی اس کے
امر کے ثبوت کا حامی ہے ہم پوچھتے ہیں کہ بڑھانے کے وجوہات کیا ہوئے اگر قرآن شریف ایسی بے احتیاطی سے جمع کیا
جاتا۔ جیسا کہ مخالفین خیال کرتے ہیں کہ اس میں سے سورتوں کی سورتیں یا آیتیں گھٹیں نہ پھر اس لئے احتیاطی کا
دوسرے پہلو پر بھی ہونا چاہیئے یعنی جیسے کچھ گھٹایا گیا تھا کچھ بڑھا بھی دیا جاتا۔ یا جیسے کچھ حصص رہ گئے تھے
کچھ اور بھی داخل ہو جاتے کیونکہ دونوں طرف کسب میں اثر ہونا چاہیئے تھا۔ مگر چونکہ قرآن شریف میں بڑھ جانے کی
شہادت کسی کمزور حدیث سے بھی نہیں ملتی۔ اسلئے یہ ماننا بڑھیا کہ حضرت زیدؓ نے بڑے درجہ کی احتیاط اور تحقیق
سے جمع کا کام کیا۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ اصل احتیاط اور تحقیق نے قرآن شریف میں کچھ نہ یاد دی ہو جائیے اس کلام بالکل

محفوظ رکھا دی اس میں سے کم ہو جانے سے بھی اس کو محفوظ رکھنے کا ذریعہ بن گئی۔ اور اصل بات یہی ہے کہ حضرت زیدؓ اعلیٰ درجہ کی تحقیق کو کام میں لائے اور سامان حفاظت بھی سارے موجود تھے یعنی ایک طرف حافظان قرآن جن کو قرآن شریف کا ایک ایک حرف حفظ تھا اور دوسری طرف اصلی تحریریں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھی گئی تھیں پس ایک طرف سامان حفاظت کا پورا پورا موجود ہونا اور دوسری طرف حضرت زیدؓ کی اس قدر احتیاطی تدبیر باعث تھے کہ جن کی وجہ سے قرآن شریف میں نہ کوئی زیادتی ہوئی اور نہ ہی کوئی کمی ہوئی +

نتائج کی بنیاد
احادیث کی مجموعی
شہادت پر رکھی
جاسکتی ہے

دوسری بات جس کو میں خصوصیت کے بیان کرنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ حدیثوں سے استدلال کا طریق جو یہ مفسرین اختیار کر رہے ہیں بالکل غلط ہے یہ لوگ عموماً اپنے نتائج کی بنیاد حدیث کی مجموعی شہادت پر نہیں رکھتے بلکہ چوں کہ اعتراض کرنے کی غرض ہو یا پہلے ان میں کوئی خیال بیٹھا ہو اس پر تو ایک کمزور سے کمزور حدیث بلکہ بعض وقت ضعیفی حدیث کو بنیاد ٹھیکر کر اس پر ایک عمارت کھڑی کر دیتے ہیں خواہ اس حدیث کے اعتباراً حدیث میں کتنی ہی ذہنی شہادت کیوں موجود نہ ہو اور خواہ وہ بیخبر نکال لیا گیا ہے حدیث کی مجموعی شہادت کی گڑ سے کتنا ہی لغو ثابت ہوتا ہو۔ اب جو ذخیرہ احادیث کا مجھے سامنے موجود ہے اس میں ہر ایک قسم کی احادیث شامل ہیں اور محققین نے شائد محضوں کے ساتھ معتبر اور غیر معتبر احادیث کو الگ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلے ایک محقق یا منصف کے لئے یہ رگڑ جائز نہیں ہے کہ وہ احادیث کے ملے جلے ذخیرہ میں سے ایک حدیث لیکر جو تیس سے نکل سکے نکالے بلکہ قبل ایسا نتیجہ نکالنے کے اس کو کئی امور پر غور کرنا چاہئے۔ احادیث کے مجموعوں میں سے وہ مجموعہ جو امام بخاری نے جمع کیا اور جو صحیح بخاری کے نام سے مشہور ہے سب سے زیادہ معتبر ہے اور جہاں احادیث سے متضاد شہادت ملتی ہو تو بعض احادیث کی شہادت بعض کے مخالف ہو تو مومن طریق ایسی صورت میں یہ ہے کہ بخاری کی حدیث کو مقدم کیا جائے کیونکہ خود امت کا اجماع اس بات پر ہو گیا ہے کہ صحیح النکت بعد کتاب اللہ بخاری شریف ہے پس احادیث شہادت لینے وقت پہلا قاعدہ جو ایک محقق یا منصف کو مدنظر رکھنا چاہئے یہ ہے کہ معتبر اور غیر معتبر احادیث میں تمیز کیا جائے بغیر اس قاعدہ کو مدنظر رکھنے کے ہم صحیح تہجد تک کبھی نہیں پہنچ سکتے۔ اس بات کو یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں ہم صرف اس صورت کا ذکر کر رہے ہیں جب بعض احادیث سے بعض کے مخالف شہادت پیدا ہوتی ہو لیکن جہاں حدیث کا اختلاف قرآن سے ہو تو ایسی صورت میں حدیث کو رد کرنا پڑے گا۔ خواہ وہ کسی قسم کی ہود و سراقہ جہاں حدیث کی شہادت کو منہ کرتے وقت مدنظر رکھنا چاہئے۔ وہ یہ ہے۔ کہ جب احادیث ایک ہی ہی معتبر یا غیر معتبر ہوں تو دیکھنا چاہئے کہ زیادہ شہادت کس طرف ہے مگر سب سے ضروری اور یقینی معیار یہ ہے۔ کہ عملی توازن کس بات کو صحیح ٹھیکر اتا ہے اب ہم ان تین معیاروں کی گڑ سے ان احادیث کو پکھیں گے۔ جو حفاظ قرآن کریم کے سوال کے متعلق ہیں لیکن اس سے پہلے ان احادیث کا بیان کرنا ضروری ہے۔ جن پر اعتراضوں کی تار کھ گئی ہے۔ ان احادیث کو میں تاویل القرآن سے لیتا ہوں۔ جو سخت معاندانہ رنگ میں لکھی گئی ہے۔ اور جس کے مصنف نے ایسی احادیث کے جمع کرنے میں سخت محنت اٹھائی ہے۔ اگرچہ اوپر میں نے کہا تھا کہ ہم اس کتاب کے مجنونانہ دعویٰ کی طرف کوئی توجہ نہیں

۵۰ احادیث
جنتیں ذکر ہے
کہ ظلماتِ موت
یا آیت قرآن
میں بھی نہیں

لیکن تاہم ایشمنوں میں اتھام باتوں کا جواب دیا گیا ہے یوں یا جو کچھ کی بنا ایسے امور پر ہے۔ جو احادیث کی شہادت سے پیدا ہوں خواہ الہی احادیث معتبر ہوں یا غیر معتبر احادیث پیش کردہ ہیں (۱) صحیح مسلم کتاب الزکوۃ میں ابو الاسود سے یہ روایت ہے کہ ابو موسیٰ اشعری نے بصرہ میں حسب ذیل الفاظ قراء کی ایک جماعت کے سامنے برپا کیے۔ انا کنا نقرا سورۃ تشبہا فی الطول والشدۃ ببزۃ فانسیتھا غیرانی قد حفظت منها۔ لو کان لابن ادم وادیان من مال۔ لا یبتغی وادیان ثالثا۔ کلا یملأ جوف ابن ادم کلا التراب وکنا نقرا سورۃ کنا تشبہا باحدی المسبحات فانسیتھا غیرانی قد حفظت منها یاھذا الذین امنوا لم تقولون مالا لتفعلون فتکتب شھادة فی اعناقکم فستثقلون عنها یوم القیمة +

(۲) مسلم کتاب الرضاع میں حضرت عائشہ سے حسب ذیل روایت ہے۔ عن عائشۃ انها قالت کان فیما انزل من القرآن عشر رضعات معلومات ثم لیسنخن لھن من معلومات فتوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی فیما یقرأ من القرآن +

(۳) مسلم کتاب الحمود میں حسب ذیل روایت ہے۔ عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یقول قال عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ وهو جالس علی منبر یسرزل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یبعث محمدا صلی اللہ علیہ وسلم بالحق وانزل علیہ الکتاب وکان محمدا انزل اللہ علیہ ایتۃ الرحمة قرأناھا ووعیناھا وعقلناھا۔ فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورجعنا بعد فاحشی ان طال بالناس زمان ان یقول قائل ما نجد الرحمة فی کتاب اللہ تعالیٰ فیصلوا تبرک فربضۃ انزلہ اللہ وان الرحمة فی کتاب اللہ حق علی من زنا اذا حصن من الرجال والنساء اذا قامت البینۃ او کان الحمل او الاعتراف۔ اور ایسا ہی شیئہ الی وادون کتاب الحمود باب الرحیم میں یہ روایت ہے۔ عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما یعنی ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطب فقال... فالرحمة حق علی من زنا من الرجال والنساء اذا کان محصن اذا قامت البینۃ او کان حمل او اعتراف وایضا اللہ لو کان ان یقول الناس نراد عمر فی کتاب اللہ عز وجل لکتبتھا +

(۴) عن عائشۃ قالت كانت سورۃ الاحزاب تقرأ فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم آتی الی فلما کتب عثمان المصاحف لم یقرء منها الا ما هو صلیان (کتاب الاقان جلد ۳ صفحہ ۳۳) (۵) عن مالک ان اولھا لما سقط معہ البسملة ثبتت انھا كانت تعدل البقرة لطوطا۔ وفی مصحف ابن مسعود مائة واثنتا عشرة سورۃ لانه لم یتب المعزین وفی مصحف ابیہستہ لانه کتب فی اخر سورۃ المحفد الخلع (اقان جلد اول صفحہ ۸۱) +

ان پہلے کا دہشت
کی تردید و ردی
صحیح حدیث سے
ہوتی ہے +

یہ وہ باتیں حدیثیں ہیں جن کی بنا پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ بعض آیات یا فقرے یا سورتیں جو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں قرآن شریف میں پڑھی جاتی تھیں اس وقت قرآن شریف میں موجود نہیں یا پہلا
سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا کوئی ایسی احادیث بھی ملتی ہیں جن سے ان احادیث کی تردید ہوتی ہو۔ اگر ایسی احادیث
ملتی ہوں تو پھر دوسرا سوال یہ پیدا ہوگا کہ ان میں سے کونسی احادیث زیادہ قابل اعتبار ہیں یہ شہادت کا وزن یا دوسرے
کس طرف ہے۔ اور عملی توانا اور مسلمہ اقوال تاریخی کونسی احادیث کو صحیح ٹھہراتی ہیں۔ جیسا کہ ہم اس مضمون
کے پہلے حصوں میں دکھا چکے ہیں۔ ایسی معتبر احادیث بہت کثرت ملتی ہیں جن سے ان احادیث کے بیانات
کی تردید ہوتی ہے۔ یا اسلئے اب ہم ان تین امور پر غور کر سیکے جن کا ذکر ابھی ہوا۔ مگر قبل اس کے کہ ہم اس بحث کو چھوڑیں
یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ آخری دو حصوں میں جو اتفاق میں سے لگتی ہیں۔ اس قابل نہیں کہ ان پر کوئی توجہ کی جاوے
کیونکہ جیسا کہ شاہ عبدالعزیز نے اپنے عجائب الفوائد میں جو اصول علم حدیث پر لکھا گیا ہے۔ یہ بتا دیا ہے۔
جلال الدین سیوطی کی تصانیف میں ایسی احادیث باقی جاتی ہیں جن کا نام و نشان ابتدائی زمانہ میں نہیں ملتا۔
اور اسلئے ایسی احادیث کسی طرح قابل اعتبار نہیں۔ پس اگر ان احادیث کی تردید معتبر احادیث سے بھی جاتی ہو
تو بھی یہ اس قابل نہیں کہ ان کی بنا پر کوئی اعتراض کیا جاوے۔ بلکہ وہ خود اپنی تردید کے لئے آپ کی کافی
ہیں اس طرح پر اتفاق کی دونوں حدیثوں کے رد کرنے کے بعد مسلم کی تین حدیثیں رہ جاتی ہیں یہ اصول
اول کے مطابق جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ سب سے پہلے ہم بخاری کو دیکھیں گے۔ کہ آیا اس میں ایسی حدیث پائی
جاتی ہے جو مسلم کی ان احادیث کی تردید کرتی ہو۔ کیونکہ صحیح بخاری وہ کتاب ہے۔ جس کو بلا جملہ اصح ائمتہ بعد
کتاب اللہ مانا گیا ہے۔ اور مسلم یا کسی دوسری کتاب کو ایسا مرتبہ حاصل نہیں۔ پس اگر مسلم کی کوئی حدیث یا
کسی اور کتاب کی حدیث بخاری کی تردید کرتی ہو۔ تو ہمیں ایسی حدیث کو رد کرنا پڑے گا۔ لیکن ان احادیث کی شہادت
کی تردید صرف بخاری سے ہی ہوتی ہے۔ بلکہ خود اسی کتابوں یعنی مسلم وغیرہ میں کثرت سے ایسی حدیثیں پائی جاتی
ہیں۔ جو ان تین حدیثوں کی تردید کرتی ہیں۔ چونکہ حفاظت قرآن کے مضمون میں ہم ان احادیث کا مفصل
ذکر اپنی اپنی جگہ کرتے آئے ہیں۔ اور انہی کی بنا پر ہم نے قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر آج تک محفوظ چلا آیا ہے۔ اور اس میں کوئی کمی بیشی یا تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ لہذا
ان احادیث کے اعادہ کی یہاں کوئی ضرورت نہیں +

حدیث ابو موسیٰ
کے راویوں پر
بحث

اب ہم ان تینوں کو ایک ایک کر کے لیتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ یہ کہاں تک قابل اعتبار ہیں پہلی حدیث
میں ابو موسیٰ اشعری کے خطبہ کا ذکر ہے۔ جو اس نے قراء بصرہ کے سامنے دیا۔ اور جس کا ماہر حاصل یہ ہے کہ وہ
یعنی ابو موسیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے صحابہ و دونوں نے پڑھا کرتے تھے۔ جن میں سے اب صرف
ایک ایک فقرہ ہی اُسے یاد رہ گیا اور پہلی سورۃ کے فقرہ کا مضمون یہ ہے کہ اگر ابن آدم کیلئے مال کی دو ادایاں
ہوتیں تو وہ ایک عیسوی وادی کی تلاش کرنا اور ابن آدم کے پیٹ کو سوائے مٹی کے کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ اور

دوسری سورۃ کے فقرہ کا مضمون ہے کہ اے ایماندارو تم وہ بات کہیں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ اسکی شہادت کے خلاف لکھی جائیگی اور دنیا میں اس کے متعلق باتیں کی جائیگی جو مسلم سے جو بڑی اور بڑی شہادت اس روایت کے متعلق ملتی ہے وہ اسکو مرؤد ٹھہراتی ہے۔ یہی وہ شہادت کے لئے سب سے پہلے اس کے سلسلہ رواۃ کو دیکھنا چاہئے۔ اس روایت کے راویوں کے سلسلہ میں سب سے پہلے سوید بن سعید ہے اور اس لئے سب سے پہلے ہم اسی کو لیتے ہیں۔ کہ اس کی روایت کہاں تک قابل اعتبار ہو سکتی ہے۔ راویوں کی حج پر ذہبی کی میزان الاعتدال سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے۔ اس کتاب میں سوید بن سعید کے متعلق یہ لکھا ہے۔ کہ بعض لوگوں نے جن میں سے ہم بھی ہیں۔ اس کی روایت کو لیا ہے لیکن اکثر نے اس کی روایت کو مرؤد سمجھا ہے۔ اور اس بات پر قریباً سب کا اتفاق ہے۔ کہ وہ بہت بڑھاپا ہو گیا تھا۔ اور ذکر کار اندھا ہو گیا۔ اور اس وقت وہ بعض البی حدیثیں بیان کر دیتا تھا جو دراصل اس کی حدیثیں تھیں۔ امام بخاری کے اس کے متعلق یہ لفظ ظاہر ہیں کہ نہ ضعیف جلا۔ ایسا ہی ایک توف کا اس کتاب میں ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا میلان شیعہ مذہب کی طرف تھا۔ لکھا ہے کہ ایک شخص اس کے پاس کتاب الفضائل لایا تو اس نے علیؑ کو اقول اور ابو بکرؓ کو آخر کر دیا یہ سب لوگوں نے اسے منکر و الحدیث قرار دیا ہے۔ اور بعض نے اس کو کذاب کہا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ ہتم بالزندہ ہے۔ یسراوی کا حال ہے۔ جس کے مثنیٰ سے مسلم نے اس حدیث کو لیا ہے۔ اور جب اس کی نسبت اس قدر اے اعتبار کی کہ شہادت ملتی ہے تو ہمیں ضرورت تھیں کہ اب ہم اس حدیث کے دوسرے راویوں پر غور کریں +

ایک اور قسم کی حاجی شہادت خود مسلم سے ملتی ہے جس حدیث زیر بحث کی وقعت کچھ بھی نہیں رہتی۔ اس حدیث سے پہلے خود مسلم نے اسی مضمون کی چار اور حدیثیں نقل کی ہیں صرف اس فرق کے ساتھ کہ سوید کی حدیث سے جالفاظ ابی موسیٰ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔ ان کے متعلق یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ قرآن شریف کی دو سورتوں کے ٹکڑے تھے لیکن ان چاروں حدیثوں میں اس بات کا نام و نشان نہیں پایا جاتا چنانچہ مسلم کتاب الزکوٰۃ باب لو ان لابن آدم وادیم لا بتغی ثالثا میں سب سے پہلی حدیث یہ ہے۔ حدثنا یحییٰ بن یحییٰ وسعید بن منصور وقتیبہ بن سعید قال یحییٰ انا و قال الاحزان ثنا ابو جراح عن قتادة عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لو كان لابن آدم وادیان من مال لا بتغی وادیا ثالثا ولا یملأ عرجون ابن آدم الا التراب ویتوب الله علی من تاب۔ یعنی بکھینے بن بکھینے اور سعید بن منصور اور قتیبہ بن سعید ان تینوں نے حضرت انس سے یہ روایت مسلم کو پہنچائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر آدمی کے لئے چار دیواریں چٹیل کی ہوتیں۔ تو بھی وہ تیسری کی خواہش کرتا۔ اور آدمی کے پیٹ کو سوائے مٹی کے کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ یعنی آخر موت ہی اس کی خواہشات اور حرص کا خاتمہ ہوتا ہے اور جو شخص خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔ خدا بھی اس پر رجوع بہ رحمت کرتا ہے۔ اب اس روایت کے مجموعہ حضرت انسؓ یہ روایت کرتے ہیں کہ وہی لفظ یعنی لو کان لابن آدم اخصر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرماتے

اس حدیث سے
خلافت مسلم کی
اپنی شہادت

تھے۔ اور ان کو قرآن کا مجز و قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ اسلم کی دونوں روایتیں ایک دوسرے کے مخالف شہادت تھیں یعنی ایک طرف تو سہیل کی روایت جس کے مؤید سہیل بن ادھر لکھو کسی بھولی ہوئی صورت کی آیت قرار دیا گیا ہے۔ اور دوسری طرف یحییٰ بن یحییٰ اور سعید بن مسروق اور قتیبہ بن سعید تینوں کی متفقہ روایت ہے جس کے مؤید اسی الفاظ کو قرآن شریف کا مجز نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے الفاظ قرار دیا گیا ہے۔ اسلئے ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ ان دونوں روایتوں میں سے ہم زیادہ اعتبار کس پر کر سکتے ہیں۔ سہیل کے متعلق جو کچھ محدثین کی ہے۔ اسکو ہم اور نقل کر چکے ہیں اب ان تینوں راویوں میں سے سعید بن مسروق اور یحییٰ بن یحییٰ دونوں کو ذہبی نے میزان الاعتدال میں صریح الفاظ میں ثقہ بیان کیا ہے۔ اور دوسرے یعنی قتیبہ بن سعید کے متعلق لکھا ہے۔ کہ اس کا حال کچھ معلوم نہیں۔ بہر حال اس حدیث کی شہادت پہلی حدیث سے بہت بڑھ کر ذہبی ہے۔ کیونکہ وہاں تو صرف ایک آدمی کی روایت ہے، اور وہ بھی ایسا جس کو اکثر محدثین نے ناقابل اعتبار اور ضعیف اور متروک الحدیث مانا ہے اور بعض نے زندقہ اور کذاب کہا اور یہاں کم از کم دو ایسے راویوں کی شہادت ہے جن کو سب محدثین نے ثقہ تسلیم کیا ہے۔ اسلئے ہم آسانی سے اس نتیجہ پہنچتے ہیں۔ کہ اس حدیث کی شہادت حدیث زریحہ سے بہت زیادہ قابل اعتبار ہے۔ پس جب حدیث قابل تسلیم ہے۔ تو حدیث زریحہ ضرور درود و ٹھہرتی ہے۔ پھر اس کے علاوہ تین اور حدیثیں اسی مضمون کی مسلم نے بیان کی ہیں۔ اور ان سب میں ان الفاظ کو ان محلہ لکھو کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ کے الفاظ اور آپ کی حدیث قرار دیا گیا ہے۔ اور کسی ایک میں بھی نہیں کہا گیا۔ کہ وہ جزو قرآن تھے۔ ان میں سے ایک ہر صف میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف جو اس کے پہلے راوی ہیں یہ الفاظ منسوب کیئے گئے ہیں۔ فلا ادری امن القرآن ہوا ملکہ یعنی میں نہیں جانتا کہ یہ قرآن کا مجز ہیں یا نہیں۔ مگر اس کے ساتھ ہی ایک دوسری روایت میں اسی الفاظ فلا ادری امن القرآن کے تعلق میں ابن عباس کا ذکر نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی پہنچنے والی کے لفظ ہیں۔

ان تمام واقعات پر غور کرنے سے ہم اس نتیجہ پہنچتے ہیں۔ کہ جو مسلم نے اس ایک حدیث کے خلاف چار اور حدیثیں بیان کر کے اس کو ایک حدیث ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ اور کم از کم یہ قوطاہ ہے کہ جب ایک ہی کتاب میں ہم پانچ حدیثیں ایسی پاتے ہیں جن میں چار کی شہادت پانچویں کے مخالف ہے اور پھر ان چار حدیثوں کو پانچویں حدیث کی نسبت بلحاظ راویوں کے زیادہ قابل اعتبار بھی پاتے ہیں۔ تو ان چار حدیثوں کی شہادت کے بالمقابل پانچویں حدیث کی شہادت کو روکنا ناچیز لگتا۔ اس بارہ میں یا ہر بھی قابل مذکر ہے کہ جو مسلم نے ان چار حدیثوں کو پہلے اور اس پانچویں حدیث کو جان کے مخالف ہے سب اخیر بیان کر کے یہ بتا دیا ہے۔ کہ یہ حدیث ان کے مقابل بہت کم وزن رکھتی ہے۔ یہ صرف قیاس ہی قیاس نہیں بلکہ مسلم نے صحیح مسلم کے دیا چہ میں خود اس بات کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔ کہ جن حدیثوں کو اس نے زیادہ قابل اعتبار سمجھا ہے۔ ان کا ذکر بھی پہلے کیا ہے۔ اور جن حدیثوں کو کمزور سمجھا ہے۔ ان کا

ذکر بعد میں کیجئے چنانچہ ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں۔ فاما القسم الاول فانما نتوحي ان لتقديم الاخبار التي هي اسلم
من العيوب من غيرها والنفي من ان يكون ناقلا لها اهل استقامة في الحديث والتقان لما نقلوا
لم يوجب في مراتبهم اختلاف شديد ولا تحليط فاحش كما قد عثر فيه على كثير من المحدثين
وبان ذلك في حديثهم فانما نحن نقصينا اخبار هذا الصنف من الناس لتبعنا ما اخبارنا يقع
في اسانيدنا البعض من ليس بالموصوف بالتحفظ ولا اتقان كالصنف المتقدم قبلهم يعني امام سلم
كثفہ ہیں۔ کہ ہم نے اس قاعده کی پیروی کی ہے۔ کہ ان حدیثوں کو پہلے رکھیں۔ جو دوسری حدیثوں کی نسبت صحیحوں
سے زیادہ محفوظ ہیں۔ اور ان کے نقل کرنے والے حدیث میں اہل استقامت اور اہل اتقان ہیں۔ ان باتوں میں
جن کو انہوں نے نقل کیا اور ان کی روایت میں اختلاف شدید یا اثر اخطائیں پایا جائے جیسا کہ اکثر مفسرین کو ان پر
اطلاع ہوئی ہے۔ اور پھر لکھتے ہیں۔ کہ جب ہم اس قسم کی حدیثوں کو بیان کر چکے ہیں۔ تو ان کے بعد اس قسم کی
حدیثیں لانے ہیں۔ جن کی سندوں میں بعض ایسے راوی بھی ہیں جو حفظ اور اتقان میں پہلے راویوں کی طرح
نہیں۔ ان الفاظ سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ مسلم نے حدیث درجہ ثبوت کو وہ وقعت نہیں دی جو ان حدیثوں کو
جن سے اس کے مخالف شہادت پیدا ہوتی ہے ۴

حدیث درجہ ثبوت کے بطلان کو اور بھی واضح کرنے کے لیے اب ہم اس اندرونی شہادت پر زور کرتے ہیں۔ جو وہیں
حدیث سے پیدا ہوتی ہے۔ اول تو خود اس فقرہ کی عبارت اس طرز کی ہے۔ کہ کوئی شخص جس نے قرآن شریف کو پڑھا
ہے۔ اسے قرآن شریف کا تجرؤ و ذرا نہیں ہے۔ ثانیاً وہ الفاظ جو ابوموسیٰ اشعری کی طرف منسوب کیے گئے
ہیں۔ اس حدیث کے جھوٹا ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں۔ کہ لکن انقرأ سورة یعنی ہم
ایک سورہ پڑھا کرتے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس حدیث کے مطابق وہ اکیلے ہی ایسے آدمی نہ تھے جہی کو وہ
سورہ حفظ یاد ہو۔ بلکہ ان کی طرح دوسرے صحابہ کو بھی یاد تھی۔ اسیلئے یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ سورہ تمام صحابہ میں نہرت
رکھتی تھی۔ اب اگر اس بات کو فرض کر لیا جائے۔ کہ یہ ممکن تھا۔ کہ ابوموسیٰ اشعری ساری سورہ کو یکایک بھول جائیں۔ اور
صرف ایک ہی فقرہ ان کو یاد رہ جائے۔ تو یہ کیونکر ہوگا کہ باقی تمام صحابی بھی اس کو ساتھ ہی بھول گئے۔ کوئی صحابی
ناس سورہ کا ذکر کرتا ہے۔ نہ مان لینا ہے۔ کہ کبھی کوئی ایسی سورہ قرآن شریف کا ایک حصہ تھی نہ کسی صحابی نے۔
اور انہی میں ابوموسیٰ اشعری بھی شامل ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وقت میں جب قرآن شریف جمع کیا جا رہا تھا تب کہ یہ
اطلاع دی کہ ابوموسیٰ کوئی سورہ بھی قرآن شریف میں داخل ہے۔ حالانکہ اس وقت عام طور پر اعلان کیا گیا۔ کہ جس شخص
کے پاس کوئی حصہ قرآن کا ہو جو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہو وہ اسے آئے۔ پھر یہ معلوم ہوا
وقت ابوموسیٰ اشعری اور دوسرے صحابہ جن کو یہ سورہ حفظ تھی کہاں تھے۔ یا کبھی انہوں نے اسے پیش نہ کیا۔ ایسا ہی
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت میں جب مصاحف کی نقل طبع لے ہتھام سے کوئی گئی اُس وقت بھی کسی کی اطلاع میں یہ بات
نہ آئی۔ کہ ابوموسیٰ کوئی سورہ بھی قرآن شریف میں ہے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وقت سے لیکر جب قرآن شریف جمع کیا گیا۔

حدیث ابوموسیٰ
اندرونی شہادت

کسی قاری نے یا حافظ نے یا بخود اچھے کھامیں بہتے لوگ ایسے موجود تھے کبھی اس بات کو پیش نہ کیا۔ کہ جو قرآن شریف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جمع کر لیا تھا اس میں ایک تہی بڑی لمبی سورۃ کا نام و نشان تک پایا نہیں جاتا۔ اور اگر کیا جائے کہ ابو موسیٰ اشعری اور دوسرے تمام صحابہ جن کو سورۃ حفظ تھی اور ایسا ہی تمام حافظان قرآن اس صورت کو حضرت ابو بکر کی جمع سے پہلے ہی بھول چکے تھے اور تمام تحریریں بھی جن پر یہ سورۃ لکھی گئی تھی اس میں قصے پہلے تلف ہو چکی تھیں۔ تو کم از کم اتنا تو ہوتا کہ یہ چند لفظ جو ابو موسیٰ اشعری کو یاد رہ گئے۔ یعنی لو کان ادم و ایدان من مال الخ قرآن شریف میں درج کر دیتے جاتے۔ ابو موسیٰ اشعری صحابہ کو یاد دلانے کہ ہم سب اس سورۃ پڑھا کرتے تھے۔ جس کو اب ہم سب بھول گئے ہیں۔ اور یہی ایک فقہہ یاد رہ گیا ہے۔ تو ضرور تھا کہ صحابہ کو بھی یہ بات یاد آتی۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اب میں سورۃ اورانی کے پاس جو کہا جاتا ہے۔ کہ انگلستان قرآن شریف کے تھے۔ ان میں بھی اس سورۃ کا نام و نشان نہیں پھر جب ابو موسیٰ نے اس بات کو بیان کیا۔ تو اس وقت بھی ہزار ہا صحابوں میں کسی ایک نے بھی اس کی تائید نہ کی۔ اور تعجب و تعجب یہ کہ وہ لوگ جو ایک ایک حدیث کے لئے مہینوں کے سفر کرتے اور محنت شناس اٹھاتے انہیں سے بھی کوئی ایک اس تحقیق کے لیے نہ ہوا۔ کہ اتنی بڑی لمبی سورۃ میں قرآن شریف کی جو کہ ابو موسیٰ کو بھول گئی تھیں ان کا کہیں نہ لگنا۔ بلکہ خود ابو موسیٰ نے بھی کوشش نہ کی کہ جو سورتیں اس کو بھول گئی تھیں ان کو تازہ کرنے کیلئے کچھ محنت اٹھاتا۔ اصل بات یہ کہ حدیث میں جو بات بیان کی گئی ہے۔ وہ ایسی لغو اور دور از قیاس ہے۔ کہ ایک سمجھدار آدمی ایک لمحہ کے لیے بھی اس پر یقین نہیں کر سکتا۔ اس خارجی اور اندرونی شہادت و دوزن نہایت صفائی سے اس بات کو ثابت کرتی ہیں۔ کہ حدیث زبیر بن حنفیہ سے اس حدیث سے ہے۔ اور انکی صداقت پر ایک ذرہ بھر بھی شہادت نہیں ملتی۔ اور راہم کہ مسلم نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں لکھ دیا ہے۔ یہ کہی اس کی صداقت کی شہادت نہیں۔ درحالیکہ ہم بھی دکھا چکے ہیں کہ خود مسلم بھی اسکو بہت ضعیف اور کمزور سمجھتا تھا۔ اور دوسری حدیثوں کو جن سے اس کے مخالف شہادت پیدا ہوتی ہے۔ اس سے بہت زیادہ قابل اعتبار سمجھتا تھا +

باقی دو حدیثیں جو مسلم نے بیان کی ہیں۔ اور جن کو اعتراض کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اگر ان میں سے ہر ایک پر ایسی ہی لمبی بحث کی جائے تو یہ مضمون بہت طویل پکڑ جائیگا۔ ہم نے صرف مثال کے طور پر یہ بتا دیا ہے کہ ایسی حدیثوں پر خواہ وہ مسلم میں ہی موجود ہوں اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ اور تحقیق سے ایسی حدیثیں بالکل جھوٹی ثابت ہوتی ہیں۔ پس باقی مائدہ دو حدیثوں کے متعلق ہم صرف ان کی اندرونی شہادت کے متعلق ہی مختصر طور پر کچھ ذکر کریں گے۔ ان میں سے ایک حدیث کا جو نمبر ۱۰۱ دی گئی ہے۔ یہ مضمون ہے کہ حضرت عائشہؓ نے یہ بیان کیا تھا کہ قرآن شریف میں ایک آیت تھی جس میں صراحۃً سے یہ ذکر تھا۔ کہ دس بار درود پڑھو سنے حرمت رضاعی ثابت ہوتی ہے۔ اور کہ جو حکم بعد میں منسوخ ہو گیا۔ اور اس کی بجائے ایک اور حکم مائل بن جائے جس میں دس بار کی بجائے پانچ بار کا درود پڑھنا حرمت رضاعی کے لئے کافی سمجھا گیا اور کہ یہ آخری حکم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریف میں پڑھا جاتا تھا۔ جو کچھ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایسا حکم

حضرت عائشہؓ
یہ حدیث ضعیف
محکم

حضرت عائشہ کے سوا دوسروں کو بھی معلوم تھا۔ اور وہ اس کو قرآن شریف میں پڑھا کرتے تھے۔ درحقیقت اگر کوئی کہتا ہے کہ
تو معلوم ہو گا کہ اگر کوئی ایسا حکم نازل ہوتا۔ تو اس کی شہرت عام ہوتی۔ کیونکہ یہ حکم ایسا تھا۔ جو درود و تہجد میں
آپ ﷺ کا تھا۔ عرب میں تو اس کو عموماً دو دھار سے پلایا جاتا تھا۔ اور ایسی صورت میں یہ ضرور تھا۔ کہ ہر ایک شخص کو ایسا
کا علم ہوتا۔ کہ کون کونسی عورتیں اس پر رضاءت کی وجہ سے حرام ہیں۔ پس اگر ایسی کوئی آیت قرآن شریف میں نازل
ہوتی۔ تو اس کا علم کبھی ایک شخص تک محدود نہ رہ سکتا تھا۔ بلکہ اس کی اطلاع اور شہرت عام ہوتی چاہے کتنی
محذوہ نہ تھی۔ یہ اصول قائم کیا ہے۔ کہ اگر کسی حدیث میں کسی ایسے واقعہ کا تذکرہ ہو جس کی اطلاع اور شہرت عام
ہوتی چاہے گروہ لوگ جن کو اس کا علم ہونا چاہئے تھا۔ اس کے متعلق کچھ اطلاع نہ دیں۔ اور اس سے لاعلمی
ظاہر کریں۔ تو ایسی حدیث کے وضعی ہونے کی بیشمار دلائل کافی ہیں۔ درحقیقت اگر غور کیا جائے۔ تو یہ اصول نہایت
معقول ہے۔ جب ہم اس کے رُو سے حدیث زیر بحث کو پرکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث اصلی نہیں ہے۔ نہایت
کیونکہ ایسا حکم رضاءت کے متعلق عام طور پر لوگوں کے علم میں آنا چاہئے تھا۔ اور ضروری تھا کہ کثرت روایات
اس کے متعلق ہوتیں۔ حدیث میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ایک آیت عام طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی
میں پڑھی جاتی تھی۔ اب جب حضرت ابو بکرؓ نے قرآن شریف کو جمع کرنا شروع کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی وفات سے صرف چھ ماہ کا عرصہ گزرا تھا۔ مگر باوجود اس کے کہ اس قدر عرصہ گزرا تھا ایک شخص نے
بھی حضرت ابو بکرؓ کو اطلاع نہ دی کہ ایسی کوئی آیت بھی قرآن شریف میں ہے۔ بلکہ حضرت عائشہ نے بھی
جن کی طرف یہ روایت منسوب کی جاتی ہے ایسی اطلاع نہیں دی۔ اور بالفرض اگر وہ زید کو اطلاع نہ دے سکتی تھیں تو
کیا اپنے والد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھی نہ دے سکتی تھیں۔ پھر حضرت عثمان کے وقت میں بھی حضرت عائشہ
رضی اللہ عنہا زید بن ثابتؓ سے انھیں۔ مگر اس وقت بھی ایسی کسی آیت کا انھوں نے ذکر نہیں کیا۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے
کہ عمرہ کو تو کوئی سال بعد حضرت عائشہ ایسی آیت کا پتہ بتائیں لیکن خود اپنے والد کو جمع قرآن کے وقت نہ بتائیں۔
اور اس وقت جبکہ عام اعلان کیا گیا تھا کہ جس شخص کے پاس کوئی آیت ہے وہ اسے آئے خاموشی اختیار کریں
اور پھر یہ بھی عجیب بات ہے کہ حضرت عائشہ کے سوا کوئی شخص ایسی آیت کا نام تک نہیں لیتا علاوہ اس کے
جیسا کہ پھلی حدیث کی بحث میں لکھا یا جا چکا ہے خود مسلم کے اسی باب کی دیگر احادیث سے اس حدیث کے جھوٹا ہونے
کی شہادت ملتی ہے کیونکہ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی صحابی کو ایسی کسی آیت کی کوئی خبر نہ تھی۔ بلکہ اسی باب
میں ایسی احادیث خود حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابیوں سے مروی ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حال کہے
گئے ہیں کہ کتنی دفعہ کی رضاءت سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اگر ایسی کوئی صاف آیت قرآن شریف میں وارد ہوتی کہ
یا نبی یا رسول اللہ! دفعہ دہم جو شخص سے حرمت قطعی ہو جاتی ہے۔ تو ایسے سوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں
پوچھے جاتے۔ نہ ہی یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ انہی سوالوں کے وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی کیونکہ اس کا کوئی تذکرہ
حدیث میں نہیں پایا جاتا۔ تاہذا اگر ایسا واقعہ ہوتا تو اس کا تذکرہ حدیث میں بھی ضرور ہوتا +

حضرت عمرؓ کا
حدیث پر

اپنی تیسری حدیث سواس کا بھی اب اس جگہ فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ یہ بات غور کے قابل ہے کہ اگر اس حدیث کے وہی معنی صحیح ہوں جو مخالف متعرض کتب میں بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو جو الفاظ حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں وہ ان کی زبان سے نکلے ہوئے کبھی ثابت نہیں ہو سکتے۔ حضرت عمرؓ کے الفاظ سے متعرض نہیں ہو سکتا۔ لہذا ان کی کوشش کرتے ہیں کہ گویا حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ کو ایک ایسی آیت یا دھجی جس میں مردوں اور عورتوں کی سزا کا ذکر تھا لیکن یہ آیت قرآن میں درج نہیں ہے۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ یہ آیت بڑھی جاتی اور یاد کی جاتی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اور ان کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم صحابہؓ اس پر عمل کرتے اور اس کے مطابق حکم کیا کرتے تھے۔ اب اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ ہم اس بات کو مستحق اجماع مانتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا جمع قرآن میں حصہ بڑا دخل تھا اور جمع شدہ قرآن شریف انہی خلاف سے زمانہ میں ان کے قبضہ میں تھا تو پھر کیا وجہ پیدا ہوئی کہ انہوں نے اس آیت کو درج نہ فرمایا؟ اس آیت کے متعلق صرف تین قیاس کیے جاسکتے ہیں (۱) یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ کا اس پر اتفاق تھا کہ یہ قرآن شریف کی آیت ہے (۲) یا یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ یہ قرآن شریف کی ایک آیت ہے اور دوسرے صحابہؓ اس سے متفق تھے (۳) یا یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ ہر ایک نے اس آیت قرآنی کو نہ پڑھ کر پڑھنے پر متفق تھے۔ ان قیاسات میں سے صرف پہلا قیاس ہی ایسا ہے جس سے متعرضین کی نکتہ جیتی کو بکھر رونق مل سکتی ہے۔ لیکن اگر ایسا ہی ہوتا کہ حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ کرام اس بات پر متفق ہونے کے لیے قرآن شریف کی آیت سے ان کو کس بات سے روکا تھا کہ اسے درج قرآن نہ کیا؟ اس لیے یہ قیاس بالکل باطل ٹھہرتا ہے اور خصوصاً جب ان لوگوں کے اخلاص اور دیانت، امانت اور تقویٰ و طہارت کی طرف توجہ کی جاتی ہے اور ان کے اس نخل پر غور کی جاتی ہے جو جمع قرآن میں ان کو حاصل تھا۔ اور نیز جب اس بات کو دیکھا جاتا ہے کہ اس حکم کے انحصار سے ان کا کوئی ذاتی فائدہ نہ تھا تو ایسی حالتوں کے باوجود اس کا درج قرآن نہ ہونا اس قیاس کے بطلان پر قوی دلیل ہے +

اسی طرح دوسرا قیاس بھی غلط ہی ثابت ہو رہا ہے کیونکہ اس بات کی کہیں ذرا بھی شہادت نہیں ملتی کہ کبھی حضرت عمرؓ نے ایسا بیان کیا ہو اور صحابہؓ نے ان کی تردید کی ہو اور اگر بالفرض یہ مانا جائے کہ واقعی طور پر حضرت عمرؓ کے ایسا بیان کی دوسرے صحابہؓ نے تردید کی تھی۔ تو حضرت عمرؓ جب کسی دوسرے صحابی کو اپنا نمونہ نہ پاتے تو خود ہی اپنی غلطی سے رجوع کرتے۔ ان دونوں قیاسوں کے بطلان کے بعد صرف تیسرا قیاس ہی ایسا ہے جس پر مقدمہ ٹھیک ہو سکتا ہے۔ لیکن اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ قیاس اس حدیث کے ساتھ کس طرح توافق رکھتا ہے۔ کیونکہ ظاہر میں دونوں متضاد بیانات کی طرح نظر آتے ہیں۔ مگر اصل بات ہوں نہیں۔ بقول اس ماہر کے سے یہ اظہار ہو جائیگا کہ اگر اس حدیث کے معنی تیسرے قیاس کے ساتھ متوافق نہ ہوں تو یہ حدیث ہی بے معنی اور عبث ٹھہر جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب کچھ نہ لکھنا تو لوگوں کو کہنا شروع کر دیجیے

کر انہوں کو سنگسار کرنے کا حکم کتاب اللہ میں موجود نہیں۔ حالانکہ نرانی مردوں اور زانیہ عورتوں کو سنگسار کرنے کا حکم کتاب میں صحیح طور پر موجود ہے۔ اگر کتاب اللہ سے مراد قرآن شریف سمجھا جائے تو یہ ایک صحیح تضاد ہے اور اس لیے حدیث مذکور سراسر ناسمعی ہے۔ کیونکہ کچھ معنی یہ ہو سکتے کہ سنگساری کا حکم قرآن شریف میں موجود ہے مگر وزمانہ کے بعد لوگ کہنے لگیں گے کہ ایسا حکم قرآن شریف میں نہیں لیکن لفظ کتاب اللہ ہمارے صریح میں وارد ہے اگر اس کے مفہوم کو زور وسعت دیجائے تو یہ اختلاف دور ہو جاتا ہے یہ واضح ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ کتاب اللہ سے مراد قرآن ہی ہو۔ کیونکہ یہی لفظ قرآن شریف میں بھی آیا ہے اور وہاں اس کے معنی احکام الہی کے ہیں۔ چنانچہ انحصار من النساء الاملا ما ملکت ایما انکم کتاب اللہ علیک الخ میں کتاب اللہ کے معنی قرآن شریف نہیں بلکہ احکام الہی ہیں۔ سو ان معنوں کے دوسرے حدیث کے معنی درست ہو جاتے ہیں اور قرآن شریف کی حفاظت پر جو اعتراض بنایا گیا تھا وہ دور ہو جاتا ہے۔

مذکورہ بالا بیانات ظاہر ہوتا ہے کہ موخر الذکر حدیث کے سوا کسی حدیث کی صحت پر اعتبار نہیں کیا جاتا۔ اور آخری حدیث بھی ان معنوں میں صحیح تسلیم ہو سکتی ہے جو معتزلیں کے معنوں سے بالکل مختلف اور پرہیزگارانہ معنوں کے موافق ہیں البتہ بعض تکتہ چین لوگ یہ اعتراض پیش کر سکتے ہیں کہ ایسی وضعی حدیثوں کا مسلمانوں میں کیونکر رواج ہو گیا اور کیونکر ان کو مشہور و معروف جامعان ہادیت نے انجی کتب میں درج کر لیا؟ اس امر کا بڑا غلط فہمنا چاہیے کہ حدیثیں اسلام میں لاکھوں تک مخرج ہوتی ہیں اور ان میں بہت سی بنا دی اور موضوع حدیثیں بھی تھیں۔ بہت سی ایسی احادیث زندہ لقیوں نے وضع کیں جو بظاہر اسلام کے قابل مگردہ و دشمن تھے اور بعض شیعوں نے بھی جو بہت سی احادیث بتالیں۔ چنانچہ انہیں اس سے ایک حدیث کے راوی اول کے حالات ظاہر ہو چکا ہے۔ کہ وہ زندہ لقی قرار دیا گیا تھا اور اس کا میلان فیض کی طرف پایا جاتا تھا لیکن امام مسلم نے اس کی رد کرتے ہوئے کہا کہ بہت اعتبار نہ دیکھا لیکن قبریت میں جگہ دی۔ انکی غالب وجہ یہ تھی کہ حدیث امت امام مسلم نے اس حدیث کو نقل کیا تھا۔ اس وقت اس شخص کے دل کے اندرونی خیالات دیکھے نہیں گئے تھے۔ اس میں کلام نہیں کہ محمد نے صبح اور وضعی حدیثوں کے رکھنے اور ان کے الگ کرنے میں بڑی سعی کی لیکن آخر وہ انسان ہی تھے عالم انبیاء تھے جہاں ہر انسان کا عقل پہنچ کر کوشش کرتی ہے۔ انہوں نے اس میں کوئی دقیقہ فرنگہ زاشت نہیں کیا مگر بشری نقصانوں سے وہ کیونکر بچ سکتے تھے۔ غرض ایسی وضعی احادیث جن میں اسلام پر بار یک رنگ میں حملے کیے گئے زندہ لقیوں نے وضع کر کے ان کو مشہور کر دیا اور اس طرح مسلمانوں میں وہ رواج پا گئیں۔ اور رواج پا کر معتبر شمار ہونے لگ گئیں۔ علاوہ ازیں اس قسم کی وضعی حدیثوں کے بنانے اور رواج دینے میں بعض عوامی شیعوں کا بھی ہاتھ رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی کہ پہلے پہل تو یہ لوگ صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حقوق خلافت کو ذوقیت اور ترجیح دیتے تھے۔ لیکن جب انکی سامنے یہ بات پیش کی گئی کہ ان کے اس دعوے کی تائید میں کوئی آیت قرآنی نہیں۔ تو یہ انہوں نے عفا غفارتہ کو کوکنا شروع کیا۔ اور ان چھوٹا الزام لگانا شروع کیا کہ انہوں نے جان بوجھ کر وہ آیات قرآن میں درج نہیں کیں جو

ایسی احادیث
کس طرح مخرج
ہوئیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حقوق کی وجہ سے اس عقیدے کو رواج دینے کے لئے اس قسم کی حدیثیں بنائی گئیں جن کے قرآن کریم میں نقصان کا واقع ہونا معلوم ہو۔ تاہم اسی سے یہ استدلال ہوسکتا ہے کہ جب نقصان ہو گیا ہے تو ضرور ہے کہ بعض حصص میں حضرت علی کی فضیلت بھی خیال دینے گئے ہوں اور ممکن ہے کہ کسی جامع حدیث نے ایسی باتوں کو صرف اس مجرول کر لیا ہو کہ یہ تین سو توح ہو چکی تھیں لیکن اس سلسلہ آیت کا قرآن شریف میں سے منسوخ ہونے یا فروگزاشت سے نہ لکھے جانے کا ثبوت نہیں ملتا +

اگر بغیر خیال ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ احادیث و زیورٹ متبر ہیں تو اس صورت میں ہم کو اس بات کا دیکھنا ضروری ہو گا کہ آیا کوئی شہادت ان کے متعارض اور مخالف تو موجود نہیں۔ کیونکہ اگر ایسی متعارض اور مخالف شہادت موجود نہایت ہو گی تو یہ اس بات کے جانچنے کی ضرورت ہو گی کہ دونوں میں سے کس طرف کی شہادت زیادہ قابل وثوق و اعتبار ہے اس میں ترجیح ہم دیکھتے ہیں تو ایک طرف تو اکیلے ابوہریرہ سے اشعری کی گواہی ہے کہ وہ دونوں میں صحابہ پڑھا کرتے تھے اور جس وقت اس نے یہ حال بیان کیا تو اس وقت اس کو یاد تازہ رہی تھیں۔ اور دوسری طرف ساری جامع حدیث صحابہ کبار کی گواہی ہے کہ ان کے علم میں ہی کسی ایسی محدثہ کا وجود کبھی نہیں ہوا جو جو لوگ قرآن خوان تھے اور جن میں سے کس پاس قرآن شریف موجود تھا ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کہ جس نے انہیں بھی کہا ہو کہ تم نے ایسی دو باتوں کی بابت سنائی تھا اب ظاہر ہے کہ ایک ابو موسیٰ اشعری کی گواہی اتنی بڑی حد تک جامع حدیث صحابہ کی شہادت کے مقابل میں کیا وقعت رکھ سکتی ہے یا خصوصاً جبکہ یہ حال ایسا تھا کہ اگر اس کا کچھ بھی وجود ہوتا تو لکیر جماعت کے علم میں اس کا نا ضروری تھا ایسی صورت میں اکیلے شخص کی گواہی تو کچھ صحابہوں کی گواہی پر کوئی ترجیح نہیں دیا جاسکتی۔ بلکہ ترجیح کا سوال تو ان لوگ رہا اور موازین بھی نہیں لائی جاسکتی البتہ اگر اس کے ساتھ ثابت نہیں تو دوسری صحابہ کی متفق ہونے تو کسی منفر کے دل میں شک پیدا ہونے کی وجہ ہو سکتی تھی لیکن یہ ایک ایسا مدعے ہے جو صرف ایک معمولی درجہ کی خبر رکھنے والے صحابی کی شہادت پر مبنی ہے اور ہزار ہا صحابہ رسول کریم صلعم کو اس سے زیادہ خبردار و دخل اور حاضر رکھنے والے تھے اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس پر بھی ہیکو پیش کرنا اور اس پر تادکرنا پائے درجہ کی نادانی اور نامعقولیت یہ خیال باقی ان حدیثوں کا ہے جو پیش کی جاتی ہیں۔ ایسی ہر ایک حدیث صرف ایک ہی شخص کی گواہی پر مبنی ہے جس کا کوئی دوسرا موید نہیں۔ اکیلے ابو موسیٰ اشعری ہی کی روایت پر بیان کیا جاتا ہے کہ وہ دونوں قرآن شریف کی گم ہو گئی تھیں۔ ان کے سوا کسی ایک بھی ایسا صحابی نہیں ہوا جس نے ان کی اس میں اس میں ملای ہو۔ اور ان کے غلط خیال کی تائید کی ہو +

ایسی ہی حضرت عائشہؓ ایک آیت کا گم ہو جانا بیان کرتی ہیں۔ لیکن وہ بھی اپنے بیان کی تائید میں ہزار ہا صحابہ میں سے ایک کو گواہ بھی پیش نہیں کرتیں جہاں بڑی حد تک اس کا بیان کرتا ہے تو ابی اور دوسرے تمام صحابہ اس کی تردید کرتے ہیں اور اگر انہی نے کوئی امر بیان کیا ہے تو ابی مسعود اور دوسرے سارے صحابہ اس کے مخالف ہیں۔ غرض جہاں کھیل اس قسم کی کوئی روایت آئی ہے وہ صرف ایک ہی شخص کا بیان ہے اور کوئی بھی دوسرا اس کے بیان کا موید اور گواہ نہیں۔ اب یہ ظاہر ہے کہ صرف ایک ہی شخص کا گواہی سے یہ بات پایہ ثبوت تک نہیں پہنچ جاتی کہ فلاں آیت قرآن شریف کی تھی یہ کہ

ایسی جامع حدیث
اکیلے ابو موسیٰ کی
شہادت پر
کرتی ہیں

آیت قرآنی میں
ایک آدمی کی
شہادت وزن
نہیں رکھتی

یہ امر واقعہ ہے کہ کثیر التعداد احادیث اس کی مصدق و مؤید ہیں کہ قرآن شریف کی ہر ایک سیت نازل ہونے پر عام طور پر شائع کر دیا جاتا تھی۔ اور قراء و حفاظ اس کو فوراً یاد کر لیا کرتے تھے جس حدیث میں زید کا بعد خلافت حضرت ابو بکر صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھا ہے اس کے اخیر میں جو روایت لکھی ہے کہ سورہ براءۃ کی ایک آیت لکھی ہوئی تھی وہ صرف ابو جریہ کے پاس دستیاب ہوئی تھی اس روایت سے اس نتیجہ کا انکار لازم نہیں آتا کیونکہ ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں کہ دہل حدیث تحریر کا ذکر ہے۔ اور دوسری حدیثوں سے ثابت ہے کہ اسی زمانہ میں قرآن شریف کے بہت لوگ حفاظ اور قاری موجود تھے جن کو سارا قرآن از بر تھا اور جواز تلاوت کیا کرتے تھے۔ الغرض کوئی معقول انسان اس بات پر کبھی قائم نہیں رہ سکتا کہ صرف ایک شخص کی شہادت کو تمام حجاجت کی شہادت کے مقابل میں ترجیح دے اور ان سب کو غلطی پر سمجھے۔

بھرانِ حدیث کی صحت پر سمجھنے کے لئے تیسرا معیار زوالِ اثر عملی یا تعامل ہے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے عاشق تھے کہ جہاں آپ کے مبارک دامن سے منہ سے یا جہاں آپ کو کرنے دیکھتے یا آپ کے جوفران کا نرس سے سُن لینے تو فوراً ان کو عمل میں لے آتے۔ اور اس طرح اُن سے ان کی اولاد اور توالیع نے اور ان سے ان کی اولاد اور توالیع نے کر عمل کیا اور نسلوں بعد نسل متواتر عمل کرتے چلے آئے ہیں یہاں تک کہ وہ سب کچھ ہم تک پہنچا۔ اس کو تعامل کہتے ہیں جہاں میں آپ کی تعظیم احادیث کی کتابیں میں بھی لکھی جاتیں تو بھی کچھ چیزیں نہیں تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ تعظیمی چیز مسلمانوں کے ہاتھ میں آئی تھی یہ تھا۔ اور ان میں سے کہ ہر ایک مسلمان کے دل میں یہ جوش تھا کہ اس میں بہانمت کو ہر قسم کی آمیزش اور تصرف محفوظ رکھ کر آیت وہ نسلوں کو پہنچاتا رہے۔ اب اگر بغرضِ محال مان لیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم سے بعض نسخے قرآن شریف کے معرود کر دیئے۔ تو یہ امر دیکھنا ضروری ہوگا کہ آیا اکیلے حضرت عثمان کا دخل اتنا بڑا تھا جتنا اور ان کی حفاظت ایسی سچ ہو سکتی تھی کہ اتنی بڑی قوم کے قبضہ اور حافظ سے ہر ایک آیت اور سورہ مٹا سکیں۔ اور اگر یہ بھی فرض کر لیں کہ ابن مسعود جیسے مشہور لوگوں سے انہوں نے قرآن کے نسخے چھین لئے تھے تو یہ کیونکر سمجھا سکتا ہے کہ جو نقیص عام طور پر ان لوگوں کے قرآنوں کی مسلمانوں میں مشہور اور مروج ہو چکی تھیں وہ بھی انہوں نے لوگوں سے لے لی تھیں؟ اور یہ ثابت شدہ بات ہے کہ قرآن کی بکثرت نقلیں اسی زمانہ میں مسلمانوں میں عام طور پر مروج ہو چکی تھیں۔ اگر ان لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ والے نسخہ قرآن میں کوئی نقص معلوم ہوتا تو وہ حق کے لئے ایسے دلیر تھے کہ فوراً اس کو عیاں کر دیتے اور کسی کے رعبِ سیاست دینے لیکن بطور تنزیل اگر اتنا بھی مان لیا جائے کہ ان میں سے کسی مسلمان کو حضرت عثمان کے نسخہ قرآن میں کوئی نقص معلوم ہوا تھا تو اتنا تو کوئی ضرور کرتا اور اس کے کرنے میں اس کو کوئی دقت بھی نہ تھی کہ جو نسخہ صبح اس کے اپنے پاس یا کسی اور کے پاس معلوم ہوتا اس کو حضرت عثمان کے زمانہ میں چھپا کر ہی محفوظ رکھ لیتا اگر کوئی ایسا کرتا تو حضرت عثمان کے دورِ خلافت کے ختم ہونے کے بعد ایسے قرآن کی نقلیں فوراً جا بجا

تعالیٰ اور توکل
قویٰ اور توفیق
غلط ٹھہرا تا

پھیل گئیں۔ اور خصوصاً جب حضرت علیؓ کا زمانہ آیا تھا تو چونکہ انہیں حضرت عثمانؓ کے قرآن شریف کے مختلف نسخوں کو
لیکھ کر مکمل نسخہ بنانے کی تہذیب کو اپنے زمانہ میں مروج رکھنے کی کوئی خاص غرض نہ تھی۔ اس لیے ان کے زمانہ میں ایسا نسخہ
قرآن شریف کا بہت آسانی اور عمدگی کے ساتھ وسیع اشاعت ملا تکلف حاصل کر سکتا تھا۔ اس طرح حضرت علیؓ کے زمانہ
میں بہت سارے ایسے قرآنوں کے نسخے مروج ہو جاتے۔ اگر انہیں حضرت عثمانؓ کے جمع کردہ نسخہ سے ذرا بھی اختلاف ہوتا
اور اسکی اشاعت و رواج کو روکنے کی جرات اپنے میں نہ پاتے تو اتنا تو ضرور ہوتا کہ دوسرے جس کسی نسخہ قرآن کو اس نسخہ
سے زیادہ اچھا سمجھتے اسکو شائع کرنے لیکن حضرت عثمانؓ نے ایسی احتیاط اور امانت سے کامل قرآن شریف
نقل کر لیا تھا۔ کہ تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کسی صحت پر صا د تھا۔ بلکہ ان کو سمجھنا چاہیے کہ وہ تمام صحابہ
کا متفق طور پر لکھا ہوا قرآن تھا۔ ایسا مقبول کام تھا۔ کہ وہ لوگ جو حضرت عثمانؓ سے ایسے ناراض ہوئے تھے
اور ان پر انش غضب ان کے برخلاف اس حد تک بھڑک اٹھی تھی۔ کہ امیہ المومنینؓ کے خون میں ہاتھ رنگ لے
تھے ان لوگوں نے بھی اس قرآن میں کوئی نقص نہ پایا اور نہ بیان کیا۔ اور نہ ہی انہوں نے اس سے کوئی جملہ نسخہ
قرآن پیش کیا اور نہ کسی سورتہ کو کھیا ایک آیت کی کمی بیشی ہی بیان کی۔ بلکہ یہاں تک انہوں نے باوجود اس قدر
حرف گیری کے اتنا بھی اشارہ نہ کیا کہ کوئی ایک لفظ بلکہ حرف ہی حضرت عثمانؓ نے بدل دیا ہے۔ غور کی وجہ یہ کہ جب
حضرت عثمانؓ کی طاقت کا خاتمہ ہو گیا یعنی جب وہ باغیوں کے ہاتھوں سے مقتول ہو گئے۔ تو پھر جن حصص
قرآن کو حضرت عثمانؓ نے بار کھا تھا اور شائع کیا تھا انکے شائع کرنے میں کونسی رکاوٹ کسی کو مانع ہو سکتی تھی
اگر یہی مانا جائے کہ حضرت عثمانؓ کی سیاست ایسی غالب آئی تھی کہ انہوں نے تمام ایسے نسخے چھوڑ کر ضائع
کر دیئے تھے تو ان کی شہادت کے بعد ابھی بہت سارے فراء اور حفاظ زینبؓ تھے جن کے دلوں کی رواج پر قرآن شریف
کا حرف زمانہ نزول سے ہی نقش اور منضبط تھا۔ ان کو حضرت عثمانؓ مثلاً نے پر کسیے قادر ہو سکتے تھے۔ ان کا
توسلنی یا ہاتھ کی کوشش سے جو ہونا ناممکن محض تھا۔ قرآن شریف کے تمام ایسے حصے جن کے بار کھنے کا الزام
حضرت عثمانؓ پر بیجا اعتراض کرنے والے لگاتے ہیں وہ سب سب حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ساتھ ہی رواج عالم پر
آ جاتے اور قرآن میں شامل کر دیئے جاتے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا تاریخ اس کو ایسی کیلئے طیار ہے کہ کسی قسم کی بات
کا پتہ دے گی؟ کبھی بات تو یہ ہے کہ تاریخ میں ہرگز ہرگز اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا باوجودیکہ مسلمانوں کو اسی
امتدائی زمانہ میں ہی باہمی اختلافات نے علیحدہ علیحدہ کر دیا تھا۔ اور انکے بعد ہر طرح کے اختلافات ان میں پیدا ہوئے
گئے۔ لیکن باوجود ان سخت لاف کے مختلف لوگوں اور مختلف فرقوں میں صرف یہی ایک قرآن جو حضرت عثمانؓ نے
لکھ لیا تھا بلا کسی قسم کے اختلاف کے ہمیشہ سے مروج اور مسلم چلا آیا ہے۔ اگر واقع میں کوئی اختلاف موجود ہوتا
تو ضرور تھا کہ قرآن فریقہ کے نسخوں میں کسی طرح اسکو دخل ہو جاتا۔ لیکن تمام مسلمان جن میں بعض ایک دوسرے کے
قرنی دشمن بھی ہوتے رہے ہیں اور تمام اسلامی فرقے جو بعض بعض کے خون آشام حریف ہیں صرف ایک ہی قرآن شریف
ہمیشہ سے ماننے چلے آتے ہیں۔ اس جمہوری اتفاق سے یہ پریا ئیہ ثبوت کو زیادہ وضاحت سے پہنچتا ہے کہ قرآن شریف

میں کسی شخص کو کسی طرح کا اختلاف تھا۔ اور یہ کہ یہی قرآن شریف ہے چنانچہ حضرت صلعم کے منشا کے موافق جمع کیا گیا تھا +

بعض شیعوں کا
اعتراض اور
میر کا جواب

بعض شیعہ لوگ اس بارہ میں کسی وقت طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں ان کے لئے ہم میر صاحب کی لافطہ محمد سے چند فقرات اقتباس کرنے پر کھین کرتے ہیں اس شخص نے خود ہی اعتراض اٹھایا ہے۔ اور آپسی اس کا جواب دیا ہے چنانچہ اس نے لکھا ہے اس بات کو تسلیم کر کے کہ ہمارے ہاتھوں میں بلا تغیر و تبدل یہ نسخہ موجود ہے جو حضرت عثمان نے شائع کرایا تھا۔ یہ حال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ نسخہ قرآن شریف کا زید والے قرآن شریف کے ساتھ سوا خفیف اصلاحات کے بالکل مطابق ہے؟ اس بات کے ماننے کے لئے جوڑے پورے دلائل موجود ہیں کہ واقعہ میں ایسا ہی ہے۔ کسی غلط روایت اور معتبر حدیث سے ذرا بھر بھی شک کرنے کی وجہ پیدا نہیں ہوتی کہ حضرت عثمان نے اپنے دعوے کی تائید میں قرآن شریف میں ایک ذرہ بھر تصرف کیا ہو۔ اسمیں شک نہیں کوئی تاثر فریقین میں نے غلطی سے یہ بات سمجھ رکھی ہے کہ حضرت عثمان نے بعض سونیز اور بعض آیتیں عمداً قرآن ذکر کرنے دی تھیں اور وہ سونیز اور آیتیں ایسی تھیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دعویٰ کی موید تھیں۔ لیکن شیعوں کی یہ بات بالکل اعتبار کے قابل نہیں جب حضرت عثمان کا نسخہ قرآن طیار ہوا تو حضرت علیؓ کے پیروں اور بڑا میہ میں کوئی ظاہری اختلاف پیدا نہیں ہوا تھا۔ اور آخرت و وصرت اسلامی میں کئی فرق واقع نہ ہوا تھا۔ حضرت علیؓ کے دعوے ابھی تک مضبوط طور میں آتے ہی نہ تھے۔ کوئی ایسی عرض کافی طور پر نظر نہیں آتی۔ کہ جس نے ایسے وقت میں حضرت عثمان کو ایسے کردہ اور سیاہ جرم کے استحباب پر آمادہ کر دیا ہو جو مسلمانوں کے نزدیک سب سے زیادہ تاریک گناہ ہے پھر ماسوا اس کے جب حضرت عثمان نے قرآن جمع کر کے اس کو مستند طور پر شائع کیا تھا۔ تو وہ ایسا تھا۔ کہ جبکہ ابھی ہزار ہا ایسے لوگ نزاع موجود تھے جنہوں نے وقت نزول سے ہی قرآن شریف کو مستحکم حفظ کر لیا تھا تھا۔ اور اگر کوئی سورۃ یا آیت ایسی ہوتی جو حضرت علیؓ کے دعوے کی موید تھی تو ضرور رکھا کر وہ ہزار ہا لوگوں کے ہاتھوں میں محفوظ ہوتی جو حضرت علیؓ کے ساتھ حاصل خلاص اور تعلق رکھتے تھے۔ یہ وہی باتیں تھیں ان سے اصل قرآن میں کسی قسم کے تصرف و تغیر کا دخل پانا ممکن ہی نہیں تھا۔ پھر اس کے علاوہ حضرت عثمانؓ کے فوت ہونے ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خیر خواہوں کی جماعت کا غلبہ ہو گیا اور ایسی آزاد طاقت حاصل کر لی کہ اگر کوئی خلیفہ بنائے میں کیا میاب ہو گئے۔ کیا یہاں صحیح ہو سکتا ہے کہ جب اس طرح ان کو قوت اور دولت ملگئی تھی تو اس وقت وہ اس ناقص قرآن شریف کے رواج کی اجازت نہ دیتے؟ اور ناقص بھی ایسا کہ ان کے اپنے پیشوا حضرت علیؓ ہی کے دعووں کی آیات اور سونیز کے ان راجح بنے ناقص۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں۔ کہ وہ لوگ بھی اسی قرآن کو باقیل و قال ہمیشہ استعمال کرتے رہے۔ اور ان کے مخالف بھی اسی قرآن کو پڑھتے رہے۔ اور خفیف سے خفیف اعتراض بھی اس کے خلاف نہیں کیا +

اس وجہ یہ بات بھی ذکر کر دینے کے قابل ہے کہ شیعوں کی ساری جماعت ہی ایسا اعتقاد نہیں رکھتی کہ قرآن شریف

محققین اہل تشیع
حفاظت قرآن
کے قائل ہیں

کے کچھ حصے کم ہو گئے تھے یا وہ سورتیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وعدوں کی مؤید تھیں ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یا زید نے عمداً
پھٹور دیا تھا۔ ان لوگوں میں بھی زیادہ ایسے ہوئے ہیں اور ہیں جو ماننے ہیں کہ قرآن شریف قبرسم کی آلاش
اور تصرف پاک ہے۔ اور یہی قرآن شریف جو بین المذمتین دنیا میں موجود ہے زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اور زمانہ صحابہؓ اور زمانہ تابعینؓ میں تھا۔ اور یہی بلا تغیر و تبدل کرنے و مرتب کرنے موجود ہے۔ یہی اعتقاد ٹیپے بڑے
فضلاء اور محققین اہل تشیع کا ہے۔ البتہ جابل لوگ ایسا اعتقاد رکھتے ہیں کہ بعض حصص قرآن شریف کم ہو گئے
ہوئے ہیں چنانچہ تفسیر صافی میں سے جو اہل تشیع کی ایک بڑی معتبر تفسیر ہے۔ اور کج کل ان کے مدارس میں بطور
درس داخل ہے چند فضلاء اہل تشیع کے آراء لکھتے ہیں جو انہوں نے اس قرآن شریف کی نسبت جو کج کل دنیا
میں رائج ہے ظاہر فرمائی ہیں۔ چنانچہ اس تفسیر میں ملائسن جابل شیعوں کے خیالات کی تردید کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے
فقد روی جماعۃ من اصحابنا و قوم من حشویۃ العامة ان فی القرآن تعدیلاً و نقصاناً و الصبیح
من مذهب اصحابنا خلافاً و بلغت حداً لم تبلغہ فیما ذکرنا و لان القرآن معجزة النبوة
وما خذل العلوم الشعمیة و الاحکام الدینیة و علماء المسلمین قد بلغوا فی حفظہ و
حمایتہ الغایة حتی عرفوا کل شیء خلت فیہ من اعرابہ و قرأتہ و حروفہ و آیاتہ
فلکن یجوز ان ینکون مغیراً و منقصاً مع الغایة الصادقة و الضبط الشدید لینی ہمارے
دوستوں کی ایک جماعت اور عام حشویہ نے یہ روایت کی ہے کہ قرآن شریف میں تغیر اور نقصان ہے اور ہماری صواب
کا صحیح مذہب اس کے خلاف ہے۔ اور نیز ان لوگوں کی رائے اس حد تک پہنچی ہے کہ ہم سکویاں نہیں رکھتے اور صلابت
یہ ہے کہ قرآن نبوت کا اعجاز و اعظم شریعہ اور دینی احکام کا ماخذ ہے اور علمائے اسلام نے یہاں تک اسکی حفاظت و
حایت کی ہے کہ انہوں نے ہر چیز پر جس میں اعراب اور قرأت اور حروف اور آیات کے بارہ میں اختلاف کیا گیا ہے
عرفان نام ابو القاسم عام پیدا کر لی ہے پھر کمیونکر ممکن ہے کہ ایسے ضبط شدید اور حفاظت صحیح کی موجودگی میں کسی قسم
کا تغیر یا کمی ہونے پائی ہو۔ (دیکھو تفسیر صافی مصنف ملا حسن ص ۱۱۱) پھر آگے چل کر مصنف مذکور اسی ص ۱۱۱ پر لکھتا ہے
(ان الصرمان علی محمد رسول اللہ مجموعاً مولفاً علی ما ہو علیہ لان واستدل علی ذلک بان القرآن
کان یرس ویحفظ جمیعہ فی ذلک الزمان حتی عین علی جماعۃ من الصحابة فی حفظہم
لہ و انہ کان لیرض علی النبی و یتلی علیہ و ان جماعۃ من الصحابة مثل عبد اللہ بن
مسعود و ابی بن کعب وغیرہما ختموا القرآن علی النبی علی علق ختمات و کل ذلک یل بادی
نام علی انہ کان مجموعاً غیر مبثوث و مبثوث و ذکر ان من خالفہ فی ذلک من کلامتہ
والحنویۃ لا یعد بخلافہم فان خلاف فی ذلک مضاعف الی قوم من اصحاب الحدیث
نقلوا اخباراً ضعیفۃ یعنی یہی قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی جمع شدہ اور اکٹھا تھا جس طرح مشکل
ہے۔ اور اس پر دلیل ہے کہ قرآن جمیع مکمل و مجموعی طور پر اس زمانہ مبارک میں پڑھا جاتا اور حفظ کیا جاتا تھا اور

صحابہؓ کی ایک جماعت مثل عبداللہ و ابی بن کعب وغیرہ نے چند مرتبہ قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ختم کیا۔ اور ان باتوں پر اپنے تامل و فکر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن مرتب مدون تھا۔ ترتیب نہیں تھا۔ اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ امام بیہاق جو یہاں سے جن لوگوں نے اس رائے کی مخالفت کی ہے ان کی اس کے مقابل میں کوئی حقیقت اور شمار نہیں ہے کیونکہ یہ خلاف صرف اصحاب حدیث ہی نہیں جنہوں نے تصنیف نہیں نقل کر دی تھیں۔

ماہین الدننیں
صلی سہنے پر
اجماع

پھر غنیمت زکوری اپنی تفسیر میں بہت سارے بڑے بڑے مسلمان و مستند علماء و فضلاء و محدثین امامیہ کے اعتقاد کا اقتباس کرتا ہے۔ کہ جن کی عظمت اور ریافت کی شہرت کا سکہ تمام شیعہ دنیا میں مٹھا ہوا ہے۔ اس نے ہر حال کے لیے نقل کئے ہیں جن میں یہ لوگ صاف اور کھلے الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ یہ قرآن جو بین الدننیں مسلمانوں میں رائج ہے یہ ٹھیک ہی قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا تھا اور اس میں کوئی تغیر و تبدل واقع نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ اس نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے جو امامیہ فرقہ میں بہت مستند اور مسلم حدیث ہے۔ اور جس کے اسناد پر کبھی کوئی اعتراض نہیں کیا گیا۔ یہ حدیث بھی اسی بات کی تائید کرتی ہے کہ یہی قرآن شریف جو دنیا میں عام طور سے مروج ہے لفظاً و معنیاً اور جزاً و کلاً وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا اور جس طرح آپ نے ترتیب دلائی تھی اور اس میں کسی تبدل و تغیر کو کسی طرح سے دخل نہیں ہوا۔ ان مذکورہ بالا حوالوں سے کافی طور پر ثابت ہے کہ علمائے محققین قرآن امامیہ کو بھی مسلمانوں کے دوسرے فرقوں کے علمائے ساتھ اس بات میں اتفاق ہے کہ یہ قرآن شریف جو بین الدننیں مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے ٹھیک وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ اور اس میں کسی قسم کی دسترس کسی غیر کی نہ اسکی ترتیب میں نہ اسکی لفظ و حرف میں بلکہ کسی حرکت کے بدلنے میں بھی ہو سکی۔ اگر بہ نادان و محض قرآن شریف کے اس عباد کی طرف نظر و غور اٹھا کر دیکھئے کہ جبکہ حضرت عثمانؓ کا شائع کردہ قرآن آج تک دنیا میں اس قدر وسیع طور سے مروج اور شائع ہو چکا ہے۔ اور اسلامی اقوام اس قدر دور و دور پھیل چکی ہیں۔ مگر مختلف ممالک میں رہتے اور مختلف زبانوں کے بولنے کے باوجود وہاں کہیں باوجود تیرہ سو برس سے یہی قرآن موجود ہے۔ اور اس میں کسی قسم کا اختلاف اور تغیر واقع نہیں ہو سکا۔ تو پھر کہیں کو ممکن تھا کہ صرف تیرہ برس کے ایسے پاک زمانہ ہی میں اس میں کسی کی دستبرد کو راہ لجاتی۔ وہ تو ایسا نازن تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صرف تیرہ سال ہی گزرے تھے اور مسلمانوں میں وحدت موجود تھی۔ اور ایک ملک اور قریباً ایک ہی زبان کے سمجھنے والے تھے۔ اور ان میں کثیر التعداد ایسے علماء و حفاظ موجود تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھ کر قرآن حفظ کیا ہوا تھا۔ اور نازہ تازہ زبان تھا۔ اور اسکے بعد ہمارے زمانہ تک مختلف قوموں میں ہزار ہا اختلافات واقع ہوئے۔ ہزار ہا قومیں مختلف ملکوں میں رہنے والی اور مختلف زبانیں بولنے والی اسلام میں داخل ہو گئیں۔ پھر جبکہ اس تیرہ سو برس کے نیچے زمانہ میں ایک حرکت بھی بل نہیں کی تو اس پہلے زمانہ کی نسبت کسی تبدیلی یا فرقہ واریت کا خیال کرنا ہی سراسر مرقع کا ٹخن کرنا ہے۔ وہ ابتدائی زمانہ ایسا تھا کہ زمین

وہ اسباب جن سے قرآن شریف ہر کالائش اور نصرت محفوظ رکھا جاسکتا تھا بہت کثرت سے موجود تھے صحابہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام متقدمین میں بات کو علو و البصیرت ماننے اور جاننے تھے کہ قرآن شریف میں سے کچھ بھی کم نہیں ہوا۔ امام بخاری نے ایک حدیث لکھی ہے۔ اور یہی حدیث کچھ کی صحت پر کبھی کوئی حرج واقع نہیں ہوئی۔ اور وہ یہ ہے کہ جب ابن عباس اور محمد بن حنفیہ سے پوچھا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا چھوڑا ہے تو دونوں نے متفق لفظ ہو کر جواب دیا کہ ما ترک الا ما بین الدفتین۔ یعنی آپ نے وہی کچھ چھوڑا ہے جو بین الدفتین موجود ہے۔ واضح ہے کہ بین الدفتین کی اصطلاح وہ ہے جو اس قرآن شریف کے لیے پہلے بولی گئی تھی جو حضرت عثمان نے شائع کیا تھا۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ یہی قرآن جو حضرت عثمان نے شائع کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نیچے چھوڑا ہے +

اب ہم ڈاکٹر منگنا کے دریا فت کردہ نسخہ ہائے قرآنی کو لیتے ہیں۔ اصل مالکان اور اوراق کی اکیلیٹی ہیں۔ اور انہوں نے یہ اوراق خلیفہ قدیم کے تاجروں سے ۱۷۷۷ء میں بمقام سوسیز خریدے تھے۔ ان اوراق پر یکے بعد دیگرے تین تحریریں ایک دوسری کے اوپر لکھی ہوئی تھیں۔ اور سب سے نیچے قرآن کریم کی کچھ عبارتیں تھیں۔ مگر جب اسکے بعد دوسری عبارت انہی اوراق پر لکھی گئی تو پہلی عبارت کو نرم پتھر کے ساتھ رگڑ کر محو کر دیا گیا۔ پھر مورزادہ وہ پہلی تحریر کچھ دھیمی سی نظر آنے لگی۔ سب سے پہلے یہ اوراق ڈاکٹر منگنا کی نظر کے نیچے آ گئے جو اپنی لیٹی دست کے نھان تھے۔ اور انہوں نے بڑی محنت کے ساتھ اس محوشہ تحریر کو پڑھ کر ان اوراق کی عبارت قرآنی کو ۱۹۱۷ء میں ایک کتاب کی شکل میں شائع کیا۔ جس کا نام انہوں نے "میز فرام تھری انشٹ قرآن" یعنی "تین قدیم قرآن کے اوراق" رکھا۔ اور یہ دعویٰ کیا۔ کہ ان اوراق سے قرآن کریم کے مستند نسخہ ہیں جو آج ساری اسلامی دنیا میں مروج ہے۔ اور دیگر نسخہ جات میں جو پہلے کسی زمانہ میں مروج تھے اختلاف ثابت ہو رہے ہیں۔ ڈاکٹر منگنا کی لیٹی دست جو ان اوراق کی اصل مالک ہے بڑی جرات سے اس بات کا بھی اعلان کرتی ہے کہ یہ اوراق ان نسخہ جات کے اوراق ہیں جو حضرت عثمان کے زمانہ سے پہلے مروج تھے اور جن کو حضرت عثمان نے خود چاہے یا باوجود مستند نسخے تیار کرانے کے بعد جانے کا حکم دیا تھا۔ تاکہ آئندہ جس قدر نسخہ جات قرآنی تیار ہوں وہ ان مستند نسخوں کی تقلید ہوں۔ ڈاکٹر آگنس سمیتھ لوئیس کا جو ان اوراق کی مالک کا نام ہے۔ یہ خیال ہے کہ یہ اوراق حضرت عثمان کے ہاتھ نہیں گئے اور ان کے مالک نے قرآن کریم کی عبارت کو چرطے کے کاغذوں پر سے مٹا کر کاغذات کو فروخت کر دیا۔ حضرت عثمان کے زمانہ کے بعد کے یہ کیوں نہیں ہو سکتے۔ اس کی وجہ ڈاکٹر لوئیس کو سمجھائے اسکے کوئی نہیں مل سکی کہ اس قسم کی عبارت کا حضرت عثمان کے وقت کے بعد لکھا جانا ایک بے معنی بات معلوم ہوتی ہے۔ مگر ان کا دوست ڈاکٹر منگنا اس بارہ میں زیادہ محتاط ثابت ہوا ہے۔ وہ صرف اس قدر کہتا ہے کہ ان مسودات کے بعض حصص کا کٹھن ۱۷۷۷ء کی ابتدا کا ہونا (جو حضرت عثمان کے بہت بعد کا زمانہ ہے) غلط ہے وہ ان کو حضرت عثمان سے پہلے کے لکھے ہوئے قبول کرنے کے لئے کسی صورت میں تیار نہیں۔ ہاں یہ کہتا ہے کہ ممکن ہے کہ ان اوراق عثمانی سے جو جلتے سے کسی قدیم سے بچائے گئے ہوں یا اوراق نقل کیے گئے ہوں۔

ڈاکٹر منگنا

کے تین قدیم

قرآن اوراق

مگر یہی محض بطور ایک خیال کے پیش کیا گیا ہے اور کوئی قطعی فیصلہ اس بات پر دینے سے ڈاکٹر منگانے اپنے آپ کو روکا ہے +

ان اوراق میں ذیل کے عبارات یعنی سورتوں کے ٹکڑے پائے جاتے ہیں۔ الاعراف ۱۳۹۔ ۱۶۰۔ التوبہ ۱۸۔ ۷۹۔ ہود ۲۰۔ ۳۹۔ رعد ۱۸۔ ۳۳۔ ابراہیم ۱۔ ۸۔ الحجر ۸۵۔ ۹۹۔ النحل ۱۔ ۲۱۔ ۱۰۔ ۲۸۔ انبی اسرائیل ۱۔ ۵۷۔ النور ۱۷۔ ۲۹۔ القصص ۳۱۔ ۵۱۔ العنکبوت ۱۷۔ ۳۹۔ المؤمن ۷۸۔ ۸۵۔ خم فصلت ۱۔ ۲۰۔ الذل ۳۸۔ ۵۹۔ الجاثیہ ۲۰۔ حصص سارے کے سارے ایک ہفتے کے لکھے ہوئے نہیں بلکہ ڈاکٹر منگانے کی رائے میں چار مختلف ہفتوں کے لکھے ہوئے ہیں۔ اور ان کی علیحدہ علیحدہ خصوصیات کا بھی کچھ ذکر کیا گیا ہے۔ ایک مشترک خصوصیت سب کی یہ ہے کہ ان میں حرف ہمزہ نہیں پایا جاتا۔ کل اختلافات کو جو ان اوراق میں مستند نسخے سے جو اسلامی دنیا میں مروج ہے پائے جاتے ہیں ڈاکٹر منگانے تین حصوں پر تقسیم کیا ہے پہلا حصہ وہ ہے جس میں ایک لفظ کی بجائے دوسرا لفظ اختیار کیا گیا ہے۔ دوسرا حصہ وہ ہے جس میں کوئی چھوٹا سا اختلاف تو کا ہونا یا نہ ہونا۔ تو کی بجائے ق یا ق کے درکار ہونا یا اس قسم کے اختلاف دکھائے گئے ہیں تیسرا حصہ وہ ہے جس میں کوئی لفظ زائد یا یا جا تا ہے یا کوئی لفظ کم پایا جاتا ہے جیسے اول میں چار اختلاف حصہ دوم میں تیس اور حصہ سوم میں چار اختلاف دکھائے گئے ہیں۔ سب سے پہلے میں حصہ دوم کو لیتا ہوں جس میں اختلافات کی تعداد زیادہ دکھائی گئی ہے +

قبل اس کے کہ ان اختلافات پر بحث کی جائے ان کل اختلافات کے متعلق میں چند الفاظ کی بجائی طور پر کہنا چاہتا ہوں۔ ان میں سے امر اول یہ ہے کہ قرآن کریم کے مختلف مسودات میں اختلافات دکھائے کیلئے صرف قدر دکھانا کافی نہیں کہ ایک مسودہ میں ایک لفظ اور طرح پر لکھا ہوا ہے۔ اگر اس سے اختلاف ثابت ہو جاتا ہے تو پھر اشیائے قدیم کے تاجروں سے چند اوراق فرمائیے اور ان پر محنت اور ذہانت صرف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس قسم کے اختلافات آج جیسے ہوئے نسخہ جات قرآنی میں بھی دکھائے جاسکتے ہیں۔ جو کتاب کی غلطی کا نتیجہ ہیں ہم نہیں مانتے کہ کچھ زمانہ کے کتاب فرشتے تھے۔ وہ بھی انسان تھے۔ بلکہ زائد علم و مقابلہ جو کہ اس قسم کے سوچتے تھے جیسے ہماری زمانہ میں ہیں۔ سب سے پہلے ان سے غلطی کا ہو جانا اور پھر اس کا درست نہ ہو سکتا اور بھی زیادہ قرین قیاس ہے یہی کہ وہ بات تھی جس کی اصلاح کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مختلف مسودات کو جو لوگوں نے اپنے اپنے طور پر لکھے ہوئے تھے بلوا دیا۔ کیونکہ ان لکھنے والوں سے کافی اہتمام درستی کا نہ ہو سکتا تھا۔ اسلئے آپے چار یا پانچ بڑے بڑے مرکزوں میں مستند نسخے قرآن شریف کے رکھوائے۔ یہاں آسانی سے مقابلہ ہو کر صحیح نسخہ جات عالم اسلامی میں شائع ہوں۔ تعجب ہو کہ اس امر پر ایک اعلیٰ درجہ کی دور اندیشی پر مبنی تھا کہ حضرت عثمانؓ بجز ق کا جانا ہے۔ وہ زمانہ چھاپے خانوں کا تو تھا جن میں کہ ایک سرکاری ایڈیشن شائع کر دیا جاتا اور اس کی کاپیاں کل اوراق اسلام میں پھیل جاتی تھیں صحت کا اہتمام جو کچھ ہو سکتا تھا وہی تھا کہ بڑے بڑے مرکزوں

کاتبوں کی
غلطیاں

میں صحیح نسخہ جات موجود ہوں اور ان کے ساتھ لوگ مقابلہ کر لیں ہیں اگر کسی نسخہ میں کوئی فرق پایا جاتا ہے تو اس سے نتیجہ نکالنا کہ یہ اختلاف قرآن میں ہے۔ ایک حقیقت یہ ہے کہ اختلاف لکھانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ مختلف ہاتھوں کے لکھے ہوئے کم سے کم تین نسخات دکھائے جائیں جن میں ایک لفظ کی بجائے دوسرا لفظ ہے یا کوئی لفظ دوسری طرح پر لکھا گیا ہے یا کسی لفظ کی گئی ہوتی ہے مثلاً ایک کاتب دھن کی جگہ جن لکھ دیتا ہے تو یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ قرآن کریم میں جو دھن لکھا ہے وہ غلط ہے بلکہ اس کا حق لکھنا اسکی غلطی ہوگی۔ ہاں اگر کم سے کم تین مختلف کاتب دکھائے جائیں جنہوں نے ایک دوسرے سے یا ایک ہی نسخہ سے نقل نہ کیا ہو۔ اور وہ تینوں ایک خاص ہوتے ہوں دھن کی بجائے فن لکھتے ہوں تو سمجھا جائیگا کہ یہ ایک اختلاف ہے پس سب سے اول اس اصول کا یاد رکھنا ضروری ہے کہ ایک کاتب کے ایک لفظ کو دوسری طرح لکھ دینے سے صرف یہی ثابت ہوگا کہ اس غلطی ہو گئی۔ اور اس سے قرآن کریم میں کوئی اختلاف ثابت نہیں ہوتا +

دوسری بات یاد رکھئے جسے قابل یہ ہے کہ موجودہ نسخہ جسے پیش کیا گیا ہے وہ کیا چیز ہے۔ وہ کوئی بُرائی تحریر اس قسم کی نہیں جس کے متعلق یقین سے یہ کہا جاسکے کہ اسے کس نے لکھا اور کب لکھا کیا لیکن نہیں کسی عیسائی نے جب خدا کا لفظ میں تغیر تبدیل کر کے اس کو مسلمانوں میں شائع کرنے کی کوشش کی ہو اور کسی مسلمان کے ہاتھ آئے ہوں اس نے اس تحریر کو جو براں غلطیوں کے ہی محو کر دیا ہو یا خود اس عیسائی نے ہی اپنے آپ کو ناکام پا کر پھر ان حروف کو مٹا دیا ہو۔ ابتدائی زمانہ کے بعض عیسائی بزرگوں نے تو دین کی خاطر جھوٹ بولنے کو بھی جائز رکھا۔ اور پھر جب کدوئی وضعی انا جیل بن سکتی ہیں جن کا وضع ہونا عیسائی دنیا کو مسلم ہے تو یہ کیوں نہیں کرے اسی طرح پر چند آیات قرآنی میں بھی تغیر تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کا اپنا وعدہ اس کلام انہی کی حفاظت کا تھا اسلئے اللہ تعالیٰ نے ایسی کوشش کرنے والے کو ناکام کیا ہو۔ اس بات سے کہ صرف چند ٹکڑے چند مورتوں کے ہیں کوئی کہیں سے اور کوئی کہیں سے اور پھر چار مختلف ہاتھوں کے لکھے ہوئے ہیں اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔ یہ کوئی کامل جلد قرآن شریف کی نہیں ہے نہ پوری ایک مورت ہی ہے۔ تیسرا امر ضروری یہ دیکھنا ہے کہ اس مسودہ کی حیثیت کیا ہے۔ اس پر پہلے عربی عبارت لکھی گئی۔ پھر جب کسی دوسری عبارت کے لکھنے کی ضرورت پیش آئی تو اصل عربی عبارت کو نرم پتھر کے ساتھ چمڑے کے کاغذ کو رگڑ کر اس کاغذ کو صاف کیا گیا اور اس پر دوسری عبارت لکھی گئی۔ پھر اس پر کسی تیسرے زمانہ میں کوئی اور ہی عبارت لکھی گئی۔ سو اول تو اس قدر گڑبڑ میں اصل الفاظ کو پہچاننا ایک نہایت دشوار کام ہو جاتا ہے اور ہتھیار سے ہتھیار پٹھنے والے کو بھی غلطی لگ سکتی ہے چنانچہ ایک مخالف گواہ کے ہاتھ میں ایسے مسودہ کو دیکھو ساما اعتبار نہادات کا اسی پر رکھا جائے کہ جو کچھ وہ کہے وہ درست ہے۔ یہ کوئی قدیم زمانہ کی صفائی سے لکھی ہوئی تحریر نہیں کہ اسکو آسانی سے پڑھا جائے اور اس میں کسی قسم کا شبہ واقع نہ ہو سکے۔ پھر تبصرے رگڑنے میں یہ ظاہر ہے کہ بعض حروف کی سیاق پھیل گئی ہے اور ایک حرف کے لفظوں نے اصل حرف کے ساتھ مل کر کوئی اور ہی شکل اختیار کر لی ہو۔ یا بعض حصص ایسے آؤ گئے

مسودہ انگارے
کے متعلق تیار

مسودات
انگاری
حقیقت

ہوں کہ وہ دوبارہ نمودار ہونے کے قابل ہی دے ہوں چنانچہ کئی سطروں کے کئی حصے اس طرح پر محوشہ ان عبارت کے اندر موجود ہیں مثلاً صفحہ ۶ پر سورۃ الاعراف کی آیت ۱۵۹ و ۱۶۰ ڈاکٹر منگنا کے نسخہ میں یوں لکھے ہوئے ہیں۔ ومن قوم موسیٰ امۃ یھدین بالحق و یعدون قطعہ ۰۰ ھم ۰۰۰ اسباط ۰۰۰ اما و اوحینا الی موسیٰ اذا استسق ۰۰ قومہ ان اضرب بعصاک۔ اس کے بعد اعلیٰ الفاظ محو ہیں۔ اب اصل عبارت یوں ہے۔ ومن قوم موسیٰ امۃ یھدین بالحق و یعدون قطعہ ۰۰۰ و قطعہ ۱۰۰۰ اسباط ۱۰۰۰ اما و اوحینا الی موسیٰ اذا استسق قومہ ان اضرب بعصاک ۰۰۰ ۱۰۰۰ ان چند الفاظ میں بالحق کا صریح باطن چھایا ہے باقی محو ہو گیا ہے قطعہ ۱۰۰۰ میں سے پہلا اور پچھلا حصہ موجود نہیں درمیان حصہ محو ہے اسباط کا آخری الفاظ محو ہے استسقہ میں قری حن محو ہے اور قطعہ ۱۰۰۰ کے پہلے جو ہے وہ محو ہے اب کیونکہ انہوں کا اس نسخہ کے لکھنے والے کو اصل قرآن سے اختلاف ہے کہ وہ ان قطعہ ۱۰۰۰ کے پہلے وہ اس نسخہ میں نہیں بلکہ جس طرح دوسرے الفاظ کے بعض حصوں کو محو ہو گئے یہ بھی محو ہو گیا۔ یہی مثالیں کثرت انہی اوراق سے دی جاسکتی ہیں مگر ہماری غرض کیلئے یہ ایک مثال بھی کافی ہے اس طرح جب کاغذ صاف کر کے دوسری عبارت لکھی گئی تو بالکل قریب میں ہے کہ اس دوسری عبارت کے بعض تشبیہ یا نقطے (کیونکہ اس میں بھی نقطے ہیں) پہلے بھی سیاسی کے ساتھ خطوط ہو کر کوئی اور شکل اختیار کر چکے ہیں۔ غرض ایک عبارت کو پیچھے سے رکھ کر محو کرنے میں پھر اس پر دوسری عبارت لکھنے میں کئی قسم کے تغیر آجاتا قرین قیاس ہے۔ اسلئے ایسا مسودہ قرآن کریم کے مستند نسخہ کے خلاف جس پر تحریر اور حافظ کل اسلامی دنیا کا متفق ہو بطور شہادت پیش کرنا کسی عقلمند کا کام نہیں +

جو قطعی بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس مسودہ کے جابسی گڈ ٹر حالت میں ہے پڑھنے والے کو نہیں ایک ڈاکٹر منگنا اور ودان کی دوست لیڈیاں جنہیں ان کے تیوں بوسہ ان خیالات کے جو اسلام کے خلاف ان کے دلوں میں کین سے جاگزیں ہیں۔ ایک الٹی کاپ تیار بنانے کو تیار ہیں۔ ایسے لوگوں کی نظر منقذہ کہاں ہو سکتی ہے۔ چاہیے تھا کہ کوئی نے لوٹ شہادت اپنے اس ٹیٹھ پر پیش کی جاتی۔ اس کی میں ابھی مثالیں دوں گا۔ کہ کس طرح تعصب نے ان کی نظر کو وہ کام کرنے سے روکا ہے جو ایک منصف کی نگاہ آسانی سے کر سکتی تھی۔ پس جو نسخہ پیش کیا جاتا ہے۔ نہ اس کے لکھنے والے کی شہادت قابل اعتبار نہ خود نسخہ ایسا کہ اسکی بنا پر کسی عدالت میں شہادت قابل اعتبار نہ بھی جائے۔ اس نسخہ کا پڑھنے والا ایسا جو نے تعصب ہو کر شہادت دے سکے۔ اس قدر مشکلات کے اندر اس نسخہ کو قرآن کریم میں اختلافات کی شہادت کے طور پر پیش کرنا ایک مجنون کی بڑ سے بڑھ کر کوئی وقعت نہیں رکھتا +

ٹھٹھ والوں کا تعصب

ایک اور بات جو ان اختلافات پر روشنی ڈالتی ہے یہ ہے کہ جس قدر اختلافات ڈاکٹر منگنا نے دکھائے ہیں وہ ان قرائن میں سے نہیں جن کا نسخہ میریں لانا حضرت عثمان نے منع کر دیا تھا۔ اور جس روک کے لئے انہوں نے مستند نسخوں کے علاوہ دوسرے نسخے جلائیے تھے۔ ایک ہی بات تھی جو ڈاکٹر منگنا کی اس قریب

مستند اسکے اختلافات اختلافات رات میں نہیں

کہ کچھ وقت کے قابلِ نظر آسکتی تھی۔ اور وہ یہ کہ اس نسخہ میں کچھ مختلف قرائتیں پائی جاتیں جن کی اجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس نسخہ کے اختلافات مرعومان مختلف قرائتوں میں سے ایک کو بھی اپنے اندر نہیں رکھتے۔ اور اس وقت تو یہ بھی وہی بات کہی پڑتی ہے جس کہ میں اس سے پہلے بیان کر چکا ہوں کہ جو حملہ قرآنِ کریم کی حفاظت پر کیا گیا ہے اس کی تردید خود دوسرے مترجم ہی کر دیتے ہیں۔ اگر نسخہ حضرت عثمانؓ نے پہلے کا ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس میں ان مختلف قرائتوں میں سے کوئی قرات نہیں پائی جاتی جن کا اس وقت رواج تھا ؟

جن ہاتھوں نے یہ نسخہ لکھا ہے ان کے متعلق بھی چند الفاظ ضروری ہیں۔ اصل مسودات تو ہمارے سامنے نہیں ہیں اور جو صفحات نمونہ کے دیئے گئے ہیں ان سے کافی طور پر اصل تحریر پر روشنی نہیں پڑتی لیکن جس طرح ڈاکٹر منگنا نے ان کو پڑھا کہ ہمارے سامنے رکھا ہے اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے لکھنے والے کتنے زیادہ واقف ضرور ہیں۔ ڈاکٹر منگنا نے بعض باتوں کو اس وقت کی خصوصیات میں داخل کیا ہے مثلاً شئی کی جگہ شامی کا لکھنا یا یوحی کی جگہ یوحا لکھنا یا اما کی جگہ ان ما لکھنا۔ قرآن کی جگہ فترن لکھنا یا لوا کی جگہ نیلا لکھنا اذنا کی جگہ اذنا لکھنا علم کی جگہ عیلم لکھنا یہ مجرب باتیں نامذہبیت کو ظاہر کرتی ہیں۔ اول تو قرآنِ کریم کے لکھنے کی طرز ابتدا سے ایک ہی چلی آئی ہے اور جو لفظ جس طرح پہلے کا کتاب لکھا دیا ہے اسی طرح آج تک قرآن شریف میں لکھا جاتا ہے مثلاً صلوة کو دو چار مقامات پر صلوات۔ قال کو بعض جگہ قیل پیر کی یا خبر کا تہا بل غلطی نہ کر سکتا تھا۔ پھر یہاں معمولی اختلاف نہیں بلکہ صاف طور پر کاتب نے غلطی کرتا ہے۔ ورنہ علم کو عیلم کوئی واقف کاتب نہ لکھ سکتا تھا۔ نہ فترن کو فترن نہ بینا لو کو بینلوا وغیرہ۔ اسی طرح پر بعض وقت دو الفاظ بول نہیں سکتے ملا دیا ہے۔ مثلاً یوم الفصل کو یوم الفصل۔ لھد یھم سبیللا کو لھد یھم سبیللا۔ ہم با یا تننا کو ہمبا یتننا۔ ذلک الدین القیم فلا کے آخری حصہ میں القیم اور فلا کو ملا کر القیم فلا۔ لھم سؤا عا لھم کو لھم سؤا عا لھم۔ فیکہ سمعون کو فیکہ سمعون لکھ دیا ہے۔ یہ چند مثالیں ہیں۔ اس طرح واتبوعہ کو واتبعہ لکھ دیا ہے۔ جو ذکر خدا لکھ دیا ہے۔ یجاد کو یحییٰ لکھ دیا ہے۔ الصلوٰۃ کو الصلیوۃ لکھ دیا ہے۔ اسی قسم کی چند مثالیں اور بھی آجکی میں جن کو ڈاکٹر منگنا نے اس وقت کی طرز تحریر کی خصوصیت قرار دیا ہے۔ مگر یہ بالکل غلط ہے۔ مثلاً علم کو عیلم لکھنا طرز تحریر نہیں۔ میں نے بطور نمونہ یہ صرف چند مثالیں دی ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ شاید اس وقت قرآن شریف میں یہ الفاظ اسی طرح لکھے جاتے ہوں یہ بالکل غلط ہے۔ قرآنِ کریم کی طرز تحریر میں آج تک برابر یہی طرز تحریر کا متبع کیا جاتا ہے۔ مثلاً کتاب کو کتب ہی لکھا جاتا ہے۔ سبحان کو سبحن اور اسی قسم کی صد ہا مثالیں ہیں۔ بلکہ ایک لفظ جو ایک جگہ ایک طرز پر لکھا گیا ہے۔ اور دوسری جگہ دوسری طرز پر

ان مسودات کا تہوں کی ناواقفیت

تو اب تک اس بار تہج ہونا ہے مثلاً صلوة کا لفظ قرآن کریم میں عرنا و کے ساتھ ہی لکھا جاتا ہے۔ مگر سورۃ الانعام کے آخر میں صلاتی لکھا ہے صلوتی نہیں لکھا۔ حالانکہ ہود آیت ۹۹ میں صلوٰۃ ہے صلاتک نہیں۔ اور الانعام ۹۳ میں صلاۃ ہے صلوتہ نہیں۔ اور النور ۲۱ میں صلاۃ ہے صلوتہ نہیں۔ اسی طرح سورۃ بقرہ میں ابراہیم کو ابراہیم لکھا ہے لیکن دوسرے مقامات پر ابراہیم لکھا ہے یعنی یا کے ساتھ۔ قرآن کریم میں قال کا لفظ عموماً اسی طرح الف کے ساتھ لکھا ہے لیکن بعض موقوفہ پر اس کو دخل لکھا ہے۔ اولاً تک اس غلط موقوفہ پر اس طرح لکھا جاتا ہے۔ اسی قسم کی جیسوں مثالیں ہیں جن سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی طرز تحریر محفوظ جاتی ہے۔ اور اسی طرز تحریر کو چھوڑنا ناواقفیت کی علامت ہے۔ اسلئے یہ تہج بالکل صحیح ہے کہ اگر ڈاکٹر منگنا نے اصل الفاظ کو پڑھنے میں کوئی تصرف نہیں کیا۔ اگر صرف رکڑنے میں سیاہی پھیل کر بعض شے یا لفظ بالکل جو ہو کر الفاظ کی صورت بدل نہیں گئی۔ اگر اوپر والی تحریروں سے کچھ غلط اصلی تحریر میں نہیں ہو گیا تو ان مسودات کے لکھنے والا کوئی ناواقف آدمی تھا۔

فہم ویم کے اختلاف

اب میں ان اختلافات کو الگ الگ لیتا ہوں۔ اور سب سے پہلے قسم دوم کے اختلافات پر بحث کرتا ہوں جن کی تعداد ۳۰ بتائی گئی ہے۔ اس میں قول تو وہ الفاظ ہیں جن میں محض ڈاکٹر منگنا کو غلطی لگی ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ جن میں ڈاکٹر منگنا نے مغالطہ دینے کی کوشش عدا کی ہے مثلاً اس کا سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں لفظ بروکنا کا اختلاف دکھانا۔ حالانکہ یہ اختلاف کوئی نہیں۔ ڈاکٹر منگنا کہتا ہے۔ قرآن کریم میں بارکنا ہے۔ اور اس کے دریافت کردہ اوراق میں بروکنا اور پھر بروکنا کے معنی وہ کھٹے ٹیکنا کرتا ہے۔ غرض صاف ہے قرآن کریم کی طرز تحریر میں بارکنا نہیں لکھا جاتا۔ بلکہ اسی لفظ کو اب تک بروکنا لکھا جاتا ہے۔ چنانچہ طرز تحریر میں اوپر کا الف نہیں لکھا جاتا تھا۔ مگر پڑھنے میں آتا تھا۔ کیونکہ قرآن کریم صرف تحریر میں محفوظ نہ تھا بلکہ ابتدا سے ہی تحریر کے ساتھ حافظوں میں بھی محفوظ تھا۔ اگر اسی قسم کے اختلاف نکالنے سے تو ڈاکٹر منگنا کو اور بھی بہت سے اختلاف مل سکتے تھے مثلاً التوبہ ۷۰ میں گوہماے قرآن میں طرز تحریر خلافت اور خلافت کرے۔ مگر ان اوراق میں خلافت لکھا ہے۔ اس کو کہیں ڈاکٹر منگنا ناجائز خلاف کے خلق ٹوک کر پیدائش منی نہیں کرتا۔ حالانکہ یہ معنی تو کچھ بن بھی جاتے ہیں۔ مگر المسجد الحرام الذی بروکنا حوالہ کے معنی کچھ بھی نہیں بنتے۔ کیونکہ اگر اس کو بروکنا پڑھیں بروکنا پڑھیں۔ تو گویا خدا کہتا ہے کہ مسجد حرام جس کے گرد ہم نے کھٹے ٹیکے تھے۔ جو بالکل بمعنی فقرہ ہے۔ حالانکہ بروکنا کے معنی صاف ہیں۔ کہ ہم نے برکت دی تھی۔ اسی قسم کا ایک اور فرق ہے یعنی سورہ نحل آیت ۲۲ میں ڈاکٹر منگنا کہتا ہے کہ آیات کی بجائے این لکھا ہے حالانکہ وہ درحقیقت این ہے۔ تعجب کرو یہ ڈاکٹر منگنا ناجائز اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ اس کھٹے والے کی طرز تحریر بھی ایسی ہے کہ وہ قرآن کو قرآن سمجھتا ہے۔ وہ اس قدر موٹی بات کو نہیں سمجھ سکتا کہ آیات دوسری طرح پر بھی لکھا جاسکتا ہے یعنی این اس کی جیسوں مثالیں سنی تحریر میں موجود ہیں۔ مثلاً تصریحت الریاح کو تصریف الیوم

لکھا ہے۔ حالانکہ مراد الیٰح ہی ہے۔ اور کلمات کو کلمات لکھا ہے۔ حالانکہ مراد کلمات ہے۔ اور الاعراف ۴۱ میں بکلا ہی کو بکلی لکھا ہے۔ اور وہیں ۴۲ و ۴۹ میں اللالوہ کو اللالہ لکھا ہے۔ اور لقیقتا تو لقیقتاً لکھا ہے۔ وہاں ڈاکٹر منگنا نے یہ معنی کیوں نہ کر لئے۔ کہ مرے ہماری زبان کے لئے آئے و مرے اسنے کہ یہ معنی بن سکتے تھے؟ پھر جب اس لکھنے والے کی طرز تحریر یہ ہے۔ اور ڈاکٹر منگنا خود اس بات کو اس کی خصوصیات میں سے بتاتا ہے۔ تو اسی طرز تحریر کی بیسیں مثالوں میں سے ایک دو کو اختلاف کے رنگ میں پیش کر دینا محض شرارت نہیں تو اذکر کیا ہے +

ہست ہی مثالیں اس قسم کی دیجی ہیں۔ کہ وکی جگہ یافت کی جگہ وہ ہے۔ یا ویا و کو بڑھا دیا چھوٹا دیا گیا ہے یا یوں ہی کوئی اور چھوٹا سا فرق ہے مثلاً یہ کہ سورۃ الرعد ۲۶ میں اللہ کی جگہ واللہ ہے۔ لکھنے والے کو معمولی غلطی لکھ گئی ہے۔ التحلی ۱۷ میں افلا کی جگہ اولا ہے۔ پھر سے رگڑنے میں لفظ اڑ گیا ہے اور فاصل سے الگ ہو گیا ہے۔ یا یہ بھی محض معمولی غلطی ہے جو پورا یاد نہ ہونے سے لگ سکتی ہے۔ ابراہیم ۳ میں ضلال کی جگہ ضل ہے۔ یہی کہتا ہوں جو شخص اذانا کو اذنا لکھ سکتا ہے جیسا کہ ڈاکٹر منگنا نے خود مثال دی ہے اور جنود کو جند لکھ سکتا ہے۔ اور تابعہ کو واتبعہ لکھ سکتا ہے کیا ضلال کی جگہ ضل لکھ دینا اس سے کچھ بعید ہے۔ ایسا ہی الجرح ۹ میں واعرض کی جگہ واعرض ہے جہاں ممکن ہے کہ لفظ کسی اور کی تحریر سے اثر پڑ گیا ہے۔ پھر الرعد ۳۳ میں زین کی جگہ فزین ہے جو محی غلطی ہے کیونکہ فزین پڑھ کر وہاں عبارت ہی نہیں بن سکتی۔ اصل عبارت ہے بل زین للذین کفر۱۔ اسکی بجائے اگر وہاں فیض کہ بل فزین للذین کفر۱ تو یہ عربی ترکیبیں ہیں اور ف دو نو میں ایک ہی رہ سکتا ہے پھر کیا اختلاف یہ لکھا یا گیا ہے کہ وہ ۴۴ میں الاخرین کو الحسنین لکھا ہے۔ حالانکہ بات قرآن میں ہے۔ کہ الاخرین کو کہنے والے نے مشبہوں الحسنین کا الف چھوڑ کر الحسنین لکھا ہے۔ ایسے میں سے پہلا الف چونکہ کچھلی سطر کے آخر آیا ہے وہ اُدھر لکھا گیا ہے۔ اور الحسنین سطر کی ابتدا میں لکھا گیا ہے پھر وہ سطر کے آخر کا الف لکھا گیا ہے۔ اسکی مثال اس سے دوسرا اوپر ہی موجود ہے۔ جہاں الظالمین کا الف پہلی سطر کے آخر ہے۔ اور اگلی سطر کی ابتدا میں صرف الظالمین ہے۔ یہی حال اس سے اگلے اختلاف اخیرین۱ اور خبیث۱ کا ہے جہاں پہلا الف ہمزہ کی بجائے کج لکھا ہے لکھنے میں ترک کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس ساری طرز تحریر میں ہمزہ کہیں بھی نہیں لکھا گیا۔ یا پھر کہ رگڑے سے محو ہو گیا ہے پھر کیا اختلاف الفحل ۳۸ میں فانظروا کی جگہ وانظروا لکھا ہے۔ جو اگر غلطی نہیں تو محض ف کا نقطہ بالکل محو جانے کا نتیجہ ہے۔ اس کے بعد کہ دو مثالیں جسی التوبہ ۳۶ میں فیہن کی جگہ فیہا ہونا اور فاصلا ہر کی جگہ فاصلا متبہ ہونا محض کتاب کی غلطیاں ہیں +

بارصول اختلاف اور انیسواں پھر ڈاکٹر منگنا کی نقص کے بیان سے ہماری آنکھ کا نتیجہ ہے سورۃ توبہ آیت ۲۴ ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے واللہ لا یصلی القوم الفاسقین اور آیت ۳۷ واللہ لا یصلی القوم الفکھرب۔ اب پڑھنے میں بھڑکی کی یا دونوں جگہ نہیں پڑھی جاتی۔ کیونکہ وہ

القوم کے ن کے ساتھ لجا جاتی ہے۔ یا تو اس خیال سے لکھنے والے نے اسے نہیں لکھا۔ اور یا ویسے ہی لکھی ہے۔ بہر حال بجائے بعد القوم کے بعد القوم ہے۔ مگر ڈاکٹر منگنا نے ناواقف پبلک کی آنکھوں میں خاک ڈالتے ہوئے اسے ایک اختلاف عظیم ٹھہرایا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ وہ اسے لایسڈ ایک لفظ القوم دوسرا لفظ بناتا ہے۔ جہاں ل حرف جز قرار دیا ہے۔ ہن یہد کے معنی میں حالت سکون میں ہونا۔ اور اس لیے معنی یوں کرتا ہے۔ کہ خدا فاسق لوگوں کی طرف (اور دوسری جگہ فاسقوں کی طرف) حالت سکون میں نہیں ہوگا۔ الگ اس سے کہ عبارت بمعنی ہر جاتی ہے جس سے شاید ڈاکٹر منگنا کو کچھ غرض نہیں کیونکہ کوئی لفظ بمعنی ہر جاتی سہی خواہ وہ سیاق و سباق عبارت کے لحاظ سے کچھ معنی نہ دے۔ ڈاکٹر منگنا کے لیے یہی کافی ہے۔ ڈاکٹر منگنا پر بقول کسی حافظہ نباشد کی مثال صادق آتی ہے کیونکہ یہد میں تو ہمزہ آخر میں آتا ہے اور ہمزہ کے متعلق وہ تسلیم کر چکا ہے کہ اس طرح تحریر میں ہمزہ نہیں لکھی۔ پھر اب ایک اختلاف بنانے کیلئے ہمزہ بھی لکھ لیگی۔ لیکن جہد یوں بھی ان نہیں تو غالباً ڈاکٹر منگنا کے اہل زبان سمجھنے نے اسے اتنی مدد بھی نہ دی۔ کہ اسے یہ خیال رہتا کہ دو وزن ہمزہ دونوں میں قوم کی صفت الکھضرین اور الفاسقین پڑی ہوئی ہے۔ اور اگر صفت پر ال ہے تو موصوف ال سے خالی نہیں ہو سکتا پس القوم میں ابھد کا حصہ نہیں بن سکتا اور نہ ل حرف جہر بن سکتا ہے۔ بلکہ ال تعریفی جس طرح الفاسقین اور الکھضرین کے ساتھ ہے۔ اسی طرح موصوف القوم میں بھی ہمزہ ضروری ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ڈاکٹر منگنا نے کس قدر اپنے مسلمات کے خلاف۔ قواعد کے خلاف اختلاف بنانے کی کوشش کی ہے جس شخص کے دل کی حالت ایسی ہو۔ وہ الفاظ اور حروف کو ایک ایسے مختلط مسودہ میں درست کس طرح بڑھ سکتا ہے۔ اور اس کی شہادت کس طرح قابل اعتبار ہو سکتی ہے ؟

اس سے آگے جو اختلاف لکھا یا ہے وہ بھی محض ایک مغالطہ ہے بنی اسرائیل ۴۹ میں ڈاکٹر منگنا کہتا ہے۔ ۶ انا کی بجائے انا لکھا ہے مغالطہ کے لیے ڈاکٹر منگنا نا عانا کو انا لکھتا ہے کہیں؟ اسلئے کہ خود کہہ چکا ہے کہ ہمزہ اس طرح تحریر میں بالکل نہیں لکھی۔ اسلئے اگر وہ قرآن شریف کے لفظ کو درست طور پر لکھنا خواہی۔ تحریر ہی اسے اعتراض کا جواب ہر جاتی۔ پس اس نے محض دھوکا دینے کے لیے عانا کی بجائے انا لکھ دیا ہے۔ اور پھر اعتراض کر دیا ہے۔ جلا تعنت۔ اکی جگہ فلا تعنت (بنی اسرائیل ۱۲) ومن کی جگہ فمن (التوبہ ۲۳) معمولی اختلاف ہو کا تہ ہے۔ یا ڈاکٹر منگنا کے پڑھنے میں غلطی ہے مثلاً اول الذکر مثلاً لکھ لیلو۔ اصل الفاظ یوں ہیں۔ وقضی ربک ملا تعنت ملا ایہا۔ اب اگر ملا کی جگہ فلا پڑھیں تو عبارت درست نہیں رہتی۔ یہود ۳۱ میں املا کھد کی جگہ اربکھ کو اختلاف بتانا بھی اذہت کا نتیجہ ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ اربکھ لکھا جاتا ہے۔ کا تہ بنے حسب معمول اوپر کا الف نہیں لکھا۔ ڈاکٹر منگنا نے اسے اختلاف ٹھہرا کر اٹ پٹ منے کر دیئے۔ یہود ۳۲ جاد لتنا کی جگہ جادلت ممکن ہے محض آخری نا کے نحو ہر جاتی سے رہ گیا ہو۔ یا کا تہ کی غلطی ہو۔ المؤمن ۸۵ میں قل ربک یتقہم کی جگہ قل ربک یتقہم

بھی ایسی قبل سے ہے۔ المسحوق ۱۱ میں تقال کی جگہ قبیل اختلاف نہیں محض دوسری طرز تحریر ہے اگر
 یحاجد کی جگہ یحیدر اختلاف نہیں (التوبہ ۴۰)۔ ۱) تقال کی جگہ قبیل بھی اختلاف نہیں خصوصاً اسلئے
 کہ قرآن کریم میں بعض جگہ قال کی بجائے قل بھی لکھا ہے ممکن ہے لکھنے والے کو اسی سے غلطی ہوئی ہو لیکن
 ۵ میں اتنا کی جگہ انما صفت نفا کے دوسرے نقطہ کے ذون کے دندانہ کے ساتھ ملجانے سے نما کی شکل
 ہو گئی ہے۔ وردہ اصل عبارت میں فاعمل انما عملون تو ایک معنی رکھتا ہے۔ کہ تو عمل کریم بھی عمل
 کرنے والے ہیں۔ مگر فاعمل انما عملون کے کوئی معنی نہیں بنتے۔ وقال کی جگہ قال (العنکبوت ۲۳)
 لجعلکم لکجہ جعلکم (النحل ۹۵) وما کی جگہ ما (التوبہ ۵) واذ کی جگہ واذ (النحل ۹۴) یہ
 اول حرف اور آخری سطر میں آخری حرف کے پہلی محو ہو جانے کا یا محض سو کاتب کا نتیجہ ہے۔ انیم کی جگہ
 انہم (الذخاں ۲۲) طرز تحریر کا اختلاف ہے۔ کیونکہ انیم کو انیم بھی لکھا جاسکتا ہے۔ جیسے ابراہیم
 کو ابراہیم لکھا جاسکتا ہے۔ النحل ۱۱۲ میں عملت کی جگہ عملت یا اوبر کی تحریر کے غلط سے نچایا ہے
 یا صریح غلطی ہے۔ اور النحل ۳۰ میں بل کی جگہ بل بالکل معنی ہے۔ اسلئے یا تو کاتب کی زالی طرز تحریر کا
 نتیجہ ہے اور یا بی میں لام اور یا کا درمیانی دندانہ محو ہو گیا ہے۔ ایک انکار پر بی ان اللہ علیہم
 کنتم تعملون تو جواب ہو سکتا ہے لیکن بل ان اللہ علیہم ترکیب کے لحاظ سے بھی درست نہیں۔
 کیونکہ بل کے بعد ان نہیں چاہیے +

تقریب کے اختلاف

قسم اول کے اختلافات چار ہیں جن میں سے دو اختلاف ایک میں جوڑنے کے گئے ہیں۔ اور بڑی چالاک سے ایک
 اختلاف بنائے کیلئے دوسرا اختلاف خود جوڑ کر لیا گیا ہے۔ الحجۃ ثانیۃ میں انیسویں میں یوں ہے انہم من یعنوا
 عندک من اللہ شئاً اسکی بجائے ڈاکٹر منگانا جوڑ کر کے ہیں انہم من یعنوا عندک من اللہ حکما
 اس تحریر میں ڈاکٹر منگانا کا یہ عری ہے کہ شئاً کی بجائے واقعی حکما لکھا ہوئے ہوگا کیلئے اللہ کی بجائے اللہ لکھا ہوئے ہوگا
 ڈاکٹر منگانا کے مسودہ کو پڑھنے سے اس حال کا جواب نفی میں ملتا ہے کیونکہ اصل مسودہ میں یہ صاف اعتراف کر لیا
 یعنوا عندک من اللہ کا بعد کا لفظ پورا پورا نہیں جاتا۔ بلکہ اس کا صرف ایک حصہ لایا پڑھا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ کہ
 ڈاکٹر منگانا نے اپنے دماغ مؤثر سے جوڑ کر لیا ہے۔ حالانکہ جس قدر حصہ لفظ کا پڑھا جاتا ہے وہ صاف
 بتاتا ہے کہ یہ لفظ اللہ ہے صرف آخری ہ کا دندانہ اڑا ہوا ہے۔ یہ صریح نے ایمانی نہیں تو اور کیا ہے جب
 اصل عبارت میں اللہ کا لفظ موجود ہے۔ اور ایک مخلوط اور دھلے ہوئے مسودہ میں اللہ کا سبلا حصہ
 اللہ صاف پڑھا جاتا ہے۔ تو ایک منصف مزاج پڑھنے والا مجبور ہوگا کہ اسے اللہ ہی مانے۔ مگر جوڑ کر
 ایک سے رابطہ لفظ حکما کے کچھ معنی بناتے تھے۔ اسلئے صرف جوڑ کر کے یہ کہنا کہ اللہ کی بجائے اللہ
 ہے۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ اس تحریر سے بھی ڈاکٹر منگانا کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ انہم من یعنوا عندک
 من اللہ حکما جس کے معنی ڈاکٹر منگانا نے یہ کہے ہیں۔ کہ مسخر کرنے ہوئے وہ تبرے لئے ایک

کی جگہ نہیں پس گے خود ایک نئے معنی فقر ہے ممکن ہے پہاڑی تعلیم کی دہائیں گال کا تھڑا ڈاکٹر صاحب کو یاد آگیا ہو ورنہ عبارت اس صورت میں معنی ہے۔ بات صرف اس قدر ہے کہ شبیٹا کا لفظ کچھ لفظوں اور دناؤں کی سیابی پھیل جانے سے اور کچھ اوپر کی ترمیم سے لکڑا ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر منگنا نے خدا جی کے لئے کتب کی کتاب میں تلاش کر کے اس کو ایک با معنی لفظ بنایا یعنی حکم جس کے معنی تفسیر کے ہیں۔ مگر چونکہ انھوں نے لَن يَغْنُوا عَنْكَ مِنَ اللَّهِ هُكَا کے کچھ معنی شبنہ تھے۔ اسلئے کچھ تحریر سے مدد لی۔ اور اللہ کی بجائے اللہ لکھ دیا۔ یہ ہے ان لوگوں کی تحقیق کی حالت۔ حالانکہ اسی قسم کا مادہ جہاں شئی کا لفظ آخر میں آتا ہے قرآن کریم میں کئی جگہ موجود ہے +

تیسرا اختلاف قسم اول میں التوبہ کی آیت ۳۴ میں دکھایا گیا ہے یعنی یکہ وتعلم کی جگہ ومنهم ہے۔ وہاں بھی تحریر ہی ڈاکٹر صاحب کی معاد ہوئی۔ الفاظ قرآنی یوں ہیں وتعلم الکاذبین۔ ڈاکٹر منگنا نے اپنے مسودہ میں بتا رہا ہے کہ الکاذب تک تو پڑھا جاتا ہے۔ مگر آخری یں محو ہو چکے ہیں۔ اب تعلم کو منہ سے پٹانے میں ایک وقت پیش آتی تھی یعنی اگر الکاذب یں ہی پڑھا جائے تو ومنہم لکاذبین درست عبارت نہیں بنتی۔ اسلئے ڈاکٹر منگنا نے بھٹ بجائے الکاذبین کے الکاذبوں بنا دیا۔ پس ان کا کذب تو خود الکاذبوں کے بنانے سے ظاہر ہو گیا +

صرف ایک مثال الہی دیکھی ہے جہاں اتنی لفظ کی تبدیلی بتائی گئی ہے یعنی یہ کہ اَلْعَصَا اِذَا رَافَتْ يَدًا فَاصْبِرْ لَهَا وَابْتَصِرْ لِيَوْمِ تَنْفُخُ النُّفُوسِ میں بجائے وفی نسختها ہدی ورحمۃ کے وفی نسختها ہدی و سلم ہے یو اگر ڈاکٹر منگنا نے اس لفظ کو تعصب کی جڑی کھول کر پڑھا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ کاتب کی صریح غلطی ہے۔ کوئی قرأت ہدی و سلم کی ہمیں نہیں ملتی۔ اور قرآن کریم میں ہدی و نور یا ہدی و رحمة تو آیا ہے مگر ہدی و سلم کسی جگہ نہیں آیا +

اب تیسری قسم کے اختلافات کو لیتے ہیں یہ سب پہلے کہا جاتا ہے کہ النحل ۹۳ میں قرآن کریم میں ہے یَصْلُ مِنَ لِيْشَاءُ مگر ڈاکٹر منگنا کے نسخہ میں ہے یَصْلُ اللّٰهُ مِنَ لِيْشَاءُ۔ اگر سہاڑے پاس اور کوئی قرینہ نہ ہوتا تو بھی ہم کہتے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔ جب تک کہ اسکی تائید کرنے والا کوئی اور نہ ہو۔ مگر یہاں تو قرینہ بھی صاف ہے کیونکہ یہاں عبارت یوں ہے و لکن یصل من لیشاء و یصل من لیشاء پس اگر یصل کے بعد اللہ کا لفظ پڑھا میں تو دونوں فقروں کی مؤردیت باقی نہیں رہتی۔ بہر حال کسی کاتب کے ایک لفظ زائد لکھ دینے سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ اصل غلط ہے اور نقل درست۔ اور نہ آج تک کسی عدالت میں اس طرح پر اصل کو غلط تسلیم کیا گیا ہے غلطی نقل کی سمجھی جائیگی۔ اور اصل کی غلطی کے لئے کوئی اور واقعات تائیدی نہ ہوں چاہئیں۔ جن سے غلطی کا ثبوت ملے +

ایسا ہی التوبہ ۳۸ میں یا ایہا الذین امنوا مالکم اذا قیل لکم من ڈاکٹر منگنا کے

اختلافات
قسم سوئم

نسخہ کے کاتب نے الفاظ مالک مہمدا چھوڑ دیئے ہیں۔ اس پر ڈاکٹر منگنا نا اچھل پڑے کہ دیکھو ثابت ہو گیا کہ اصل قرآن میں الفاظ مالک مہمدا نہیں ہے۔ یہ ان لوگوں کی منطق اور بیانیہ کا استدلال ہے اس بات کا قطعی ثبوت خود اسی نسخہ سے ہمیں مل جاتا ہے۔ کیونکہ اسی سورت کی آیت ۳۳ میں ہوا الذی ارسل رسولہ میں لفظ ہوا کا تہ نہ چھوڑ دیا۔ اور پھر جیسا کہ ڈاکٹر منگنا نا کو اعتراف ہے۔ یہ لفظ حاشیہ پر لکھا گیا۔ حالانکہ اصل بات صرف اس قدر ہے کہ الذی ارسل رسولہ سے چونکہ سطر شروع ہوتی ہے۔ اس لیے جو لفظ ہوا ابتدا سے لکھا تھا وہ مجبوراً حاشیہ پر ہی جانا تھا اور ہے درحقیقت وہ ابتدائے سطر میں ہی ہونا چاہیے۔ اب یہ بات کہ مختلف ہاتھ کا ہے۔ اگر محض اسی تعصب کا نتیجہ نہیں جس کی ہم کئی مثالیں دیکھ چکے ہیں۔ تو یہی اس سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ غلطی دیکھ کر کسی نے درست کر دیا۔ خود کاتب نے درست نہ کیا کسی دوسرے نے کر دیا یا بحر حال معلوم ہو کر غلطی کو تسلیم کر لیا۔ پس اسی طرح اگر مالک مہمدا کے لفظ رکھتے تو کیا اندھیر آگیا۔ یہو کاتب کو اختلاف بتانا خود اس بات پر خدشہ ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت پر حملہ کرنے کیلئے کن کن ہتھیاروں سے ان لوگوں کو کام لینا پڑتا ہے ؟

ایک تیسرا لفظ اسی طرح رہا ہوا اسی سورت کی آیت ۳۶ میں ہے۔ جہاں بجائے وقاتلوا المشرکین کا فاعل لکھا بقاتلوا لشکر کے فاعل لکھ دیا ہے۔ وقاتلوا المشرکین لکھا بقاتلوا لشکر کا فاعل یہاں بھی کما کا لفظ چاہتا ہے کہ جس طرح ہر آخر میں کا فاعل آیا ہے۔ کما سے پہلے بھی کا فاعل ہو۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ یہ تینوں آیتیں جن میں یہ تین لفظ رہ گئے ہیں ایک ہی جگہ واقع ہیں یعنی سورہ توبہ کی آیت ۳۳ سے لیکر ۳۸ میں ہی ہیں۔ اور ان تینوں میں سے ایک غلطی کا درست کر دینا بھی ڈاکٹر منگنا نا کے اعتراف کا کافی جواب ہے ؟ اب اس پہلو کو ترک کر کے ہم دوسرے پہلو کو لیتے ہیں۔ کہ ان سودا گے قرآن کریم کی حفاظت پر کس قدر رشتہ نتائج پیدا ہوتے ہیں سوئے ان اختلافات کے جن کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہم دیکھتے ہیں کہ اسی نسخہ میں قرآن شریف سے کوئی اہم اختلاف نہیں پایا جاتا۔ تمام سورتوں میں آیات کی ترتیب وہی ہے جو مستند نسخہ قرآن کریم میں ہے کہیں کسی آیت کی کمی بیشی نہیں کسی لفظ کی کمی بیشی نہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سورتوں کی موجودہ ترتیب کی دستی پر بھی اس سے شہادت ملتی ہے۔ کیونکہ سورتیں اسی ترتیب سے لکھی گئی ہیں مثلاً ڈاکٹر منگنا نا کے مسودہ میں صفحہ ۹ پر سورہ المؤمن ختم ہو کر اسی صفحہ پر بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ساتھ سورۃ فصلت یا خمد السجدة شروع ہو جاتی ہے۔ اور یہی ترتیب قرآن کریم میں ہے۔ ایسا ہی صفحہ ۲ پر سورہ الدخان ختم ہو کر فوراً الجاثیہ شروع ہو جاتی ہے۔ اور یہی ترتیب پہلے قرآن کریم میں ہے۔ پس یہ ایک مزید شہادت اس بات پر ہے کہ اس کے قرآن کریم میں سورتوں کی ترتیب۔ اور ہر ایک سورت میں آجوں کی ترتیب میں۔ یا کسی کی بجائے کے لحاظ سے قطعاً کوئی اختلاف کمی نہیں پڑا ؟

۷۔ سبعة احرف اور اختلاف قرأت

اختلاف قرأت کے متعلق اعتراض کیا گیا ہے کہ اس سے دو طرح پر قرآن شریف کی حفاظت میں نقص کا شوبہ ملتا ہے۔ اول اس طرح پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض قرأتوں کی اجازت دی تھی۔ مگر ممکن کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ اس لئے ان کے ضائع ہونے سے گویا قرآن شریف کا ایک بڑا حصہ ضائع ہو گیا۔ کیونکہ یہ قرأتیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ وحی بنائی تھیں۔ اور دوسرے اس طرح پر کہ اب جو مختلف قرأتیں موجود ہیں ان کو سامنے رکھ کر ایک شخص کسی صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ کہ کون سی قرأتیں اصلی اور حقیقی طور پر کلام الہی ہیں۔ اور کہ موجودہ قرآن کرم میں کوئی ایک قرأت کو اختیار کر لیا ہے۔ یا بعض اعضاء ایک حرکت کا اس وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ کہ سبعة احرف نہ کورہ احادیث کے مراد قرأت متفرق لگیا کرتی ہیں۔ اور صرف اور قرأت کے منہ میں امتیاز نہیں کیا جاتا۔ اس لئے سب سے پہلے سبعة احرف کی تشریح صفائی بیان کے لئے ضروری ہے +

جاننا چاہئے کہ اجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ وحی ہی تھی وہ قرآن شریف کو سبعة احرف یعنی سات حروف پر پڑھنے کی اجازت تھی۔ اور احادیث صحیحہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ احرف یا احرف کا ہی فرمایا ہے۔ سب سے پہلے اس لفظ کے لغوی معنی غور کرنا ضروری ہے۔ حرف کے معنی عربی لغاتوں میں پڑتے گئے ہیں۔ زبان یا محاورہ یا طرز ادا جو بعض عربی قوم کے ساتھ مخصوص ہو۔ تبلیغ العروس میں مشہور حدیث کے اس فقرے کو کہ کنز اللقائن علی سبعة احرف بیان کر کے اس کے معنیوں کی تفسیر یوں کی گئی ہے کہ اعلیٰ سبع لغات من لغات العرب یعنی قرآن شریف نازل ہوا سات لغتوں پر عرب کی لغتوں سے۔ یا اس کے معنی میں جیسا کہ بعض دوسری لغت کی معتبر کتابوں میں دیئے گئے ہیں سات طرزوں پر جو الفاظ کے ادا کرنے سے پیدا ہوتی ہیں جیسا کہ یہ کہا جائے کہ فلان یقرأ بحرف ابن مسعود تو مراد ہوتی ہے کہ فلان شخص ابن مسعود کی طرز ادا پر پڑھتا ہے لفظ حرف کے ان معنیوں سے یہ ظاہر ہے کہ جن اختلافات حروف کا ذکر بعض حدیثوں میں ہے وہ اختلاف اس وجہ سے پیدا ہوئے تھے کہ عرب کی مختلف قومیں بعض وقت ایک ہی لفظ کو مختلف طور پر ادا کرتی تھیں۔ اور اس کی مثالیں ہر زبان میں موجود ہیں کہ ایک قوم ایک لفظ کو ایک طرح پر ادا کرتی ہے۔ اور اسی ملک کی دوسری قوم اس لفظ کو دوسری طرح پر ادا کرتی ہے +

اختلاف قرأت
مختلف قرأت
دو اعتراض

سبعة احرف
سے مراد

اختلاف حرف
والی احادیث

اب بہر حال تمام احادیث کو جن میں اختلاف حروف کا ذکر آیا ہے بیان کرنے میں تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ آیا واقعی طور پر احادیث کا بھی یہی منشا ہے۔ اس کے متعلق مندرجہ ذیل احادیث معتبر کتاب حدیث کے لگتی ہیں +

(۱) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اقرأ فی جبریل علی حرف فل جمعتہ فلما نزل استزید ویزید حتی اتتھی لی سبعة احرف (بخاری) ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل نے مجھے قرآن شریف ایک حرف کے مطابق پڑھایا۔ میں نے

میں سے مراجعت کی یعنی بار بار اس بات کو دہرایا کہ زیادہ حروف میں پڑھے پس وہ تھکا دیکر بڑھا گیا یا نہانے کے ساتھ پہنچ گیا یہی صریحاً اتنی الفاظ کے ساتھ سلم نے بیان کی ہے مگر اس میں اتنے الفاظ ابن شہاب کی روایت کے اور زیادہ ہیں۔ قال ابن شہاب بلغنی عنک السبعة الاحرف الضاحی فی الامور کون واحدا لا یختلف فی طلال ولا حرام یعنی ابن شہاب نے کہا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ یہ سات حروف ایسے امر میں ہیں جو ایک ہی ہے (یعنی مختلف حروف میں پڑھنے سے معنوں میں کوئی تغیر نہیں آتا) اور اس سے طلال اور حرام میں کوئی فرق نہیں آتا +

(۲) عن عبد بن الخطاب یقول سمعت هشام بن حکیم یقرأ سورۃ الفرقان فی حیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاستمعت لقراءتہ فاذا اھول لقرآن علی حروف کثیرۃ لم یقرئ ینہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت اساورک فی الصلوۃ فتصبرت حتی سلم فلبیت برداً لک فقلت من اقرأک هذه السورۃ التي سمعتک تقرأ قال اقرأ ینہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت کذبت فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد اقرأ ینہا علی غیر ما قرأت فانطلقت بہ اقودۃ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت انی سمعت هذا یقرئ بسورۃ الفرقان علی حروف لم تقرئ ینہا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارسلہ اقرأ یا هشام فقرأ علیہ القراءۃ التي سمعته یقرأ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا الذ انزلت قال اقرأ یا عبد فقرأت القراءۃ التي اقرأ فی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا الذ انزلت ان هذا الفرقان انزل علی سبعة احرف فاقرأ ما یتسہمہ (بخاری) قریباً انہی الفاظ میں یہ دایت صحیح مسلم میں بھی آئی ہے۔ ما حصل اس صریح شریف کا یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں میں نے ہشام بن حکیم کو سورۃ فرقان پڑھتے سنا۔ جب میں اس کے پڑھنے کو غور سے سُننے لگا تو میں نے معلوم کیا کہ وہ بہت ایسے حروف پڑھتا ہے جن پر رسول اللہ صلعم نے مجھ کو نہیں پڑھایا۔ قریب تھا کہ میں نماز میں ہی اس پر حملہ کرتا۔ مگر میں نے اپنے آپ کو روک دیا۔ یہاں تک کہ ہشام نے سلام پھیرا۔ پھر میں نے اُن کی چادر اُن کے گلے میں ڈال لی اور کہا کہ یہ سورۃ جو میں نے تمہیں پڑھتے سنا ہے کس نے تم کو پڑھائی۔ انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو پڑھائی۔ میں نے کہا تم مجھ کو کتنے ہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اُن کے غیر یہ پڑھایا جن پر تم پڑھتے ہو پھر میں ان کو اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر چلا گیا اور عرض کی کہ میں نے ان کو یعنی ہشام کو ایسے حروف پر سورۃ فرقان پڑھتے سنا ہے۔ جن پر آپ نے مجھ کو نہیں پڑھایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں چھوڑ دو اور فرمایا ہشام تم پڑھو۔ انہوں نے وہی قرأت پڑھی جو میں نے انہیں پڑھتے سنا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح یہ نازل ہوئی۔ پھر فرمایا۔ اے عمر تم پڑھو۔ میں نے اسی طرح پڑھا جس طرح آپ نے مجھ کو پڑھایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح یہ

نازل ہوئی ہے۔ یہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ پس جو تم پر آسان ہو پڑھو +

(۳) عن ابن مسعود قال سمعت رجلاً یقرأ وسمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فخلا تھا فحسنت بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرناہ فعرفت فی وجہہ الکراہیۃ فقال کلا کما محسن فلا تختلفوا فان من کان قبلكم اختلفوا فھلکوا (بخاری) ابن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو قرآن شریف پڑھتے سنا اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور طرح پڑھتے سنا تھا میں میں دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا۔ اور آپ کو اس بات کی خبر دی میں نے دیکھا کہ آپ کے چہرہ پر ناراضگی کے آثار ہیں آپ نے فرمایا تم دونوں ٹھیک پڑھتے ہو یہ پس اختلاف مت کرو۔ کیونکہ جو تم سے پہلے گزے ہیں انہوں نے اختلاف کیا۔ تو ہلاک ہو گئے +

(۴) عن ابی بن کعب قال کنت فی المسجد فدخل رجل لیصل فقرأ قرأۃ انکرتھا علیہ ثم دخل اخر فقرأ قرأۃ سوی قرأۃ صاحبہ فلما قضینا الصلوۃ دخلنا جمیعاً علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلنا ان ھذا قرأۃ انکرتھا علیہ ودخل اخر فقرأ سوی قرأۃ صاحبہ فامر ھما النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقرأوا الحسن شائھا فسقط فی نفسی من التکذیب کما اذ کنت فی الجاہلیۃ فلما رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما قد غشی فی ضرب فی صدی فقصت عرفاً وکنا انما انظر الی اللہ فرقاً فقال لی یا ابی اسئل الی ان اقرأ القرآن علی حرف فردت الیہ ان ھو علی امتی فرء الی الثانیۃ اخرہ علی حرفین فردت الیہ ان ھو علی امتی فرء الی الثالثۃ اقلۃ علی سبعۃ احرف (اسلم) ابی کعب کہتے ہیں کہ میں مسجد میں تھا تو ایک آدمی آیا اور نماز پڑھنے لگا اور اس نے قرآن پڑھی جس پر میں نے اعتراض کیا پھر ایک اور آدمی آیا اور اس نے پہلے سے بھی اختلاف کے ساتھ قرأت پڑھی۔ جب ہم نماز سے فارغ ہو چکے تو ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میں نے عرض کیا کہ اس شخص نے ایک قرأت پڑھی جس کے متفق میں نے اس پر اعتراض کیا۔ پھر دوسرا شخص آیا تو اس نے اس سے بھی مختلف قرأت پڑھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو حکم دیا اور انہوں نے پڑھ کر مٹایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی قرأت کو پسند فرمایا۔ اس پر میرے دل میں ایک ایسا تکذیب کا خلیل بیکار کیا کہ اگر کجاہلیت میں بھی ایسا خیال نہ گزرا تھا۔ جب رسول اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ کسا دوسرے میرے دل میں گزرا ہے تو آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور مرا سینہ چلنے لگا۔ گویا بے خوف کے میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا ابی مجھے یہی حکم دیا گیا تھا کہ ایک ہی حرف پر قرآن کو پڑھوں پھر میں نے اس بات کو ٹوٹا یا۔ اور عرض کیا کہ میری امت پر آسانی کی جائے۔ پھر دوبارہ مجھے یفرمایا گیا کہ دو حرفوں پر پڑھو میں نے پھر اس بات کو ٹوٹا یا اور عرض کیا کہ میری امت پر آسانی کی جائے۔ پھر تیسری مرتبہ مجھے اجازت دیجی کہ سات حرفوں پر پڑھ لو +

(۵) عن ابی بن کعب قال لقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبیر بن نفیل فقال یا جبیر نفیل انی لبعث الی امۃ امیین منهم المحجورون المشیمون الکبیر الغلام والحارۃ والرجل الذی لم یقر کما آتھا قال یا محمد ان القرآن انزل علی سبعۃ احراف (ترمذی) ابی بن کعب روایت ہے افرار یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبیر بن نفیل سے ملے اور فرمایا کہ جبیر بن نفیل توگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں جن میں ابوہریرہ محدث ہیں اور پڑھے مرد اور لڑکے اور لونڈیاں اور ایسے آدمی ہیں جنہوں نے کبھی کتاب نہیں پڑھی۔ جبیر بن نفیل نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن سات حرفوں پر اتارا گیا ہے +

(۶) عن ابی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان عند اصابۃ بنی غفار فاما لا جبیر بن نفیل فقال انزل اللہ یمروک ان تقرئی امتک القرآن علی حروف الحدیث (مسلم) مسلم کی اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سات حروف پر پڑھنے کی اجازت ملی تو آپ اصابۃ بنی غفار کے پاس تھے۔ باقی حدیث کا وہی مطلب جو پہلے بیان ہوا +

(۷) عن جابر قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن نقرا القرآن وفینا الامراء والبعی فقال اقرؤا فکل حسن وسیحی اقوام یقیمونہ کما یقام القدیم یتعجلونہ ولا یناحلونہ (ابوداؤد) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر آنے لکے اور ہم قرآن پڑھ رہے تھے اور سہارے درمیان عراقی اور عجمی لوگ تھے آئے فرمایا پڑھتے جاؤ سبھی ٹھیک پڑھ رہے ہیں اس کے بعد اسی وقت میں اُس کی جو قرآن کو بڑی صفائی سے پڑھ چکی ایسی صفائی سے جیسا کہ تیر سیدھا کیا جاتا ہے مگر وہ اس کا اجر اسی زندگی میں تلاش کر بیگی اور عاقبت کی پروا نہیں کر بیگی +

یہ چند احادیث ہیں جو قرأت مختلف کے متعلق آئی ہیں۔ ایک بات جس پر ان ساتوں حدیثوں سے متفقہ شہاد ملتی ہے یہ ہے کہ جو کچھ اختلاف تھے وہ قرآن کریم کی عبارت کے اختلاف نہ تھے بلکہ بعض الفاظ کو مختلف طور پر پڑھنے یا ادا کرنے کے اختلاف تھے اس بات کو صاف کرنے کیلئے ان چند امور کو جو ان احادیث سے پیدا ہوتے ہیں ایک ایک کر کے زیر بحث لانا ضروری ہے۔ پہلے جو اہم سوال پیدا ہوتا ہے اور جس سے قطعی شہادت ان اختلافات کی تحقیق سے متعلق ملتی ہے وہ وقت کا سوال ہے یعنی اس امر کی تحقیق کرنا کہ سات حروف میں قرآن شریف کو پڑھنے کی احادیث کس وقت دی گئی۔ پس ان احادیث کو آگے رکھ کر کہنے پر دیکھنا ہے کہ آیا سات حروف میں قرآن شریف کا نزول ابتداء سے ہی تھا۔ یا کسی خاص وقت کسی خاص ضرورت کے لحاظ سے اجازت حروف مختلف میں ادا کرنے کی بعد میں دی گئی۔ کیونکہ اگر جب قرآن شریف کا شروع ہوا۔ اسی وقت سات حروف میں اس کا نزول تھا۔ تو اس میں ایک محضر کو اس اعتراض کی گنجائش نکل سکتی ہے کہ وہی سات حروف ہمیشہ کے لئے چلے آئے جائیں گے اور اگر وہ ساتوں حروف ہم تک نہیں پہنچے تو اس سے یہ نتیجہ نکلیگا کہ کچھ قرآن شریف کا حصہ ضائع ہو گیا لیکن اگر سات حروف کا نزول بعد میں ہوا اور ابتداء قرآن شریف کا نزول ایک ہی حرف میں تھا تو ایسا اعتراض کسی صورت

سات حروف
قرآن پڑھنے
کی اجازت
کس ہوتی

میں ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سات حروف میں نزول کسی خاص ضرورت کی وجہ سے ہوا اور ان سات حروف کو اصل قرآن شریف سے جیسا کہ وہ ابتداء سے نازل ہو رہا تھا کچھ تعلق نہیں بلکہ بعض ضرورتوں کی وجہ سے ایک وقت کے لئے بعض لوگوں کو ایسی اجازت دیجی +

استدلال اول ناسخ اجازت حروف کے متعلق چھٹی حدیث سے پیدا ہوتا ہے جس میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احادیث نبویہ کے قریب ہے جب آپ کو سات حروف پر قرآن شریف کے پڑھنے کی اجازت دیجی۔ اصناف نبی وغیرہ ایک مشہور مقام مدینہ میں ہے۔ پس زمانہ کے متعلق اس قدر تو ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ مختلف حروف کی اجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد ہوئی اس طرح سے کہ میں جس قدر قرآن شریف آنحضرت پر نازل ہوا وہ ایک ہی حرف پر نازل ہوا اور یہ ایسا قطعی اور یقینی نتیجہ ہے کہ کوئی دلیل اسے ٹوڑ نہیں سکتی مگر یہ امر کہ مدینہ میں کس وقت یا اجازت ملی اسکی اس حدیث کچھ تعین نہیں ہو سکتی لیکن ایک اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دراصل یہ اجازت اس وقت دیجی جب فتح مکہ کے بعد کثرت عرب لوگ اسلام میں داخل ہوئے شروع ہوئے اھ مختلف قومیں کو قرآن کریم کے سکھانے کی ضرورت پیش آئی جس سے اس اجازت کا زمانہ ہجرت نبوی کا تو اس سال قرار پاتا ہے۔ یہ حدیث وہ ہے جس کو بخاری اور مسلم دونوں نے قریباً یکساں لفظوں میں بیان کیا ہے اور جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام بن حکیم کے اختلاف کا ذکر ہے حضرت عمرؓ نے ہشام کو قرآن شریف کی ایک ٹکڑ پر پڑھنے سے روکا اور آپ اس کے پڑھنے سے بہت حیران ہوئے کیونکہ اسمیں ایسی قرائتیں جو ہمیشہ سے حضرت عمرؓ پڑھتے اور سنتے چلے آئے تھے بعض اختلاف تھے جس لعوب حضرت عمرؓ نے حضرت ہشامؓ کی اس قرائت کو سنا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ پہلا ہی موقع تھا جو حضرت عمرؓ کو قرائت میں ایسے اختلاف کے گھسنے کا موقع ہوا۔ اب تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ہشام فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے۔ پس ان کا سورۃ فرقان صبیحی لمبی سورۃ پڑھنا اس سے بھی کچھ عرصہ بعد کا واقعہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ مسلمان ہونے ہی وہ ایک آدھ دن میں اتنی اتنی لمبی سورتیں یاد نہ کر سکتے تھے۔ کہ نماز میں انہیں پڑھنا شروع کر دیں۔ پس اس قدر تو یقینی اور قطعی طور ثابت ہو گیا کہ یہ افحوس کا حدیث میں ذکر ہے فتح مکہ کے بعد کا ہے۔ اور اس کا زمانہ نو سال ہجرت پہلے کا نہیں ہو سکتا اب دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ممکن نہیں کہ سات حروف میں پڑھنے کی اجازت برسوں پہلے ہو چکی ہو مثلاً آنحضرتؐ کی مدنی زندگی کے ابتدا میں ہی ہو چکی ہو؟ یہ بات ظاہر ہے کہ جب ایسی اجازت ملی ہو اسی وقت اس پر عمل بھی شروع ہو گیا ہو۔ اور اگر مثلاً اجازت بعد اٹھائی مدنی زندگی میں ہی مل گئی ہو اور اس پر عمل نو سال بعد تک نہ ہوا تو اس میں اور اس صورت میں کہ اجازت ہی نو سال ہجری میں ملی ہو کچھ فرق نہیں۔ پس اب تحقیق طلب یہ ہے کہ آیا ممکن ہے کہ قرآن شریف سات حروف پر نوا جہانی زندگی مدنی سے ہی پڑھا جاتا ہو اور حضرت عمرؓ ہی انہم عندہ کو اس کی خبر ہوئی ہو؟ اگر حضرت عمرؓ کے کہنا ہے کہ تو میں اس سے ایک شخص ہونے اور ایک آدھ دن خواہ حضرت کے پاس تشریف لا کر پھر اپنے گھر میں چلے گئے ہونے تو یہ ممکن تھا کہ اجازت سات حروف کی مدت میں چلی ہو اور ان کو

الطالع نہ ہوئی ہو۔ مگر حضرت عمرؓ رات کو حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے والے تھے۔ اور اگر کبھی اپنے کاموں بار بھی کرتے تھے اور غیر حاضری کا اتفاق ہو جاتا تو آپؐ کے یہ انتظام کیا جاتا تھا۔ کہ ایک اپنے مہمان کو اس وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجتے جو آپ کو تازہ وحی اور نئے امور سے اطلاع دیتے پس ایسے شخص کے متعلق یہی صورت میں خیال نہیں کیا جاسکتا۔ کہ اگر سات حروف میں پڑھنے کی اجازت ملگئی ہو اور اس پر عمل بھی شروع ہو گیا ہو تو وہ ہوسوں یا مہینوں اس سے بچ رہے ہوں۔ ان تمام واقعات پر غور کر کے ہم اس فقہی اور فطنی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ سات حروف میں پڑھنے کی اجازت نو سال ہجرت کے قریب ہوئی جب عرب کی مختلف قومیں کثرت کے ساتھ اسلام میں داخل ہوئی شروع ہوئیں اور اس سے پہلے یہ اجازت نہ تھی یا اگر اجازت تھی تو اس پر قطعاً عمل نہیں ہوا۔ یعنی فی الواقع قرآن شریف کا مختلف حروف پڑھا جانا فتح مکہ سے پہلے ثابت نہیں ہے۔ اور جس قدر حدیثیں اس کے متعلق آئی ہیں ان سے اشارہ کیا اور کیا جاتا بھی یہ عدم نہیں ہوتا کہ فتح مکہ سے پہلے قرآن شریف سات حروف پڑھا گیا ہو۔ چنانچہ جن لوگوں نے سبقت احرف پر بحث کی ہے خواہ وہ کسی نتیجہ پر پہنچے ہوں مگر اس امر کے وہ قائل ہیں کہ یہ اجازت اس وقت ملی جب عرب کثرت کے ساتھ اسلام میں داخل ہوئے ملے اور یہ فتح مکہ سے بعد کا زمانہ ہے +

اکیس سال تک
قرآن شریف
ایک ہی حرف پر
لکھا اور پڑھا
جاتا تھا

اس ساری بحث سے ایک اہم نتیجہ پیدا ہوتا ہے جس سے سبقت احرف کی تحقیق پر ایسی روشنی پڑتی ہے کہ کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ تیرہ سال مکہ میں اور آٹھ سال سے زیادہ مدینہ منورہ میں یعنی اکیس سال تک قرآن شریف ایک ہی حرف پر نازل ہوا اور ایک ہی طرح پڑھا جاتا رہا اور ایک ہی طرح لکھا جاتا رہا۔ نہ کوئی اختلاف تھا اور نہ قرآن شریف کی کسی عبارت میں مختلف حروف کا وجود تھا۔ یہی اصل قرآن شریف ہے جسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ساری عمر پڑھتے رہے پڑھانے لے رہے یہی وہ قرآن شریف ہے جسے حضرت ابوبکرؓ نے تحریر میں جمع کرایا یہی وہ قرآن شریف ہے جس کی نقلیں حضرت عثمانؓ نے اطراف میں بھیجیں اور یہی وہ قرآن شریف ہے جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اور وہ ایک ہی قرآن شریف ہے جو ساری اسلامی دنیا میں شائع ہو رہا ہے۔ اس میں بھی نہ کوئی اختلاف قراءت ہے اور نہ اختلاف حروف ہے۔ بالفاظ دیگر اس کی عبارت وہی عبارت ہے جو اکیس سال تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں پڑھی جاتی تھی۔ پس جو قراءتیں چھوڑی گئیں وہ اصل میں قرآن شریف کا جزو تھیں بلکہ ایک خاص وقت اور ایک خاص ضرورت کے لئے ان کی اجازت دی گئی تھی۔ اس کے متعلق میں اور شہادتیں بھی پیش کروں گا۔ مگر جہاں تک زمانہ اجازت کے سوال سے کوئی نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اس سے صاف اس امر کی تائید ملتی ہے۔ کہ اکیس سال تک مختلف حروف اور قراءتوں کا سوال ہی نہ تھیں اٹھا۔ ایک ہی حرف پر قرآن شریف نازل ہوتا تھا اور ایک ہی قراءت تھی۔ یہی یاد رکھنا چاہیے کہ اس اکیس سال کے زمانہ میں قرآن شریف کا بہت بڑا حصہ نازل ہو چکا تھا۔ بلکہ لوگ کتنا چاہتے کہ قرآن شریف نازل ہو چکا تھا۔ پس ایک ایسے

وقت میں جبکہ مختلف اقوام کثرت کے ساتھ دین اسلام میں داخل ہوئی شروع ہوئیں مختلف حروف میں قرآن شروع پڑھنے کی اجازت دینا صاف بتا رہا ہے کہ یہ اجازت صرف اپنی قوموں کی وجہ سے تھی۔ اور اس سے اصل عبارات قرآنی میں کوئی تغیر تبدیل نہیں کیا اس سے بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ اختلافات حروف و عبارتوں یا جملوں کے اختلاف نہ تھے بلکہ ایسے اختلاف تھے جو ایک ہی لفظ کے بولنے میں مختلف قوموں کے درمیان پیدا ہونے لازمی ہیں۔ یہ قومیں زبان تو عربی ہی بولتی تھیں مگر جیسا کہ ہر ایک زبان کا قاعدہ ہے خصوصاً جہاں علم کا عام رواج نہ ہو اور لوگ بڑے بچے ہوتے ہوں مخصوصے تھوڑے فاصلہ پر اصل محاورہ سے کچھ فرق پڑ جاتا ہے۔ ایسا ہی ان قوموں کے محاورہ میں یعنی بعض الفاظ کو ادا کرنے کے طریق میں تھوڑا بھٹکا فرق تھا۔ ایسے اختلافات کی بعض مثالیں یہاں بھی بیان ہو چکی ہیں مثلاً لفظ حق جو اصل لفظ ہے اور محاورہ قریش کے مطابق ہے اسے تقیف اور بیل عقی پڑھتے تھے ایسے ہی اور بعض اختلافات کی مثالیں دی گئی ہیں (دیکھو فتح الباری) مثلاً اسدی تعلمون ت کے کسر کے ساتھ پڑھتے تھے بعض قومیں ماء غیر اسن کی جگہ ماء غیر یاسن پڑھتی تھیں اور ایسا ہی بعض قومیں ایسے الفاظ میں ہر ہر پڑھتی تھیں جہاں دوسری پڑھتی تھیں۔ یہاں ایسے فرق ہیں جو ہر جگہ پر اور ہر زبان میں اختلاف محاورہ سے پیدا ہو جاتے ہیں اس کی تائید میں بعض اور مشاہدے تین بھی ہیں۔ جیسا کہ فتح الباری میں یہ مذکور ہے۔ ونقل ابو شامہ عن بعض السخیوخ انه قال انزل القرآن اوکلا بلسان قریش ومن جاوہرهم من العرب القصباء لشراہم للعرب ان یقرأوا بلغا فھم التي حرت عاد فھم باستعمالھا علی اختلاف فھم فی الالفاظ والاعراب ولم یکلف احد منهم الانتقال من لغتھ الی لغتھ اخری للمشتقہ ولما کان فیہم من الحمیۃ ولطلب تسھیل فھم المراد کل ذلك مع الاتفاق المعنی یعنی ابوشامہ نے ایک بزرگ سے یہ نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ اول نزول قرآن کریم کا زبان قریش میں اور ان فصیح عربوں کی زبان میں تھا جو ان کی ہمسائیگی میں رہتے تھے پھر دوسری عرب قوموں کے لئے یہ اجازت دیجی کہ اسے اپنی لغات یعنی محاورہ میں جس کے استعمال کے وہ شروع سے عادی تھے پڑھ لیا کریں۔ بوجہ ان کے اختلاف کے الفاظ میں او اعراب اور ان میں سے کسی کو اس بات پر مجبور نہ کیا گیا کہ وہ اپنے محاورہ کو چھوڑ کر دوسرے کا محاورہ اختیار کرے۔ اسلئے کہ ایسا کرنا ان کے لئے بہت دشوار تھا۔ اور ان میں اپنے اپنے محاوروں کے لئے تحمیت بھی تھی۔ اور اس سے معنی کے سمجھنے میں بھی ان کے لئے آسانی تھی۔ اور یہ سب کچھ اتفاق معنی کے ساتھ تھا یعنی یہ اختلاف محاورہ ان کے ایسے تھے جن سے معنی میں کچھ بھی فرق نہ پڑتا ہو۔ یہ نقل بھی ہمارے اس نتیجہ کی مؤید ہے جو زمانہ اجازت قرآن حروف مختلفہ سے پیدا ہوتا ہے +

اگر ان احادیث پر جو اوپر سببۃ احرف کے متعلق نقل کی گئی ہیں غور سے نظر کیجئے تو ان سے بھی اس بات کا پتہ لگتا ہے کہ اس اجازت کے دینے کی غرض کیا تھی۔ ایک حدیث میں حضرت صلوات اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہوں علی امتی۔ میری امت پر آسانی کر جبرائیل سے صاف پتہ لگتا ہے کہ آپ محسوس کرتے تھے کہ بعض لوگوں کو

لوگ اختلاف
ضرورت ادا
میں تھا

اجازت کی
غرض مشر
سہولت دینا
تھا

توقیف کے محاورہ میں سارے الفاظ ادا کرنے میں مشکلات پیش آتی ہیں ان کے لیے آسانی کی درخواست کی کہ وہ اپنے محاورہ میں ہی ان الفاظ کو ادا کر لیں۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اپنے فرمایا ان اعمی صلا تطیق ذلک یعنی میرے لوگ اس بات کی برداشت نہیں کر سکتے کہ وہ سب ایک ہی حرف میں قرآن شریف کو پڑھ سکیں۔ ایک تیسری حدیث میں ہے کہ اپنے فرمایا ان لوگوں میں بعض بڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں اور بچے اور ناخاندانہ لوگ ہیں۔ غرض یہ سبھی کہ لوگ ایسے اپنے محاورہ کے عادی بن گئے ہیں کہ دوسرے محاورہ میں الفاظ ادا نہیں کر سکتے جس طرح ایک لفظ بولنے کی عادت ہو گئی ہے۔ اس طرح پر اسے بول سکتے ہیں۔ اگر وہ تعلیم یافتہ سمجھتے تو قریش کی نصیح اور علمی زبان میں ہر ایک لفظ کو آسانی سے ادا کر سکتے۔ مگر چونکہ اعمی لوگ تھے ایسا نہ کر سکتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو تکلیف میں نہ ڈالا۔ بلکہ یہ جازت دی کہ جس طرح وہ کسی لفظ کو بولنے کے عادی بن گئے ہیں۔ اسی طرح پڑھ لیا کریں۔ اور بخاری کی حدیث کے آخری الفاظ میں فاخرہ ا ماتیہ منہ یعنی جس طرح پر تمہارے لیے آسانی ہو اسی طرح پڑھ لیا کرو۔ اس سے بھی دہی توجہ نکلتا ہے پھر ایک یا پچیس حدیث میں ہے کہ اعرابی اور عجمی سب لوگ قرآن پڑھ رہے تھے اور آپ نے فرمایا سب ہی خوب پڑھ رہے ہیں۔ اور ایک ایسی قوم کی نعت کی جو لفظوں کو تو بہت سنوا سنوا کر ادا کر دیتے مگر معنوں تک نہیں پہنچیں گے +

ایک اور بات جس سے بہت احقر کی بحث پر روشنی پڑتی ہے یہ ہے کہ جو لوگ ابتدائے اسلام میں مشرف اسلام ہوئے تھے ان میں اس قسم کے اختلافات کا کچھ تذکرہ نہیں پایا جاتا حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم میں کوئی اختلاف قرأت نہیں دکھایا جاسکتا۔ مسلمانوں میں سے سابقین کے اندر ایسے اختلافات کا نہ پایا جاتا جیسا وہی صاف طور پر یہی بتا رہا ہے کہ جازت مختلف حروف میں پڑھنے کی خاص اغراض کیلئے تھی۔ اور اس سے اصل عبارت قرآنی میں کوئی تغیر تبدیل نہیں ہوا۔ قرآن کریم کا نزول لسان قریش میں ہوا کیونکہ انہی کی زبان علمی اور براہ فصاحت و بلاغت سمجھی جاتی تھی۔ دوسری قوموں کے محاورے محض اس اصل زبان کا کسی کسی لفظ میں بگاڑ تھا۔ مگر ان لوگوں کے لیے جو ایسے الفاظ کو اپنی قوم کے محاورہ کے مطابق ادا کرنے کے عادی ہو گئے تھے۔ ان الفاظ کو زبان قریش کے محاورہ میں ادا کرنا بہت مشکل تھا اور چونکہ ہر ایک مسلمان کے لیے کچھ نہ کچھ حصہ قرآن کریم کا جانا ضروری تھا خواہ وہ غنہ ہو یا ناخاندانہ اور خواہ بوڑھا ہو یا بچہ۔ کیونکہ نماز ہر ایک مسلمان پر فرض تھی اور نماز میں قرآن شریف لازمی طور پر پڑھا جاتا تھا۔ اسلئے ان لوگوں کو جو یکایک اپنے محاوروں میں اس قسم کا تغیر پیدا کرنے کے نا قابل تھے کہ ہر ایک لفظ کو صحیح طور سے قریش کے محاورہ پر ادا کر سکیں یہ اجازت دیجیئی جس کی بناء وہی الکی رہی کہ وہ بعض الفاظ کو اسی طور پر ادا کر لیں جس طرح اپنے محاورہ میں کرتے تھے +

یہ سوال کہ مختلف محاورات یا لغتیں محاورہ قریش سے آ رہی ہیں کس قدر مختلف تھیں ان کا یہ بحث کرنے کی جتنی ضرورت باقی نہیں رہی۔ لیکن جیسا کہ کئی مثالیں دے کر پہلے بھی بیان کیا گیا ہے یہ اختلافات

نہایت خفیف تھے۔ تاہم شہادت جہاں تک میسر آسکتی ہے وہ بھی اس نتیجہ کی توثیق ہے لیکن ساتھ ہی اس کے ہم اس سے بھی انکار نہیں کرتے کہ جیسا کہ ایسے محاورات میں بعض اوقات ہو جاتا ہے بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں۔ کہ ان کا قائم مقام دوسرے محاورہ میں کوئی اور لفظ ہوتا ہے۔ اسلئے جب قرآن کریم کو دوسرے حروف پر یعنی دوسرے محاوروں کے مطابق پڑھنے کی اجازت دیجی ہوگی۔ تو اس طرح سے کسی لفظ کو دوسرے محاورہ میں ایسے کہتی نظر سے ادا کرنے کی اجازت بھی دیدی ہوگی۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ مختلف حروف سے مراد ایک معنی کو مختلف الفاظ سے ادا کرنا ہے اگرچہ یہ انہوں نے محض قیاس سے لکھا ہے اور حضرت عمرؓ اور شہادہ الی حدیث سے دھوکہ کھایا ہے لیکن ممکن ہے کہ ایسی کوئی مثال بھی ان کے ذہن میں ہو۔ کہ ایک محاورہ میں ایک لفظ کو دوسرے محاورہ میں اس کے ہم معنی لفظ سے جہاں پہلا لفظ اس دوسرے محاورہ میں موجود نہ ہو ادا کرنے کی اجازت دیجی او اس سے انہوں نے ایک عام قاعدہ بنا لیا علاوہ ان مثالوں کے جو اوپر بیان ہوئیں اور ظاہر کر رہی ہیں۔ کہ اختلاف احرف عموماً نہایت خفیف اختلاف تھے جو بعض الفاظ کو خاص طرز پر ادا کرنے کی وجہ سے یا اعراب میں کسی قدر فرق کی وجہ سے پیدا ہوتے تھے خود قیاس بھی اس بات کو ثابت ہے کہ یہ اختلاف ایسے ہی معمولی اختلاف تھے جیسے ایک ہی ملک کے بسنے والے اور ایک ہی زبان کے بولنے والے لوگوں میں بعض وقت پائے جاتے ہیں۔ آخر ان سب قوموں کی زبان عربی ہی تھی۔ اور اسی زبان میں وہ شریعتیں تھے جن میں باہم اکدوسرے کا مقابلہ کرتے تھے۔ اور باہمی ان کا میل جول بھی بہت ہوتا تھا اور میل لگا کرتے تھے جہاں وہ سب اکٹھے ہو کرتے تھے۔ یہ سب باتیں اس نتیجہ کی توثیق ہیں کہ اختلاف احرف نہایت خفیف قسم کے اختلافات تھے +

اعترض اس پر یہ کیا گیا ہے کہ اگر واقعی یہ اختلاف ایسے ہی خفیف ہوتے تو صحابہؓ ان اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ اس قدر سختی کہیں کرتے جیسا کہ مثلاً حضرت عمرؓ کے متعلق حدیث میں مذکور ہے کہ انہوں نے اوّل تو نماز میں ہی ہشام کو روکنا چاہا اور پھر قرآن کی گردن میں چادر ڈال کر ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لے گئے اور جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نہیں دیا تب تک انہیں چھوڑا انہیں اس واقعہ سے نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ عمرؓ اور ہشام کی قرأت میں کوئی بہت بھاری اختلاف ہو گا جس سے معنوں میں بھی تغیر آتا ہو گا جو حضرت عمرؓ نے ہشام کے ساتھ اس قدر سختی کا برتاؤ کیا جیسے کسی بڑے مجرم کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ بلکہ بعض نادان یا مجنون شخص تو یہاں تک کہنے کیلئے تیار ہو گئے ہیں کہ ہشام کی قرأت حضرت عمرؓ کی قرأت سے اس قدر اختلاف رکھتی تھی کہ دونوں گویا الگ الگ عبارتیں تھیں۔ اگر حقیقت ایسا ہوتا تو حضرت عمرؓ کو یہ کیونکر کہنے لگے کہ حضرت ہشامؓ مکررہ وقآن پڑھ رہے ہیں جیسا کہ انہوں نے ان کی قرأت کو سننے ہی پہچان لیا۔ رہی یہ بات کہ اس قدر اختلاف تھا جس سے معنوں میں بھی اختلاف ہوا ہو گا ورنہ حضرت عمرؓ سختی نہ کرتے۔ قیاس میں بھی غلط ہے کہ یہ کوئی احادیث میں صریح طور پر یہ الفاظ موجود ہیں کہ یہ اختلاف قرأت ایسا نہ تھا جس سے معنوں میں بھی کچھ اختلاف ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم قرآن شریف کے ایک ایک لفظ اور حرف اور حرکت کے لئے ایسے محتاط تھے کہ اونے سے اونے فرق کو سمجھیں وہ

برداشت نہ کر سکتے تھے انہوں نے ایک لہو کے لیے بھی کبھی خیال نہیں کیا کہ قرآن شریف کے معنی کچھ لینے ہی کافی ہیں بلکہ اس کے الفاظ اور حروف و حرکات کو منجانب اللہ سمجھ کر اور خدا کا کلام یقین کر کے محافظت کرتے تھے پس وہ اس قدر انے اختلاف کو بھی جو اختلاف حروف سے پیدا ہوا برداشت نہ کر سکے جب تک کہ اس حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے سن نہیں لیا کہ یہ اجازت محض ایک ضرورت کے لیے دہی گئی ہے انہوں نے صبر نہ کیا جب تک کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ سمجھا نہیں دیا کہ ان قوموں کیلئے جو الگ محاورہ بولتی ہیں بعض الفاظ کا قریش کے محاورہ پر ادا کرنا سخت مشکل ہے۔ اسلئے خود اللہ تعالیٰ نے یہ اجازت دی ہے کہ وہ دوسرے حروف یعنی محاوروں میں بعض الفاظ کو پڑھ لیں بغرض کہ حضرت عمرؓ کی نادمی کی وجہ صرف یہ بھی کہ اس وقت تک ان کو علم نہیں تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض دوسرے حروف پر قرآن شریف کو پڑھنے کی اجازت بھی دی ہے۔ اسلئے وہ کسی حضورؐ سے بغیر و تبدیل کو بھی برداشت نہ کر سکتے تھے *

حضرت عمرؓ اور
ہشام کا اختلاف

ایک اور اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ اور ہشام دونوں ایک ہی قبیلہ کے تھے پس اگر اختلاف حروف محض اختلاف محاورہ سے ہی پیدا ہوئے تو حضرت عمرؓ اور ہشام کی قرأت میں کچھ فرق نہیں ہونا چاہیے تھا حالانکہ حدیث ثابت ہے کہ ان میں اختلاف ہوا اس سے پہلے بعض علمائے یہ دلیل پکڑی ہے کہ اختلاف حروف سے مراد ایک ہی معنی کا مختلف الفاظ سے ادا کرنا تھا اور بعض مترجمین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اختلاف حروف قرآن شریف کی عبارتوں کا اختلاف تھا۔ مگر محض عمرؓ اور ہشام کے یہ قبیلہ تھے اور پھر اختلاف قرأت کے پہلے سے ایسے نتائج نکالنا بڑی بھاری غلطی ہے۔ اول تو اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ جب بذریعہ وحی سات حروف پر قرآن شریف کو پڑھنے کی اجازت ہو گئی تو یہ اجازت خاص خاص اقوام سے مخصوص نہ رہ سکتی تھی۔ قرآن کریم ایک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تمام صحابیوں کو نہ سکھانے تھے بلکہ بعض صحابی بھی بعض کو سکھاتے تھے اور اس طرح ایک قوم کی خصوصیات دوسری قوم میں جا سکتی تھیں۔ دہم یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اگر ایک قوم ایک لفظ کو ایک خاص طرز پر جو دوسری قوم میں رائج ہے ادا نہ کر سکے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ دوسری قوم بھی پہلی قوم کی طرز پر اس لفظ کو ادا نہیں کر سکتی۔ یہ بات مثال سے آسانی کے ساتھ سمجھ میں آ جاو گی۔ ذہیل اور نقیض حتیٰ کی جگہ عقی پڑھتے تھے۔ حتیٰ قریش کے محاورہ میں تھا اور اس کی بجائے ان کے محاورہ میں عقی تھا۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ قریش عقی نہ بول سکتے تھے۔ اگرچہ علم طور پر وہ حتیٰ ہی بولتے تھے اور یہی اصل لفظ تھا۔ مگر وہ اگرچہ عقی تو عقی ہی پڑھ سکتے تھے۔ چنانچہ ایک حدیث ثابت ہے کہ ابن مسعودؓ حتیٰ جن کی بجائے محبوب محاورہ ذہیل نقیض عقی جن پڑھتے تھے اور حضرت عمرؓ نے ان کو منع بھی کیا تھا کہ ذہیل کی لغت میں قرآن شریف کو کوئی لغت نہ پڑھاؤ۔ اصل بات یہ تھی کہ قریش دوسری اقوام کے محاورات کے مطابق الفاظ کو ادا کرنے کے عادی ہو گئے تھے کیونکہ مکہ معظمہ میں جو ان کا صد مقام تھا مختلف قوموں کے لوگ ہر سال موسم حج میں آدھریں وغیرہ پر جمع ہوا کرتے تھے اور قریش کو چونکہ ہر ایک قوم اور قبیلہ سے لین دین اور تجارت کا واسطہ پڑتا تھا۔ اور علاوہ ازیں علیٰ غرض

اور مقابلہ بھی باہمی ہوتے رہتے تھے۔ اسلئے قریش کو ہر ایک قوم کے محاورہ سے واقفیت پیدا کرنی لازمی ہو گئی تھی۔ اب ہشام جب مسلمان ہوئے تو یہ وقت تھا جب فتح مکہ کے بعد فوج و فرج عرب کی قومیں اسلام میں داخل ہو رہی تھیں۔ اہل غالباً حضرت ہشام نے سورۃ فرقان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے وقت مشاہد کیا کہ کسی قوم کو پڑھا ہے تھے۔ اور اسی طرح برائوں نے یاد کر لیا اور چونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت تھی کہ فاتحہ ماہیتہ جتنی یعنی جس طرح آسمان جو اسی طرح پڑھ لو اسلئے حضرت ہشام نے قریش کے محاورہ کے مطابق اسے ادا کرنے کی کوشش کی۔ اور نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس طرح پڑھنے سے منع فرمایا جس طرح وہ پڑھ رہے تھے۔ ان واقعات سے ناظرین آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ کس ہشام اور حضرت عمرؓ میں باوجودیکہ دونوں ایک ہی قبیلہ کے تھے اختلاف ہوا۔ حضرت عمرؓ اس زمانہ میں قرآن شریف کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھ چکے تھے جب ایک ہی حرف قرآن شریف پڑھا جاتا تھا۔ اور ہشام نے ایسے وقت دیکھا جب دوسری قوم کے اسلام میں کثرت کے ساتھ داخل ہونے سے ان کو ان کے اپنے محاورہ کے مطابق ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف پڑھانے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ پس یہی وجہ اختلاف کی تھی +

مشہورست
کما مراد ہے

سان حروف میں پڑھنے سے یہ سمجھنا چاہیے کہ قرآن شریف کا ہر ایک لفظ سات طرز پڑھا جاتا تھا۔ بلکہ مطلب قرآن شریف کے سات حروف را جا را جائے کا صوف یہ ہے کہ جن محادرات میں پڑھے جانے کی اجازت تھی وہ سات تھے یا ان کو کہ ایک لفظ کے مختلف قرائتیں جو اختلاف محاورہ سے پیدا ہوتی تھیں وہ سات لغتوں میں سے ایک میں ہوتی تھیں۔ یہ اختلافات تعداد میں بھی کچھ زیادہ معلوم نہیں ہوتے۔ کیونکہ حدیث میں جس قدر اختلافات کا ذکر کیا گیا ہے وہ تعداد بہت تھوڑی ہے۔ اگر اختلاف بہت ہوتے تو احادیث میں ضرور ان کا ذکر زیادہ ہوتا۔ یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ امت سی قرائتیں بعض مفسرین اس وقت بھی بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ قرائتیں اور سبغات ایک چیز نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ سبغات حرف الی قرائتیں بہت تھوڑی اسلئے ہم تک پہنچی ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ان کا قرآن شریف میں لکھنا بند کر دیا تھا۔ تو بھی غلط ہے کیونکہ جو چیزیں احادیث میں محفوظ ہو کر آئی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی لکھی ہوئی نہ تھی۔ اور ہزار ہا اختلافات نیز محض تحریر میں کبھی لکھے کے احادیث میں پوری طرح سے محفوظ رہے۔ یا اختلافات کے کم ہونے کی وجہ ان قوموں کا باہمی میل جول تھا۔ جو اکثر میلوں مجلسوں میں عروں اور تجارت وغیرہ کے ذریعہ ہوتا رہا تھا۔ اور انہی تعلقات کا یہ نتیجہ تھا کہ ان کے اختلافات نہ بڑھنے پاتے تھے سات لغات جن میں قرآن شریف کے بعض الفاظ کو ادا کرنے کی اجازت دی گئی تھی وہ تھیں جو عرب میں فصیح ترین تھیں۔ مگر بعض کا خیال یہ ہے کہ سات کے انحصار تعداد مقصود نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ علاوہ محاورہ قریش کے جس میں قرآن شریف کا نزول ہوا تھا کچھ اور محاورات بھی ایسے تھے جن میں بعض الفاظ قرآنی کو ادا کرنے کی اجازت دی گئی تھی +

جس قدر بحث اور پہنچی ہے اس سے لیکے اے مصائب ان کے دل کو تسکین دینے والی شہادت اس امر کی ملتی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جُز و
نزل اولیٰ کے
مطابق ہند
پڑھتے تھے
ایک ہی حرف پر
کھڑے رہتے تھے

کہ وہ اختلافات قراءت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں سب سے پہلے ہوئے تھے وہ قرآن کریم کا جُز و
تھے۔ یہی اصل عبارتوں میں داخل تھے بلکہ جو ضرورت ان کی اجازت کے لیے پیدا ہوئی تھی وہ ایک معنائی
ضرورت تھی اور بھی بھی عارضی۔ خیر یا گل کا گل قرآن شریف اصل جاز کے پہلے نازل ہو چکا تھا جس قدر زیادہ
غور ان قراءتوں پر ہم کرتے ہیں اسی قدر زیادہ اطمینان اس نتیجہ کے متعلق حاصل ہوتا ہے کہ سات حروف میں
بڑھنے کی اجازت محض بعض قوس کی آسانی کے لیے تھی۔ اور اس سے اصل قرآن کریم میں کسی قسم کا تغیر و
تبدیل نہیں آیا بلکہ قرآن شریف وہی تھا اور بھیڑی رہا ہے جو ابتداء سے نازل ہوا تھا۔ یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم خود جب نماز جماعت میں قرآن شریف پڑھتے تھے تو آپ بھی ان حروف میں نہ پڑھتے تھے چنانچہ میں
بعض دوسرے لوگ پڑھ لیتے تھے بلکہ آپ ہمیشہ قرآن شریف کو اسی طرح نمازوں میں پڑھتے رہے جس طرح یہ اصل میں
نازل ہو چکا تھا۔ اس نتیجہ کو ان واقعات سے بھی تائید ملتی ہے کہ حضرت اُمّی اور ابن مسعود اور حضرت عمر رضی اللہ
عنہم جیسے صحابیوں نے جب کسی دوسرے حرف پر قرآن شریف کو پڑھتے سنا تو وہ بہت متعجب ہوئے اور گھبرائے
کیونکہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ان دوسرے حروف میں سے کسی پر قرآن شریف پڑھتے تو ان
جلیل القدر صحابہ کو جو اکثر پانچویں نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑھتے تھے خود اطلاع مل جاتی
اور پھر دوسرے لوگوں کو پڑھتے شکر انہیں کعب نہ آتا۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل سے کما زدن
میں آپ قرآن شریف کو اسی طرح پڑھتے رہے جس طرح وہ کلام پاک ابتدا میں نازل ہو چکا تھا یہ ثبوت ملتا ہے کہ
دوسرے حروف کی غرض محض ایک خاص غرض تھی اور اس سے اصل عبارت قرآنی میں نہ کوئی کمی بھی ہوئی اور نہ
کوئی تغیر تبدیل ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ایک ادھمنا ت بھی اسی کی توثیق ہمیں ملتی ہے۔ اور وہ
یہ ہے کہ آپ قرآن شریف کو جب لکھواتے تھے تو تب بھی اسی نزول کے مطابق لکھاتے تھے جو قرآن کریم کا پہلا اور
اصلی نزول تھا۔ اور جو حصص قرآن کریم کے سب سے آخر کی اجازت کے بعد بھی نازل ہوئے تھے تو وہ بھی آپ نے اسان
قریش کے مطابق ہی لکھائے کیونکہ اصل نزول قرآن شریف کا اسی زبان میں تھا یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر
اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے جب حضرت زید رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن کریم کے کام پر مامور کیا تو ان کو یہ ارشاد فرمایا
کہ اصلی تحریریں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی ہیں انہیں اکٹھا کر لیں۔ کیونکہ وہ مطمئن تھے
کہ ان تحریروں میں قرآن شریف کسی دوسرے حرف کے مطابق نہیں لکھا گیا بلکہ جس طرح قرآن کریم کو محفوظ
رکھنے کا منشاء وہی الہی کا تھا اسی طرح پر لکھا گیا ہے۔ اور دوسرے حروف کو آپ نے تحریروں میں کوئی دخل
نہیں دیا کیونکہ اسے تو ایسا ممکن تھا کہ باوجود قریشی ہونے کے آپ میں سے کسی نے کوئی دوسرا حرف کسی شخص پر اختیار
کر لیا ہو جیسا کہ ابن مسعود کے حالی سے معلوم ہوتا ہے مگر تحریر میں یہ بات ممکن نہ تھی۔ پس ایک طرف تحریریں
قرآن شریف کو اسی طرح محفوظ رکھنا جو اس کا پہلا نزول تھا اور دوسری طرف خود نمازوں میں اسی قرأت کو پڑھنا
جو پہلے نزول کے مطابق تھی اپنی اسان قریش میں یہ دو اور دنیا سے زبردست شہادتیں اس بات پر ہیں کہ مختلف حروف

قرآن شریف
با وجود اختلاف
حروف کے ایک
تھا اور ایک
رہا۔

کی اجازت دینے سے آپ کا منشاء کبھی تھا اور نہ ہی اسی کا منشاء تھا کہ وہ دوسری قرائتیں بھی ہمیشہ پہلے جزو قرآن
بسمی جاویں۔ بلکہ وہ ایک خاص ضرورت تھی اور اصل الفاظ قرآنی ہی تھے جنہیں شروع سے یہ پاک کلام نازل ہوا تھا
اس قدر کہ بعد ازاں ہم اعتراض ال پر غور کرتے ہیں جس کا ذکر شروع مضمون میں کیا گیا تھا کہ حضرت علیؓ نے اللہ عزوجل
نے جن مختلف حروف یا قرائتوں کی اجازت دی ان کی حقیقت ہم کھول کر بیان کر چکے ہیں۔ اور یہ بھی لکھا چکے ہیں کہ
صرف ایک وقتی ضرورت کیلئے تھی اور آنحضرتؐ نے کبھی حکم نہیں دیا کہ انکو تحریر میں لایا جائے نہ ہی بھی خود جماعت کرتے
وقت ان قرائتوں کو اختیار کیا جاتا تھا کہ آپ وہ نازل ہوئی تھیں بلا وہ ازین و خود کہ قرآن کو سات حروف میں بڑھنے کی اجازت
وہی آئی تھی اور ان سب قرائتوں کو نازل شدہ ہی بیان کیا گیا ہے مگر پھر بھی قرآن شریف کے متعلق عام طور پر یہی کہا جاتا
تھا کہ قرآن کریم لسان قریش میں نازل ہوا ہے یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے ابن مسعودؓ کو لکھا تھا کہ قرآن شریف کو کونٹ ہذیل میں سے
پڑھاؤ کیونکہ نزل قرآن شریف کا لسان قریش میں ہے۔ اب غرض بات اسطرح کہتے تھے کہ سات حروف قرآن شریف کا
نزل تو ہے کہ نہ خود انہی کو حضرت ہشامؓ کے ساتھ اختلاف کا واقعہ بھی پیش آیا تھا پھر باوجود اسکے لکھا کہ قرآن شریف
لسان قریش میں نازل ہوا ہے مگر کونٹ ہذیل میں سے پڑھاؤ کیا مگر کھٹے، ہر ایک عقلمند سوچ سکتا ہے کہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے
کہ ایسے ایسے حلیل القدر صحابہؓ خوب سمجھتے تھے کہ وہ جو حروف میں نزول سے کیا مراد ہے اور کہ وہ ایک خاص وقت
اور خاص ضرورت کے لحاظ سے ہے۔ اور اس سے اصل نزول قرآنی میں کچھ فرق نہیں آیا۔ اسی طرح پر جب حضرت
عثمانؓ نے قرآن کریم کے نسخے بغرض اشاعت و بلا و متفرق لکھولے شروع کیے تو آپؓ نے بھی کاتبوں کو یہی
براہیت دی کہ جب کسی لفظ کی طرز تحریر میں اختلاف ہو (کیونکہ کاتب پر کئی شخص مامور تھے) تو اسے لسان قریش
میں لکھ لے۔ کیونکہ قرآن شریف لسان قریش میں نازل ہوا ہے۔ اصل بات یہ بھی کہ حضرت زیدؓ مدینہ کے
رہنے والے تھے اور انہی طرز تحریر ممکن تھا کہ کہیں قریش سے اختلاف رکھتی ہو جیسا کہ ان نسخوں کے لکھنے وقت
بھی تا ثبوت کی طرز تحریر اختلاف ہوا اور آخر اسی طرز پر یہ لفظ لکھا گیا جس طرح قریش لکھتے تھے اور فیصلہ
کرتے وقت پھر حضرت عثمانؓ نے یہی فرمایا کہ قرآن شریف لسان قریش میں نازل ہوا ہے۔ اور تمام صحابی اس
میان کے ساتھ متفق تھے کیا یہ گمان ہو سکتا ہے کہ ان تمام صحابہؓ کو یہ بت نہ تھا کہ قرآن شریف کا نزول
بعض دیگر حروف پر بھی ہوا ہے، ہرگز نہیں۔ اصل بات یہ بھی کہ جس طرح آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو
جانتے تھے کہ دیگر حروف میں قرآن شریف کے کسی لفظ کے پڑھے جانے سے کیا مطلب ہے اور اسکی کیا ضرورت
ہے۔ اور اسی لئے آپؐ نے عام نمازوں میں کسی دوسرے حرف کی قرات کو اختیار کیا نہ تحریر میں اس کو نہ آیا۔ اسی طرح
بچا بعضی اللہ عنہم جمعین بھی ان اختلافات حروف کی حقیقت کو خوب سمجھتے تھے۔ قرآن شریف جس طرح و کج
حروف کی اجازت سے پہلے ایک ہی تھا۔ اسی طرح اس اجازت کے بعد بھی ایک ہی رہا اور اس میں کوئی فرق کوئی
تغیر تبدیل نہیں ہوا۔ ایک لمحے کے لئے بھی کسی صحابی نے خیال نہیں کیا کہ دیگر حروف میں قرآن شریف کے نزول
سے نزول اول میں جو لسان قریش میں تھا کچھ ایذا دی ہو گئی ہے یا کچھ تغیر تبدیل ہو گیا ہے۔ یہی ہی قرآن شریف

کچھ بجائے ہاتھوں میں ہے جو کچھ حروف کی اجازت پہلے تعلم صحابہ پڑھتے اور لکھتے تھے اور جو کچھ حروف کی اجازت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازوں میں پڑھا اور لکھوایا۔ اسی قرآن شریف کو حضرت ابوبکرؓ نے جمع کرایا اور کوئی قرأت دوسرے حروف کی اس میں اس وقت بھی خارج نہیں کی گئی نہ ہی کسی صحابی نے اس وقت یہ اعتراض کیا پھر اسی سے حضرت عثمانؓ نے نقلیں کرائیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اگر حضرت ابوبکرؓ کے صحف میں دوسرے حروف کی کوئی قرأت نہ تھی تو حضرت عثمانؓ نے یہ حکم کیوں دیا کہ جب جاعت قریش اور مدینہ میں ثابت کسی بات میں اختلاف کرے تو اسے لسان قریش میں لکھیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں طرز تحریر کا ذکر ہے نہ قرأت کا جو کہ اول لکھنے والے زید رضی اللہ عنہ تھے اور وہ مدنی تھے قریش نہ تھے۔ اس لیے اب جو قرآن شریف لکھا گیا کسی اشاعت تمام بلاد میں ہوئی تھی تو اس میں یہ احتیاط بھی کر لی گئی کہ طرز تحریر قرآن کریم کا بھی بالکل قریشی طرز پر ہو۔ چنانچہ ایک ہی اختلاف جو اس وقت مدینہ میں ثابت اور قریش میں ہوا وہ جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے لفظ تابوت کی طرز تحریر کے متعلق تھا۔ لفظ تابوت اس صورت میں واقع ہوتا ہے جو مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اور یہ وقت محتاج حضرت زید کا تب الوحی کا کام کرتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اسے اپنی طرز پر لکھ لیا۔ کئی سورتوں میں کسی ایسے اختلاف طرز تحریر کا ذکر ہمیں کیونکہ وہاں لکھنے والے سب ہی لوگ تھے جو قریش میں سے تھے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زیدؓ نے تمام اصل تحریریں اکٹھی کی تھیں۔ اس قدر اور بھی بدعاہ میلان کر دینا ضروری ہے کہ یہ اختلاف جو لفظ تابوت کی طرز تحریر کے متعلق پیدا ہوا صرف اس قدر تھا کہ یہ لفظ لمبی ت کے ساتھ لکھا جائے یا گولہ کے ساتھ۔ اس سے قرأت کا اختلاف ہرگز ثابت نہیں ہوتا +

اب ہم قطعی اور یقینی شہادت کی بنا پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان ٹکڑوں کو حلالہ کا حکم دینے سے جو بے احتیاطی سے کسی کالی نے کسی دوسرے حروف پر لکھ لیے ہوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوئی حصہ قرآن شریف کا نہیں جلا یا یا ضائع کیا۔ اگر انہوں نے اختلاف حروف کو قطعی طور پر نیست نابود بھی کر دیا تو بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے قرآن شریف کے ایک حصہ کو ضائع کر دیا کیونکہ یہ حروف قرآن شریف کا جزو کبھی نہیں تھے۔ اور اس لیے کسی ایسے لفظ کے موزن نہ ہونے سے جو قرآن شریف کا جزو کبھی نہ تھا نتیجہ نکالنا کہ قرآن شریف کا ایک حصہ ہو گیا یا تاویل القرآن کے معنوں میں حشر کی طرح یہ بڑا ہلکا قرآن شریف کا ایک بہت بڑا حصہ سا قط ہو گیا اور جو کچھ رہ گیا وہ انکی یاد کا ہے بے درجہ کمادانی اور جانت ہے حضرت عثمانؓ نے کونسی ٹی کارروائی کی؟ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جو کچھ کہا وہ خدا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ نے بھی کیا تھا۔ اگر کچھ حروف کی قرأتیں قرآن شریف کا جزو تھیں تو آنحضرت نے خود بھی کہیں دیا کہ جس طرح کا تب اصل نزول قرآن کریم کو لکھتے ہیں اسی طرح دیگر حروف کی قرأتوں کو لکھیں، کیونکہ نمازوں میں جاعت کرتے وقت کبھی کسی حروف کی قرأت اور کبھی کسی کی قرأت نہ پڑھی؟ پھر حضرت ابوبکرؓ نے جب تحریر کی جب قرآن کا حکم دیا تو کیوں انہوں نے یا کسی صحابی نے یہ تجویز پیش نہ کی کہ ساتوں حروف پر الگ الگ قرآن شریف جمع ہوئے چابیس یا ساتوں حروف کی قرأتیں ایک ہی جگہ میں داخل کیا ہوں؟ کیوں اصل تحریر میں جمع کرنے کا

عشر
حضرت ابوبکر
کا روای مطابق
منشی ابی کریم
اور اختلاف قرأت
کے لئے تھی

حکم دیا گیا، جس سے یہ فرض تھی کہ مجموعہ مصحف میں کسی دیگر حروف کی قرأت داخل نہ ہو جائے پھر حضرت عمرؓ کو دیکھا جاتا ہے تو وہ بھی ابن مسعودؓ کو سمجھتے ہیں کہ ہر ذیل کی نسبت قرآن شریف لوگوں کو مت پڑھائیے۔ کیونکہ قرآن شریف انسان قریش میں نازل ہوا ہے پس اس کی نفس قدم پر حضرت عثمانؓ پہلے اور انہوں نے بھی حروف مختلفہ کی قرأت کو قرآن شریف میں داخل نہ ہونے دیا۔ ہاں ساتھ یہ بھی اہتمام کیا کہ جو ایسے نسخے لوگوں نے خود لکھ لیے تھے جن میں بعض دیگر حروف کی قراتیں لکھ لی تھیں یا کوئی اور غلطی ہو گئی تھی کیونکہ کافی احتیاط نہ کی تھی ان تمام نسخوں کو جلا دیا گیا اور اس طرح کرنے میں بھی انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے منشاء کو گوارا کیا۔

جو واقعات اس وقت پیش آئے اور جن کی وجہ سے حضرت عثمانؓ نے یہ کارروائی کی وہ تفصیلاً دوسری جگہ بیان ہو چکے ہیں اسلام اس زمانہ میں عرب کا باہر دور دراز ملکوں میں پھیل چکا تھا۔ اور بلاد متفرقہ کے لوگ کثرت کے اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور وہ رہے تھے۔ ان لوگوں کو قرآن کریم سکھانا عرب کی اقوام کو ایسے اسلام میں قرآن کریم سکھانا ایسے ایک الگ رنگ رکھتا تھا۔ عرب کے لوگوں کی ذہنی اور بی عربی تھی اور ان کے لیے قرآن کریم سکھانا ایک آسان امر تھا مگر اس آسانی کے ساتھ ابتدا میں ایک مشکل بھی ملی ہوئی تھی۔ اور وہ یہ کہ بعض ان اقوام کے لیے الگ الگ تھے اور وہ لوگ کہیں سے بعض الفاظ کو خام طرح پڑھنے کے عادی ہو چکے تھے اور یہاں تک کہ اپنے لہجہ اور لہجہ زاد میں تبدیلی کرنا ان کے لیے سخت مشکل تھا۔ مگر عجیبی لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے ان کیلئے ذوق عربی الی آسانی تھی اور عربی الی ایسی مشکل تھی۔ ان کے لیے قرآن کریم کے پڑھنے کے لیے عربی زبان کا سیکھنا بھی ضروری تھا۔ مگر اس طرح پر سیکھنے میں ان کیلئے یہ ربر تھا کہ لسان قریش پڑھنا سیکھیں یا کسی دوسرے حرف پر۔ بعض صحابیوں نے بعض الفاظ کو کسی دوسرے حرف پر ادا کر لیے تھے انہی دوسرے حروف پر ان عجیبوں کو بھی قرآن شریف سکھانے لگے۔ اور چونکہ عجیبی لوگ اس بات کو نواہت سے کرنا انحرافات کی اصل وجہ کیا ہے اور کس ضرورت کے لیے یہ اجازت دی گئی تھی ان کے دو بیان ان قرائن پر اخلاص ہوئے لگے یہاں تک کہ یہ اختلاف بہت بڑھے اور بعض بعض کی تکفیر اسی وجہ پر کرنے لگے۔ یہ وہ حالت تھی جسے دیکھ کر حضرت عثمانؓ نے گھبرائے اور حضرت عثمانؓ نے پاس کر کے لکھا کہ انحرافات کی کیا حالت ہو گئی ہے اور اس کے کیا بہتر علاج پیدا کرنے کے شروع ہوئے ہیں حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا اور یہی صلاح قرار پائی کہ جس نسخے ایسے خود لوگوں نے لکھے لیے ہیں جن میں بعض حروف کی قرات بھی داخل ہو گئی ہے۔ ان کی اشاعت بند کر دیا جائے۔ تاکہ ان اختلافات کا سرے سے ہی قطع ہو جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خود بھی بیٹھنا ایسی نہ تھا کہ دوسرے حروف کی قراتیں ہمیشہ مروج رہیں۔ وہ ایک خاص ضرورت تھی جو اس وقت دفع بھی ہو چکی تھی کیونکہ ان قوموں کے اسلام پر قریب چودہ پندرہ سال گزر چکے تھے۔ اور وہ بھی اس قابل تھے کہ لسان قریش کے مطابق جس میں قرآن کریم کا اصل نازل تھا کلام الہی کو پڑھ سکیں۔ اور یہی نسل تو شروع سے جس طرح عادی کیا ہے وہ سمجھتی تھی۔ سو وہ تھا پیش آمدہ پر خود کے حضرت عثمانؓ رضی اللہ عنہ نے یہ حکم دیا کہ قرآن شریف کے نسخے بڑی احتیاط کے ساتھ اہل صحابہؓ کی نگرانی میں لکھو گے جائیں اور سوائے صحف الی کے کہ جس سے نقلیں کرنا ہی گئی تھیں باقی تمام نسخے جلا دیئے جائیں۔ پس دوسرے نسخوں کے جلانے سے اصل فرض محفوظ رہا۔

کی قرآن کریم کی حفاظت تھی تاکہ وہ غلطیاں جن کا اے احتیاطی سے لکھے ہوئے نسخوں میں آہ یا جانا ممکن تھا اور ایسا ہی بعض دوسری قرائتیں جو کسی جگہ نے غلطی سے قرآن کریم کے اندر داخل کر دی ہیں قرآن کریم میں مل نہ جائیں۔ پس حضرت عثمان کا فعل حفاظت قرآن کریم کا ممد تھا جس تک زیادت کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر حرف کی قراتوں کو قرآن کریم کے اندر داخل کرنے اور لکھنے کا حکم دیا تھا اس وقت تک حضرت عثمان کے فعل پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

ایک ہی قرآن پر
سب کا اتفاق

اب ہم دوسرے اعتراض کو لیتے ہیں۔ اسل اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض قرائتیں جو مفسرین اپنی تفسیروں میں لکھتے ہیں ان کی موجودگی میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اصل الفاظ قرآن کریم کے کون سے ہیں اور دوسری قرائتیں کونسی غنیل اس کے کہ ان قراتوں کی اصلیت پر بحث کیا جائے ایک مفسر کن امر ایسا موجود ہے کہ جس نے غلطی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ قرآن شریف جو بین المذنبین موجود ہے وہی کتاب باطل ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے درمیان چھوڑی۔ اور وہ یہ ہے کہ اتنی وسیع اسلامی دنیا میں اس قدر عمدہ کے درمیان ہر ایک قسم کے اختلاف کے باوجود یہی ایک ہی قرآن کریم موجود رہا ہے اور موجود ہے اور کوئی نسخہ قرآن شریف کا ایسا نہیں دکھایا جاسکتا جو اس کے ساتھ کسی حرکت یا حرفت یا لفظ کا اختلاف رکھتا ہو۔ اور نہ ہی حر عمر قراتوں میں سے کوئی قرات بجائے اصل الفاظ کے کسی بھی قرآن شریف میں لکھی گئی ہے۔ ایک بھی نسخہ قرآن شریف کا ایسا دکھایا نہیں جاسکتا جس میں اس قرآن کریم کے جوہلے ہاتھوں میں ہے کسی لفظ کو چھوڑ کر کوئی دوسری قرات اس کی بجائے لکھ دی گئی ہو۔ کیا یہ اس بات کی کافی شہادت نہیں ہے کہ قرآن شریف محفوظ اور بلا تغیر تبدیل چلا آیا ہے؟ غور کرو کہ تیرہ سو سال کا عرصہ ایک کتاب پر گزرتا ہے اور اس کے بعض نسخے تو مشرق میں پائے جاتے ہیں اور بعض مغرب میں ایسے ایسے ممالک میں جن میں باہمی تعلق کوئی نہیں ہے پھر ایسی ایسی مسلمان اقوام کے اندر اس کے نسخے پائے جاتے ہیں جن کو پچھلے سترے ایک عرصہ بعد گزر گیا ہے پھر ان کے درمیان کسی قسم کے تعلقات نہیں ہے۔ اور پھر ایسے ایسے مسلمان فرقوں کے ہاتھوں میں اس کے نسخے موجود ہیں جو ایک دوسرے کی جان کے دشمن ہیں اور جن مگر باوجود اختلاف زمانہ و اختلاف ممالک اختلاف زبان اور اختلاف فرقہ کے قرآن شریف ایک ہی رہا ہے خارجی شیعہ کی جان کا دشمن اور شیعہ خارجی کی جان کا دشمن۔ باتیں تو ایک شخص کا اختیار ہے جتنی چاہے بولے مگر کیا کوئی نسخہ قرآن کا بھی کسی ہاتھ میں ایسا ہی جو اس قرآن کریم سے جوہلے ہاتھوں میں ہے اختلاف رکھتا ہو؟ اب غور کرو کہ اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ دوسری قراتوں کے متعلق جو کچھ کہا جاتا ہے وہ اس سے زیادہ نہیں کہ کوئی بڑا آدمی قرآن شریف کے بعض الفاظ کو دوسری طرح بھی پڑھ لیا کرتا تھا۔ ان روایتوں کو مجمع فرض کر کے بھی نتیجہ نہیں نکلتا کہ یہ قراتیں واقع میں کلام الہی تھیں یا قرآن شریف کا جزو تھیں نہیں بلکہ اس سے مفصل نتیجہ بھی نہیں نکلتا۔ کہ جو لوگ ان قراتوں کو پڑھتے تھے وہ درحقیقت انہیں قرآن کریم کا جزو سمجھتے تھے یا کہ جس لفظ کی بجائے وہ کوئی دوسری قرات اختیار کرتے تھے۔ اس لفظ کلام الہی کا جزو نہ مانتے تھے اور اس کی

بجائے اپنی قرأت کو قرآن شریف کے اصل لفظ ماننے تھے۔ یہ میں اس لئے کہتا ہوں کہ اگر حقیقت وہ اپنی قرأتوں کو ایسا سمجھتے تو پھر کون شخص بالغ تھا کہ وہ اپنے نسخہ جات قرآن میں اپنی قرأتوں کو لکھ بھی لیتے تو جو وہ لفظ اصل نسخوں میں موجود تھے۔ ان کو نکال ڈالتے اور اس طرح ہر سیکڑوں متفرق نسخے قرآن شریف کے تیار ہو جاتے جن کی اشاعت ہو کر آج اگر ایک اسلامی شہر میں ایک نسخہ ملت تو دوسرے میں کوئی اور ہی نسخہ ملتا ہو جو بالکل ایسے نسخوں کا وجود دنیا میں نہیں پایا جاتا معلوم ہوا کہ ایسا اختلافی نسخہ کبھی کوئی موجود ہی نہ تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان کو اسلامی حکومت کا ڈر تھا۔ اس لئے وہ ان قرأتوں کو لکھ نہ سکتے تھے اور نہ کسی لفظ میں تفسیر و تبدل کر سکتے تھے تو یہ جو بات ہے بہت بڑی ہے۔ کہ جب کہ وہ کھلے طور سے دوسری قرأتوں کو پڑھ لیتے تھے اور اس وقت حکومت کا ڈر نہ تھا تو کھتے وقت کہاں سے ڈرا ہوگا۔ بلکہ پڑھنے سے تو زیادہ مشہور ہوتی تھی۔ اور نسخہ میں لکھا نہیں ہو سکتا چند رازداروں کے اور کسی کو اطلاع نہ ہو سکتی تھی۔ پس یا تو یہ بھی بھڑکے ہوئے کہ وہ دوسری قرأتوں کو پڑھنے تھے اور اعتراض دور ہو گیا۔ یا ان کو یہ صحیح ہے کہ وہ پڑھ لیتے تھے تو معلوم ہوا کہ ان قرأتوں کو اس قدر وقعت نہ تھی کہ انہیں قرآن کریم خیال کرتے ہوں یا اور انہی سے انکو تحریک کا اندازہ نہ لگتے تھے اور نہ قرآن کریم کے نسخوں میں جو کچھ پاس تھے کوئی تفریب نہ کرتے تھے بہر حال معلوم ہوا کہ قرأت کے اختلاف سے فواہ کی کچھ ہی حقیقت ہو یہ مراد لینا کہ قرآن شریف کی اصل عبارتیں محفوظ نہیں رہیں اور بعض لوگ ایک لفظ کو قرآن شریف کا مجزؤ سمجھتے ہیں تو بعض دوسرے کو بالکل غلط خیال ہے۔ بلکہ ایسا خیال کرنا سراسر نادانی ہے +

دوسری قرأتوں
سے مراد

اب قرأتوں کی اصل حقیقت پر ہم غور کرتے ہیں۔ اس بات کو بھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ جن قرأتوں کا ذکر بعض روایتوں اور تفاسیر میں پایا جاتا ہے وہ اور سبقت احرف الی قرأتیں ایک قسم میں مگر چنانچہ کوئی سبقت احرف والی قرأت موجود ہو۔ مگر دونوں کو بعینہ ایک سمجھنا اور سبقت احرف سے مشہور سات قرأتیں مراد لینا سخت غلطی ہے اور اس غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک نوعت کا لفظ قرأت کی جگہ مستعمل ہونے لگا اور دوسرے قرأتوں کی تعداد بھی سات ہی مشہور ہو گئی اور یہی تعداد احرف کی تھی جس کا ذکر حدیث میں تھا اس لئے بعض لوگوں نے کم فہمی سے سبقت احرف اور سات قرأتوں کو ایک قسم میں لیا۔ موجودہ قرأتوں کو جہاں تک میں سمجھتا ہوں مفصل ذیل عنوانوں کے نیچے رکھا جا سکتا ہے۔

اول۔ وہ قرأتیں جو سبقت احرف سے پیدا ہوئیں حضرت عثمان ؓ نے جو مع فرمایا وہ حرف ہ تھا کہ دیگر حروف کی قرأتوں کو قرآن شریف میں لکھا جائے لیکن بعد میں اگر کسی شخص نے ان کو پڑھ لیا ہو۔ تو ایسا ممکن تھا اور خصوصاً اچانک میں ان کا تذکرہ رہ گیا۔ لیکن موجودہ قرأتوں میں سے سبقت احرف الی قرأتوں کو الگ کرنا مشکل کام ہے اور یہی اس کی ضرورت بعض لوگوں نے یہ قاعدہ تجویز کیا ہے۔ کہ جو قرأتیں اپنی طرز تحریر میں قرآن شریف سے ہمیں ملتیں وہ سبقت احرف والی قرأتیں ہیں مگر یہ محض شکل ہے۔ اور انکی شہادت یا ثبوت بالحدیث میں نہیں۔ اور جیسا کہ دکھایا جا چکا ہے ان قرأتوں کی حاجت ایک لغوی ضرورت کے لئے تھی۔ اور ان کا پڑھنا یا جاتھا کسی مسلم کیلئے ضروری تھا اور نہ اب ضروری ہے۔ پس ہمیں اس تحقیقات کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ دوم بعض اس قسم سے اختلاف

جیسے واؤں کی گفتی میں جو نہایت خفیف اختلاف ہیں۔ یسوم۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ اختلاف محاورہ کی ضرورت کے علاوہ بعض جگہ وحی اتنی سے کسی دوسری قرات کی اجازت بھی دیدی گئی ہو۔ اصل عبارت تو اسی وقت لکھی گئی اور محفوظ رہی اور آج تک اسی طرح مصاحف میں لکھی جاتی ہے۔ اور ایسی قرات ایک وقت کیلئے کسی نے پڑھ لی یا پڑھا دی کیونکہ یہ بھی محض اجازت تھی۔ اور اس کا قرآن شریف میں پڑھنا لازمی نہ تھا بلکہ رخصت کے طور پر تھا۔ مگر ایسی قرات کی سمحت اس وقت تک تسلیم نہیں کی جاسکتی جب تک اعلیٰ درجہ کی معتبر اور صحیح احادیث سے ثبوت نہ ملے اور اگر ایسا ثبوت مل جائے تو اس سے بعض وقت بعض الفاظ کے معنوں پر روشنی پڑ سکتی ہے۔ یعنی دوسری قرات کو ایک لفظ کے معنے کیلئے بطور ایک تشریح کے سمجھا جاسکتا ہے۔ چھارم۔ بعض قرائن اس طرح پیدا ہو گئیں کہ ایک لفظ کی تشریح یا تفسیر کو قرات سمجھ لیا گیا مثلاً ایک صحابی نے قرآن شریف پڑھتے وقت ایک لفظ کی کسی دوسرے لفظ سے تشریح کر دی یا اپنے نسخہ قرآن میں کسی لفظ کے معنے کو حاشیہ پر لکھ دیا تو نسخے والوں یا دیکھنے والوں نے اسے بھی ایک قرات سمجھ لیا۔ ایسی غلطیوں کے ازالہ کے لئے حضرت ابو بکر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے جو کوششیں کیں وہ کافی سے زیادہ تھیں۔ اور کوئی ایسی غلط فہمی قرآن میں راہ نہیں پاسکتی +

مختصر عثمان
بعد کی قراتیں

سبب آخراہم ان قراتوں کا ذکر کرتے ہیں جو تعداد میں سب سے زیادہ ہیں۔ ان قراتوں کے پیدا ہونے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب حضرت عثمان نے مصاحف لکھو کر مختلف دیار و امصار میں بھجوائے تو ایسے مصاحف لفظوں اور آواہوں سے خالی تھے۔ اسلئے مختلف مقامات میں بعض الفاظ مختلف طور سے پڑے جانے لگے۔ اگر اس اختلاف قرآن کے یہ معنے لئے جادیں کہ ہر ایک شخص ایک خاص طرز پر پڑھتا تھا اور اسی کو صحیح اور اصل قرات قرآن شریف کی سمجھتا تھا اور اپنے شاگردوں کو اسی طرح پڑھاتا تھا۔ اور ایک دوسرا شخص اس کے برخلاف پڑھتا اور پڑھانا تھا تو یہ عموماً دو طرح سے باطل ثابت ہوتا ہے پہلی دلیل یہ ہے کہ اگر قرآن شریف واقع میں مختلف بلاد میں مختلف قاری مختلف طرز پر پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔ اور ہر جگہ وہی قرات صحیح سمجھی جاتی تھی اور دوسری قراتوں کو غلط سمجھا جاتا تھا تو پھر کیا وجہ ہوئی کہ ایسی قرات قرآن شریف کی اصل قرات کو بجا کہہ جائے ہاتھوں میں ہے بدل زیا۔ اور اصل کی بجائے وہی قرات قرآن شریف نہ ہو گئی؟ یعنی کیوں ایسی قراتیں قرآن شریف کے نسخوں میں لکھ نہ لی گئیں؟ قراتوں کے پیدا ہونے کا وقت تو وہ بتایا جاتا ہے جب زبیر اور نفعی قرآن شریف کے الفاظ پر موجود تھے کیونکہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں ان قراتوں کا نام دفنشان نہیں پایا جاتا بلکہ قرآن کی جماعت بعد میں پیدا ہوئی۔ اب یہ عجیب بات ہے کہ جو نسخے قرآن شریف کے لکھے ہوئے ایسے مقامات پر موجود تھے وہ کہہ دیتے اور پڑھاتے والے یا قاری۔ کسی اور طرح پڑھانے تھے ایک کچھ دارالانسان ایک لکھ کے لئے بھی اسات کو مان نہیں سکتا کہ ایک مقام پر عام رواج تو کسی اور قرات کا ہو اور قرآن شریف میں جو ہاں عام طور پر شائع ہوا ہو کوئی اور قرآن موجود ہو یعنی قرآن شریف میں لکھا ہوا کچھ ہو اور پڑھایا کچھ جاتا ہو مثلاً سوال یہ ہے کہ جب یہ لوگ بچوں کو

قرآن شریف پڑھا کا شروع کرنے سے تو کوئی نسخہ ان کے سامنے کھول کر رکھتے تھے تاہم بلند آواز سے شہاد
 جے رہی ہے کہ قرآن شریف کا کوئی نسخہ کسی اور قرأت الا کسی وقت مسلمانوں میں کسی مقام پر بھی رائج نہیں
 ہوا پس اگر پڑھانے کے لئے وہی قرآن شریف تھا جو کج محلے ہاتھوں میں آوری کے مطابق پڑھا جاتا تھا تو
 دوسری قرائتوں کی وقعت کیا رہی اور وہ کیا کام دیتی تھیں؟ اگر کیوں پڑھاتے تو وقت کوئی اور قرأت اختیار کیجاتی تھی تو
 کوئی حقاہد انسان اس بات کا باور نہیں کر سکتا کہ کچھ کے سامنے لکھی ہوئی عبارت تو کچھ اور ہو اور ہر کوئی پڑھا یا
 کچھ اور جاتا ہو۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ انہیں دوسری قرائتوں کے مطابق ہی قرآن شریف لکھا بھی جاتا تھا تو ہم کہتے
 ہیں۔ کلاس کا ثبوت تاریخ سے دو کچھ بھی اختلاف والے نسخے قرآن شریف کے مروج تھے۔ اور ان نسخوں کو
 دکھانا بھی چاہئے آخر وہ کیا تھے؟ سبکدوڑ برسوں کے پڑانے نسخے جس قدر ملتے ہیں وہ تو وہی ہیں جو کج ہمارے
 ہاتھوں میں ہیں۔ اگر ایسے کوئی نسخہ ہر مقام پر الگ الگ لکھے ہوئے موجود تھے تو بتاؤ کہ ان کو کس نے بتلایا
 اور کس طرح ساری اسلامی دنیا میں سے کیا خرقہ میں اور کیا غریب میں اور سارے اسلامی فرقوں میں سے وہ کیا کیا بود
 ہو گئے؟ پس ثابت ہوا کہ دوسری قرائتوں کو کبھی کسی نے پڑھا بھی تو اس نے خود بھی انکو اس قدر وقعت نہیں دی
 کہ وہی قرائتیں دوسروں کو بھی پڑھاتا اور انکو رواج دیتا یہاں اس قابل سمجھتا کہ وہ بھی جا کر آئندہ نسلوں تک پہنچ سکیں؟
 دوسری دلیل جس خیال کو باطل ٹھہراتی ہے یہ ہے کہ اگر مختلف مقامات میں مختلف قرائتیں پڑھی اور
 پڑھائی جاتیں تو کم از کم اتنا تو ہوتا کہ پڑھنے میں یہ قرائتیں ایسا رواج یا جاتیں کہ ایسے مقام پر نسل بعد نسل یہی قرائتیں
 اختیار کر لی جاتیں کیونکہ جیسا کہ کہا جاتا ہے ان قرائتوں کو یا ان میں سے بعض کو اختیار کر نیوالے بڑے بڑے آدمی
 تھے پس دو حال سے خالی نہیں یا تو ان لوگوں نے جو قرائتیں مشہور کیں ان میں سے کسی کو مسلمانوں نے عام طور پر
 اختیار نہیں کیا۔ اس صورت میں یہ قرائتیں کچھ وقت نہیں رکھتیں۔ کیونکہ نہ صرف وہ تحریر کے مخالف ہی پائی
 گئیں بلکہ جمہور نے بھی انکو قبول نہیں کیا۔ اور یا جمہور نے ان قرائتوں کو صحیح تسلیم کر کے اختیار کر لیا۔ مگر ایسا جسے
 باطل ٹھہرتا ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو اب بھی ضرور وہی اختلاف قرائت میں باقی ہے ہوتے۔ مگر صورت نہیں ہے۔
 بلکہ جس طرح ایک ہی قرآن شریف تحریر میں موجود ہے یہی طرح ایک ہی قرآن شریف حافظہ میں موجود ہے۔ اور اگر تحریرتہ ایک قرآن شریف
 اسلامی دنیا کے، ایک کھمے سے اور ایک دوسرے کھمے سے لیا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ دونوں ایک ہی طرح پڑھتے ہیں۔ اور انکی قرائتوں
 میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس سے ہم یقینی طور پر اس نتیجہ پہنچتے ہیں کہ پہلے کبھی کسی زمانہ میں قرآن شریف کے پڑھنے
 میں قرائتوں کی طرح اختلاف نہیں ہوا جس طرح کہا جاتا ہے کیونکہ اگر کوئی اختلاف ہوتا تو چاہئے تھا کہ اس کا دائرہ دن بدن
 ہوتا چلا جاتا نہ، تاہم تاریخ سے یہ ثابت لگتا ہے کہ ایک زمانہ تک ایسے اختلاف نہ ہوئے اور یہ کیا کیا؟ سب سے سب خود ہی نے پچھتے اسلام
 ایک خاص دائرہ کے اندر محدود نہیں بلکہ ابتداء سے محدود و محدود نہیں لکھا تھا اور کوئی اس ذات اہل نبی تھی کہ وہ مسلمین کو باوجود
 اختلاف کے پہلے موجود ہونے کے ایک ہی قرأت پر جمع کر دیتی۔ ہاں ایک طائفہ تھی اور وہ دی تھی جس نے پہلے ہی یہ
 فرمایا تھا انا نحن نزلنا الذکر انما للخصفون پس جس طائفہ سے پہلے یہ لفظ بولے گئے تھے اسی طائفہ

وہ کام بھی کر دکھایا جو انسانی طاقتوں سے ممکن نہ تھا +

لفظوں
حرکات کا
وجود حافظ
میں

اب ہم اصل بحث کی طرف رجوع کرتے ہیں اس بات کو فرض کر کے کہ حضرت عثمانؓ نے جو مصحف لکھوائے تھے ان پر لفظ اور حرکات نہ تھے اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آیا لفظ اور حرکات کے نسخے سے اختلاف قرات کا پیدا ہونا ممکن تھا۔ ثبوت یہ ہو چکا ہے کہ شروع سے حفاظت قرآن کے دو سامان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کئے اور یہی دو سامان آج کے بعد بھی ہر وقت اور ہر زمانے میں اپنا کام کرتے چلے آئے۔ ایک قرآن کریم کے ہر ایک لفظ کا ضبط تحریر میں لایا جانا اور دوسرا اس کا سینوں میں محفوظ کیا جانا یعنی تحریر اور حافظ۔ جب حضرت ابو بکرؓ نے دن میں جمع قرآن کا کام کیا گیا۔ تو اس وقت بھی اس دوری شہادت کا کام لیا گیا اور جس طرح قرآن کریم کے کچھ ہر نسخہ میں پھیلے پڑ جاتے تھے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ کثرت کے ساتھ قرآن شریف کے حفظ کرنے کا سلسلہ جاری تھا۔ اس طرح حضرت عثمانؓ کے وقت میں ہزاروں حافظ قرآن شریف کے موجود تھے جن میں سے بعض تو وہ تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن کریم کو حفظ کر چکے تھے اور بعض وہ تھے جنہوں نے صحابہؓ کے پاس سے حفظ کیا۔ اسلئے حضرت عثمانؓ نے جب کچھ سوائے نسخے یا ہر نسخے تو یہ نسخے بھی حافظ کی شہادت کو ساتھ رکھتے تھے کیونکہ قرآن کریم کے حافظ اسلامی دنیا میں ہر جگہ موجود تھے پس اگر بالفرض ان نسخوں پر لفظ اور حرکتیں دی جی تھیں تو اس سے کوئی حرج لازم نہیں آتا۔ کیونکہ قرآن کریم کی حفاظت صحابی تحریر میں تھی اسی طرح حافظ میں بھی تھی اگر کسی جگہ ایک نسخہ لکھا ہوا قرآن شریف کا پہنچا تو ہزاروں حافظ بھی موجود تھے۔ اور حفاظت کے ان دونوں سامانوں کے مٹنے ہوئے کسی غیر تبدیل کا واقع ہونا ناممکن تھا +

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جیسا کہ فتح الباری میں لکھا ہے کہ ابتدائی زمانہ اسلام میں قراتوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ اور بہت بڑی تعداد قراتوں کی بعد میں پیدا ہو گئی۔ ان قراتوں کا بعینہ رد حال ہے جیسے حدیثوں کا یعنی دن ان کی کثرت ہوتی چلی گئی۔ امام بخاری نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے دو اڑھائی ہزار حدیث کو لیا۔ اسی نسبت قراتوں کو جانچ لینا چاہئے صحابیوں اور تابعین کے درمیان قرات کی روایت کو خلیا بہت ہی کم لوگ پائے جاتے ہیں۔ مگر بعد میں ایک ایسی قوم پیدا ہو گئی جنہوں نے قرات کو اپنا پیشہ بنالیا اور بہت سی قراتیں جاننے کو فخر سمجھا۔ اسی سے کثرت قرات کا شروع ہوئی۔ اسلئے کسی قرات کو قبول کر کے کیلئے اعلیٰ درجہ کے معقول یعنی شہادت چاہئے صرف مفسرین کے اقوال یا بعض قرات کے اقوال سے لمبی معتدل اور یقینی شہادت نہیں ملتی بلکہ صحیح احادیث سے ہی صرف ایسی شہادت مل سکتی ہے۔ مگر یہاں بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگر کسی قرات کو صحیح حدیث سے کسی صحابی تک پہنچا دیا جائے تو اس سے نتیجہ تین نکات کو وہ قرات واقعی قرآن شریف میں ہی مدخل ہے بخاری کے درمیان جو کچھ اختلاف مختلف حروف کی قرات کی وجہ سے پیدا ہوا تھا اسکی حقیقت ہم پہلے سلیک کر چکے ہیں اس بات کی تائید یہ ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا بلکہ جس طرح اس کلام پاک کو ضائع اتانا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو اور ان مقدس بزرگوں نے بعد کی نسلوں کو پہنچایا۔ اور بلا شک و

شہد ایک حرف اس کا بغیر کسی کمی زیادتی یا تغیر تبدیل کے دی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا تھا۔
 اگر یہ سوال کیا جائے کہ جس صورت میں مختلف قرائن کا کسی زمانہ میں بھی رائج ہونا ثابت نہیں تو آخر ان قرائن سے مراد
 کیا ہے جو ہر انسان میں سے غور کیا ہے بات صرف اس قدر معلوم ہوتی ہے کہ جہاں معنوں میں کوئی اہم تغیر پیدا ہو سکے بغیر
 ایک لفظ کو کسی اور طرح پر بھی پڑھا جاسکتا تھا اسی کو قرائن کہہ دیا گیا ہے نہ کہنے والے کا یہ فیضان تھا کہ وہ لفظ اس طرح
 پر نازل نہیں ہوا جس طرح پر پڑھا ہوا قرآن میں موجود ہے۔ اور نہ ہی بھی یہ مطلب تھا۔ کہ وہ لفظ دونوں طرح پر نازل ہوا
 ہے۔ اسلامی دنیا میں کسی شخص نے کسی جگہ ایک لفظ کے لئے بھی کسی قرائن کو وقعت نہیں دی کہ قرآن کریم کے اصل لفظ کو
 انکار کردہ قرائن داخل کر دیا مثال سے یہ بات اور بھی واضح ہو سکتی ہے۔ فاتحہ حبیبی سورۃ جسے ہر نماز میں کوئی ذکر کھیلے طور پر
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے۔ اس کے اصل الفاظ کے متعلق کب کسی کو کوئی شک پیدا ہو سکتا تھا اگر اس
 سورۃ میں بھی بعض قرائن نہ ہوتے ہیں مثلاً ملک یوم الدین میں دو اور قرائن مملک یوم الدین اور
 ملک یوم الدین جاتی ہیں مطلب ان قرائن کا صاف ظاہر ہے یعنی لفظ کی صورت کو بدلنے کے بغیر دو طرح پر
 یہ لفظ پڑھا جاسکتا ہے جس سے معنوں میں بھی کچھ فرق نہیں آتا۔ اب اس کے سامنے نہیں کہ کبھی اس بارے میں شک
 ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس لفظ کو کس طرح پڑھتے تھے۔ بلکہ لفظ اور معنی کے تغیر کے بغیر ایک صورت اسی لفظ
 کے یاد کرنے کی تھی۔ زیادہ سے زیادہ کسی قرائن کے متعلق صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ انکی اجازت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ
 وسلم نے دی۔ مگر کسی قرائن کو یہ ترتیب دینے کیلئے مضبوط شہادت بجا رہے۔ جو اعلیٰ درجہ کی صحیح احادیث
 پر مبنی ہو۔ اور ایسی کسی قرائن سے جیسا کہ میں پہلے کہ چکا ہوں قرآن کریم کی اصل عبارتوں کی حفاظت میں کچھ فرق
 نہیں پڑتا۔ کیونکہ یہ اختیار ہی قرائن تخصیص جن کی اجازت دیجی۔ اور ان کو دوا جزیس کیا گیا۔
 اس تمام بحث سے یہ معلوم ہوگا۔ کہ جس معنوں میں اختلاف قرائن کا لفظ عام طور پر دیا جاتا ہے اس معنوم کے رُوسے
 قرآن کریم میں داخل کوئی اختلاف قرائن نہیں عام طور پر جب ہم کسی نسخہ یا کتاب کے اختلاف قرائن کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے
 مراد یہ ہوتی ہے۔ کہ یہ اثر مشتبہ ہے۔ کہ اصل میں اس نسخہ یا کتاب میں ظاہر عبارت تھی جو اس میں موجود ہے یا دوسری عبارت تھی جو
 بطور قرائن میں پیش کی جاتی ہے قرآن کریم میں ایسا اشتباہ ہرگز نہیں بلکہ یقین کامل کے ساتھ ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس
 متعلق قطعی شہادت اور متن ثبوت پیش کر دیا گیا ہے۔ کہ اصل عبارت قرآن کریم کی وہی تھی جو آج بین المذاہب موجود ہے
 ایسا ہی اختلاف قرائن کے بعض وقت مراد غلطی کی بھی ہوتی ہے یعنی مراد نسخہ میں کسی طرح سے کوئی غلطی راہ پاگئی ہے
 یا کوئی نقص لگ گیا ہے۔ چنانچہ بائبل وغیرہ کی کتابوں کے متعلق جب یہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد انہی معنوں میں
 سے کوئی معنی ہوتے ہیں۔ جن کا ذکر میں نے یہاں کیا۔ مگر قرآن کریم کے متعلق اس لفظ کا استعمال ان معنوں میں ہرگز
 درست نہیں کیونکہ قرآن کریم کے تمام نسخے جنہیں اسلامی دنیا نے قبول کیے ہیں۔ انہیں سے کچھ ایسی غلطیوں سے محفوظ رہے
 ہیں۔ اور تیرہ صدیوں سے ایک ہی نسخہ چلا آتا ہے جس کی حفاظت یقینی دلائل اور روشن شہادت سے ثابت ہے۔

پہا	نام کتاب	پہا	خلاصہ مضمون
۱	التبوت فی اسلام جلد ۱	۱	اس میں نبوت رسالت محمدیت تجدید اور حضرت مرزا صاحب مسیح موعود کی نبوت پر اصول بحث کی گئی ہے۔ قرآن اور حدیث اور حضرت مرزا صاحب کی کتب ثابت کیا گیا ہے کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ختم ہو گئی۔ اور مرزا صاحب نبی مجھے محدث ہیں +
۲	عسلامی	۳	غلاموں اور لونڈیوں کے بارہ میں اسلام کے وہ اصول قرآن شریف نے بیان کئے ہیں ان سے ثابت کیا گیا ہے کہ مخالفین کے اعتراضات صداقت سے خالی ہیں +
۳	عصمت انبیاء	۴	عصمت انبیاء کو قرآن کریم سے ثابت کیا گیا ہے۔ اور مخالفین نے جو الزامات انبیاء پر لگا ان کو قرآن سے ہی رد کیا گیا ہے +
۴	سکھ ازم انگریزی میں	۱	اس میں فاضل مصنف نے ثابت کیا ہے کہ باوانا تک صاب کے مسلمان ہیں۔ اور ان کا مختصر حال ہے +
۵	مسلم پریشی اسلامی پریشی میں	۲	اس میں اسلامی سازگار ترجمان کریں ہیں نہایت اچھے کے ساتھ کیا گیا ہے +
۶	الوصیت	۲	اس میں حضرت مرزا صاحب مسیح موعود کی آخری وصیت درج ہے جو آپ کے حسب منشاء آسمانی نبی سے پہلے لکھ کر شائع کی۔ اب جو ضروری نوٹ حضرت مولوی محمد علی صاحب مکیس تحریر حضرت مرزا صاحب دوبارہ احمد یمن اشاعت اسلام لاہور نے چھپوا کر شائع کیا +
۷	سلسلہ تصدیقات جدید جلد اول دلائل کاغذ سے	۱	یہ طبع برائین احمدیہ ہر چار حصے شریک ہے۔ اس میں حضرت مسیح موعود نے قرآن کریم اور حضرت تم کی تصدیقات برائین تیرہ اور دلائل قاطعہ کے ساتھ ثابت کی ہے۔ اور مخالفین اسلام کے الزامات کو جو اسلام اور بائی اسلام پر لگاتے ہیں بڑے در سے توہید کی ہے۔ اور مسکین اسلام پر محبت اسلام ہی کرنے کیلئے جو عدہ انعام دس ہزار روپیہ سکون شائع کیا +
۸	القول المجدی تفسیر اسماء احمد	۱۸	اس میں فاضل مصنف نے میان محمود احمد کے عقائد دوبارہ پیشگوئی کی کہ احمد اور نبوت کی علامت احمد مسیح موعود۔ اور مسئلہ کفر و اسلام کی برائین تیرہ کے ساتھ تردید کی ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ کلمہ احمد کی پیشگوئی کے حقیقی مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود جو دینی نبی ہیں۔ ان کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا +
۹	در ثمنین بجملہ تجملہ	۱۹ ۱۲	حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تمام اردو اور فارسی نظمیں جواب تک شائع ہو چکی ہیں ایک جگہ جمع کی گئی ہیں +
	اطبا النصارح فی رد الزعم والافتراء	۴	میان محمود احمد صاحب کے رسالہ انوار خلافت پر تنقید +
تمام درخواستیں بنام مبینجر ملک ڈپو احمد یمن اشاعت اسلام لاہور آتی جا رہیں			

نکات قرآن

بہار حصص از ابتدائے سورۃ فاتحہ تا آخر سورۃ النساء

یعنی سو پانچ پاروں کی مکتوبہ تفسیر
۲۲×۲۹ سے چار سو صفحات پر
قیمت ہر چار حصص ۱۰۰

مکتوبہ تفسیر

ذیل میں بعض اخبارات کی رایش اس تفسیر کے متعلق درج ہیں :-

اسوہ حسنہ میرٹھ باب ۱۶ جولائی ۱۹۱۶ء

”مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی سابق ایڈیٹر صلاہ ریویو آف ریلیجنس فاؤنڈیشن کی تفسیر کا دوسرا حصہ نکات القرآن کے نام سے شائع ہوا ہے جس میں دوسرے پارہ کے شروع سے آخر سورۃ بقرہ تک کے تفسیری حواشی درج ہیں۔ مولوی صاحب نے حق کی عمر کا بڑا حصہ قرآن مجید میں غور و تدبر کرنے اور حقائق اسلام کے اعترافات کی تردید میں صرف ہوا ہے۔ اسنے اگر کئے گئے تفسیری غلطیوں میں کیا جائے کہ وہ موجودہ زمانہ کی بہترین تفسیری تصنیفات میں شمار ہونے کے قابل ہے تو جملے تو نہیں۔ ہم نے اس تفسیر کے اکثر مقامات کو غور سے پڑھا ہے اور پھر بہت غلطیوں کو دیکھا ہے۔ واقعی امر یہ ہے کہ مولوی صاحب نے ضرورت و فتنہ کو نظر رکھ کر قرآن مجید کے حقائق کا علیہ برہانیت غیبی سے روشنی ڈالی ہے۔ اور درو کیا کو گورہ میں بند کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے جو ضروری تطویل اور محل مخصوص اختصار پر دو مہینہ تک ایسی تفسیر میں عموماً پائے جانے میں لیکن نکات القرآن ایک صدمہ ان سے بالکل ہے۔ اس تفسیر میں مناسب موقع پر ان شکوک و شبہات کے بھی شافی جوابات دیئے گئے ہیں جو حد تعلیم یا صحیح اثر سے ناواقف مسلمانوں کی طبیعتوں میں پیدا ہونے یا غیرواقع کی جاننے سے کیے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ تفسیر ان لوگوں کے لیے بھی کامیاب ہے جو خلیفہ اسلام میں کچھ دیکھیں نہیں۔ غلط ہرگز اس معاملہ میں پڑے ہوئے ہیں کہ قرآن مجید کی تعلیمات محض روحانی دائرہ تک محدود ہیں، اور حاشائے اہل تمدن کی سیاسی امور سے انہیں کوئی تعلق نہیں۔ اس تفسیر کے مطالعہ سے ان کی غلط فہمیاں بھی بہت کچھ رفع ہو سکتی ہیں۔ نکات القرآن کی زبان سلیس اور آسان ہے۔ اور اس میں وہ مولویانا آج بھی نہیں ہے جس سے تفسیری قابلیت رکھنے والے کو مطلب سمجھنے میں دقت ہو“

زمیندار ۱۵۔ اپریل ۱۹۱۵ء

”جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی عزت والا جو دررگوں میں سے ہیں جن کی عالمانہ زندگی کا کوئی کچھ خدمت اسلام سے خالی نہیں رہتا وہ روزانہ قرآن کا درس دیتے ہیں۔ اور اہمیت کی تفسیر میں حقائق و معارف کے دریا بہاتے ہیں جس میں اس درس مقدس کے بعض اہم اقتباسات انہوں نے غور سے غائبہ کر کے شائع فرمائے ہیں جس میں اکثر آیات مجز و اول اور کسی قدر مجز و ثانی کی تفسیر ہے۔ اور اس قدر ان کی تفسیر ہے کہ شاید اردو زبان کا خزانہ ایسے تابناک جواہر ریزے بڑی مشکل سے بھی نکال سکے“

وطن ۱۳۔ اپریل ۱۹۱۵ء

مولوی صاحب موضوع نے قرآن لین کے پہلے پائے کے تفسیری نوٹ لکھ کر شائع کئے ہیں جنہیں پانچ بھی ایک ایک ایضاً رپولہ انہوں نے بھیجی ہے۔۔۔ کاغذ لکھا تھا چھاپائی سب روزوں اور ذلیل توفیق ہے اس وقت تک کہ نہ متناقل کے سبب بالاستیعاب اس کتاب کو پڑھنے کا موقع نہیں مل سکا لیکن جب چند مختلف مقامات کو پڑھنے دیکھا ہے اور اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ یہ نمایاں مفید تھا ہے،۔۔۔۔۔ ایک قدیم مسلمانوں کو ضرور کرنی چاہئے جس کی مولوی صاحب کے علم و فضل سے توقع تھی انہوں نے زمانہ حال کی ضروریات اور ہر زمانہ کی ضروریات کے اعتراف کو جوہر قرآن شریف پر کیا ہے کہ ہر شے نظر رکھ کر یہ نوٹ لکھے ہیں۔۔۔ ہماری خوش ہے کہ مولوی صاحب مولوی اسی طرح پڑے قرآن شریف کے تفسیری نوٹ شائع کر سکیں۔۔۔ ہم اپنی طرف سے پچاس جلدیں خرید کر سدا جہ کے ان ماموں کو جو کم استطاعت ہیں۔ فائزہ عام کے لئے مفت تفسیر کرنا چاہتے ہیں“

ملنے کا پتہ دفتر احمدیہ انجمن اشاعت الملام لاہور

